اکابر علماءِ دیوبندؒ

برصغیر پاک و ہند کے ۸۰ ممتاز اکابر علمائے دیوبند
کے حالات کمالات اور علمی خدمات کا جامع تذکرہ

تالیف

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ادارہ اسلامیات
۱۹۰۔ انارکلی لاہور

اکابر علماءِ دیوبند رحمہم اللہ

برصغیر پاک و ہند کے ۸۰ ممتاز اکابر علماءِ دیوبندؒ
کے حالات و کمالات اور خدماتِ جلیلہ کا جامع تذکرہ

تألیف
حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری

ادارہ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ۰ لاہور

طبع سوم

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تذکرہ اکابر علماء دیوبند

مصنّف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

کتابت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد ظفر محبوب کھوکھر

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات : ـــــــ ۱۹۰ انار کلی لاہور ۲
دار الاشاعت : ـــــــ اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ المعارف : ـــــــ ڈاکخانہ دار العلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دار العلوم : ـــــــ کراچی ۱۴

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا الشیخ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ

بانی دارالعلوم کراچی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درسگاہ ہے جس نے گذشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے، دارالعلوم کی ابتداء ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی، کسے معلوم تھا کہ یہ یہاں ایک چشمۂ فیض جاری کیا جا رہا ہے جس نے برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیا اور پھر اس درسگاہ سے علم و فضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درسگاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئی ہیں اور دینی درسگاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا ہے بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ دارالعلوم کے قرن اول کے طلباء میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص صاحب نسبت ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ

گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن سے گونجتا تھا چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم دیوبند سے تیار ہوئیں۔ انہوں نے عبادات، معاملات اخلاق و معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسّم تبلیغ تھا، وہ جہاں بیٹھتا گیا ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا۔ علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا بلکہ اس میں اخلاق و عمل اور عشق و محبت کا سوز و ساز بھی شامل تھا اس لئے اس کی یہ خصوصیت رہی کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا، وہاں ہر شخص علم و عمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا، اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی خاکساری اور ایثار و زہد کے جذبات سے معمور تھے،

دارالعلوم کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھے اور ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں لیکن ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں، غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم و عمل و فضل کا لوہا منوایا ہے، دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے ہم سبق اور ہر کام میں رفیق، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ کے خلیفہ اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب ؒ کے صاحبزادے تھے، مزاج شاہانہ، مگر سادگی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات کمر بند نہ ملا تو رسّی ہی سے کام لیا، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ؒ دارالعلوم کے پہلے مفتی اعظم تھے لیکن مجھے ذاتی طور پر

علم ہے کہ وہ محلّے کی بیواؤں، یتیموں اور بے کس افراد کا سودا سلف خود اپنے ہاتھوں سے لاکر انہیں پہنچایا کرتے تھے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنہوں نے ڈیڑھ ہزار کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں۔ ایک امیر گھرانے کے چشم وچراغ تھے لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے تھے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں اوقات کے نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جاسکتا تھا زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا ہمیشہ عشاء کے بعد سوجاتے اور آخر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوجاتے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا بہر حال یہاں سے علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی امروہی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، علامہ ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے ہزاروں علم وعمل کے آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے اور دارالعلوم دیوبند درحقیقت ان ہی عظیم شخصیتوں اور اسی طرز فکر کا نام ہے، عزیزم مولوی حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ نے دارالعلوم سے پیدا ہونے والی انہی چند بے مثال شخصیتوں کا مختصر مگر جامع تذکرہ مرتب کیا ہے جنہوں نے دنیا میں علم وعرفان کے چشمے جاری کئے ہیں اور جو اپنی اپنی ذات میں ہر ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے، بس اور زیادہ کیا لکھوں، قویٰ کا خاتمہ ہوچکا ہے لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور ہوچکا ہوں۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مختصر تذکرے کو نافع و مفید بنائے۔ آمین۔

بندہ محمد شفیع

دارالعلوم کراچی

تقریظ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب مدظلہم العالی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۰

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیام ہے جو پورے عالم کی ہدایت اور پوری انسانیت کی اصلاح وفلاح ونجات کے لئے آیا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں جن کے دائرہ نبوت کو ہر زمان ومکان پر محیط اور ابد الاباد تک مستمر کر دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کار رسالت کی ادائیگی اور اپنے دین کی دعوت وپیام کو عام کرنے کے لئے جن فرائض نبوت سے نوازا ہے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیام کو پہنچانے کا پورا پورا حق ادا فرمایا اور عالم کو ہدایت سے بقعۂ نور بنا دیا اور اُمت کو نیابتہً یہ فرائض سونپ کر تشریف لے گئے اور ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل امت ان فرائض کو ادا کرتی رہی، کاشانۂ اسلام کی رونق انہیں فرائض سہ گانہ نبوت کے لئے جد وجہد سے قائم تھی اور قرون اولیٰ سے لے کر اب تک دین کی سرسبزی واشاعت انہیں فرائض کی بجا آوری کے لئے جہد وجہاد سے باقی وقائم رہی، غربت کدہ ہند میں اسلام کے قدم صحابہؓ کے عصر سعادت میں پہنچ چکے تھے۔ غزنوی وغوری کے خانوادوں کی ترکتازیوں اور ایبک والتمش کی معرکہ آرائیوں نے

اقصائے ہند تک سلطنتِ اسلامیہ کا پرچم لہرا دیا تھا دوسری طرف علماء و صوفیاء کرام کی کاوشوں نے ساکنان ہند کے لئے اسلام میں داخلے کا دروازہ کھول دیا تھا، اسلام کے ظاہری و باطنی استیلاء کو خاندانِ مغلیہ کے بعض فرمانرواؤں کی غلط سیاست و اقدامات سے زک پہنچی اور اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب تھم گیا لیکن رحمتِ حق کو جوش آیا اور اللہ تعالےٰ کی حکمتِ بالغہ نے سیاسی کوتاہیوں کے مداوا کے لئے گیارہویں صدی ہجری میں قطبیت تشریعیہ کا مرکز زمین ہند کو قرار دیا اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی احمد سرہندی نور اللہ مرقدہٗ سے ہدایت اور نیابت نبوت کا وہ کام لیا جس کی مثال قرون متاخرہ میں نہیں ملتی، اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دورۂ تجدید سے دین کی بقاء فروغ و نیابت، فرائضِ رسالت کی بجاآوری انہیں کے منتسبین کے سپرد ہے، دار العلوم دیوبند بھی اسی سلسلے کی وہ سنہری کڑی ہے جسے من حیث الجماعتہ فرائض سہ گانہ نبوت کی ادائیگی اور جہد و جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت اور تصلبِ دینی اور اور احقاقِ حق اور ابطال باطل، اشاعتِ اسلام اور ردِّ بدعات کی دولت نصیب ہوئی۔ کفر و استعمار کے مقابلہ میں دیوبند ایک عظیم قلعہ ثابت ہوا اور گزشتہ ایک سو سال سے دیوبند میراث نبوت کا حامل و امین اور داعی ہے جو نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ہمہ جہتی، فرائضِ نبوت کا وارث، دعوت و ارشاد، جہد و جہاد، حفاظتِ علوم رسالت، تعلیم و دعوت کتاب و سنت تدریس و اشاعت فقہ و کلام تزکیۂ قلوب و تربیت و تصفیۂ نفوس کا علمبردار ہے دار العلوم دیوبند کو برملا قاسم العلوم والخیرات، دام الفحول والنوابغ، کہا جاسکتا ہے جس کے فیوض عامہ سے بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف پورا ہند و پاک سیراب ہے بلکہ اس کا سایۂ برکت و نور اور ظل سعادت و رحمت اقصائے عالم پر محیط ہے، ذالک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور بانیان

دار العلوم کا اخلاص و تقویٰ ہے جس نے اس شجرہ طیبہ کو اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا ، کا مصداق بنا دیا ہے ۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود
زانکہ از اخلاصات ابراہیمؑ بود

احقر کے نزدیک دار العلوم نرا ایک جامعہ ، درسگاہ یا مرکز تعلیم و تربیت نہیں بلکہ ایک مستقل تحریک و دعوت و مدرسۂ فکر ہے ، آج دیوبندیت کا اطلاق نہ صرف دار العلوم دیوبند پر ہوتا ہے بلکہ وہ تمام مدارس و ادارے جو دیوبند کے رنگ میں رنگ چکے ہیں اور مسلک دیوبند کے ترجمان بن چکے ہیں انہیں دار العلوم دیوبند کی شاخ قرار دیا جائے گا ۔ اس اعتبار سے دیوبندی مدرسۂ فکر کے دائرہ میں مظاہر العلوم سہارنپور ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ، دہلی و میرٹھ اور بنگلہ دیش کے مدارس و ادارے ، پاکستان میں دار العلوم کراچی ، جامعہ اشرفیہ لاہور ، خیر المدارس ملتان ، دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور ہند و پاک کے دیگر بیشمار ادارے و مدارس آجاتے ہیں ۔ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ۔

جس طرح درخت کا اپنی جڑ کی مضبوطی و استواری پر انحصار ہوتا ہے اور وہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح کوئی دینی ادارہ یا جماعت اپنے بانیوں کے اخلاص و تقویٰ کے بقدر پھلتا پھولتا اور قائم رہتا ہے اور اس کے تربیت یافتہ افراد سے اس کی کارکردگی ، کمال و خوبی کا اندازہ ہوتا ہے ، اس معیار پر جب ہم دار العلوم دیوبند کو جانچتے ہیں ، تو اس کی بنیادوں کو اٹھانے والی وہ قدسی الصفات ہستیاں دکھائی دیتی ہیں ۔ جن کی پیشانیاں علم و تقویٰ ، زہد و قناعت ، خلوص و للہیت ، تعلق مع اللہ ، محبت الٰہی ، خشیت الٰہی ، حب اللہ

کے نور سے چمکتی تھیں جو سنت کے کمال اتباع کے ساتھ متصف اور حُبّ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے، دین کی محبت و حفاظت کے نشے میں سرشار اور کفر و ضلالت، الحاد و معصیت کے ہر ذرّہ سے بیزار تھے جو اسلام کی محاذ میں جان کی بازی لگائے ہوئے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے عملی میدانوں میں سرگرم عمل رہ چکے تھے جو دنیاوی جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت، نام و نمود، ذاتی آرام و آسائش سے کنارہ کش اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے جذبہ میں مگن: ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا پیکر تھے اگر ان کے ظاہری اعمال و کردار احکام الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین تھے تو ان کے سینے علوم نبوت سے معمور اور ان کے دل معرفت الٰہیہ، حب الٰہی اور حُب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور تھے گویا ان کے ظاہری و باطنی اعمال سیرت طیبہ محمدیہ کے انوار کا آئینہ، ہدایت الٰہیہ کا گنجینہ اور فیوض نبویہ کا خزینہ تھے، فیضان نبوت محمدیہ کے ظاہری و باطنی سوتوں سے ان کی ذوات عالیہ سیراب اور منہاج نبوت پر استقامت ان کا امتیاز تھا وہ ظاہر و باطن کے جامع علم و عمل کے سنگم، مدرسیت و خانقاہیت کی یکجائی کے مظہر و مرج البحرین یلتقیان، معقولات و منقولات کے بیک وقت بحر ذخار، رات کو عابد شب زندہ دار، دن کو دفاع حق میں تیغ آب دار، تدریس علوم کے وقت ان سے یعلمہم الکتاب والحکمۃ کی جلوہ ریزیاں نمایاں اور تربیت نفوس کے وقت یزکیہم کی نور افزائیاں ہویدا تھیں گویا ان میں سے ہر ایک بیک وقت کمالات دینی کا مجمع البحار تھا۔ الغرض دار العلوم دیوبند نے جن اعاظم رجال اور اساطین علم و عمل اور نفوس قدسیہ کو وجود بخشا، قرون متاخرہ میں اس کی مثال شاذ ہے۔ زیر نظر کتاب میں محترم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب نے انہی چند ممتاز اکابر دیوبند کا بڑی محنت و عرق ریزی سے تذکرہ پیش کیا ہے جو یقیناً دیوبندی مکتب فکر کے تمام افراد کیلئے انمول تحفہ ہے، ہم خلوص دل سے حافظ صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی اس محنت و کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور اسے انکے لئے ذریعۂ نجات بنائے آمین ۔ محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اکابرِ دیوبند

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پُتلے

نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلّ رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مُسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوّت کی وراثت ہے؛

انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلّق ہوں

پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سُخندانی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

قصبہ نانوتہ، کاندھلہ، دیوبند، گنگوہ اور تھانہ بھون مشہور علمی مراکز ہیں یہاں خاندان شیوخ، فاروقی عثمانی، صدیقی اور انصاری آباد تھے اور یہ قصبے ہمیشہ سے بزرگوں اور مشائخ کے مسکن رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مولد اور وطن عزیز قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور ہے جو دیوبند سے بارہ میل مغربی جانب واقع ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے آپ کا تاریخی نام خورشید حسین اور تاریخ پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ ہے والد صاحب کا نام شیخ اسد علی بن غلام شاہ ہے جو نہایت پرہیزگار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

آپ بچپن سے ہی ذہین، طباع، محنتی اور سعادت مند تھے تعلیم کے دوران ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں نمایاں رہے بہت چھوٹی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ آپ نے قصبہ دیوبند میں فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے علوم حدیث کی تکمیل کی فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے کتابت کا کام شروع کیا اور سب سے پہلے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کی بخاری شریف کی تصحیح اور کتابت فرمائی اور کافی عرصہ میرٹھ اور دہلی میں کتابت کا کام کرتے رہے اس کے ساتھ ساتھ تدریس و درس کا سلسلہ بھی آپ نے شروع کر دیا تھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ حضرت مولانا حکیم محمد صدیق مرادآبادیؒ اور حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ کو آپ نے میرٹھ اور دہلی کے زمانہ کتابت میں حدیث پڑھائی ہے، اسی دوران آپ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلوک و تصوف کے منازل طے کرنے کے بعد خلعتِ خلافت سے نوازے گئے، آپ نے جوانی ہی میں اپنے آپ کو نیکی اور تقویٰ کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اور اپنی زندگی کو ایک خاص نہج پر استوار کر لیا تھا۔ آپ کے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے۔ کہ:۔

"ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوتے"

ایک مرید کے لئے مرشد کا یہ خراج تحسین کچھ کم نہیں ہے، آپ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور حد درجہ منکسر المزاج بھی تھے، شہرت سے گریزاں بڑائی سے نفور اور ریا سے کوسوں دور تھے مسئلہ خود کبھی نہ بتاتے، کسی کے حوالے سے بیان کرتے، فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا آپ کو ناپسند تھے، امامت سے گھبراتے اور ہمیشہ مقتدی بن کر نماز ادا کرتے تھے، علم و عمل زہد و تقویٰ کے پہاڑ تھے بہت بڑے مناظر، مجاہد اور جفاکش تھے باطل فرقوں کے پادریوں سے بہت سے مناظرے کئے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔ جب سے انگریز نے ہندوستان میں قدم جمائے اور مختلف ہتھکنڈوں سے دوسرے مذاہب کو پامال کرنے اور عیسائیت کو پھیلانے کے لئے کوششیں شروع کیں تو اس کی مدافعت اور مزاحمت کے لئے مسلمانوں کی ایک انقلابی جماعت تیار کی گئی۔ اس جماعت میں باقاعدہ امامت کا نظام تھا، تیسرے امام شاہ عبد الغنی دہلویؒ مقرر ہوئے ان کے انتقال کے بعد ۱۸۴۶ء میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ امام مقرر ہوئے اور جب ۱۸۵۷ء کی ابتداء ہوئی تو انقلابی

جماعت بھی حرکت میں آگئی، حضرت حاجی صاحبؒ کے رفقائے کار میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ اور حافظ ضامن تھانوی شہید شامل تھے۔ جہادِ حریت کے سلسلے میں تبادلۂ خیال ہوا تو مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ نے بے سرو سامانی کا ذکر کر کے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لینے سے گریز کی تجویز پیش کی تو مولانا نانوتویؒ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ کیا ہم اصحابِ بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟

حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ فقرہ سنا تو تڑپ اٹھے اور فرمایا کہ :-

"الحمد للہ انشراح ہو گیا"، اور جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی، حاجی امداد اللہؒ امیر مولانا نانوتویؒ سپہ سالار، مولانا گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے اور قصبہ تھانہ بھون دار الاسلام قرار پایا۔ میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آپؒ نے اپنے امیر کی قیادت میں جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تھانہ بھون بھی اس شدید جنگ کی لپیٹ میں تھا، قتل و غارت کا بازار گرم تھا، مکانات پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی، غرض دیکھتے ہی دیکھتے قصبہ تھانہ بھون خاکستر کا ڈھیر بن گیا۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار پر الزام تھا کہ تھانہ بھون کے فساد میں آپؒ اور آپ کے رفقاء پیش پیش تھے اس بناء پر آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور اس طرح آپ نے راہِ حق میں سنتِ یوسفی کو زندہ کیا۔

اس دور میں مسلمانوں پر جو جو مظالم توڑے گئے ان کا تصور آج بھی لرزہ طاری کر دیتا ہے، علماء کو تختۂ دار پر لٹکوانا، بدن پر گرم استریاں پھیرنا، سرگرم کارکنوں کی جبری جلاوطنی، عورتوں کی عصمت دری، بچوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک اور بوڑھوں کو جگر پاش تشدد، یہ سب کچھ آج بھی ہماری تاریخ کا حصہ ہے اور ناقابلِ تردید ہے

ظلم وستم کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے پہلے ان کے بدن پر خنزیر کی چربی ملی گئی اور انہیں جلا دیا گیا۔

اِن شدائد و مصائب کا مقصد مسلمانوں کا خاتمہ اور انہیں بزورِ عیسائیت میں داخل کرنا تھا لیکن نتیجہ صفر رہا اور کسی بھی طرح انگریز مسلمانوں کی حمیتِ دینی پست نہ کر سکا اور نہ ہی ان کے ایمان و عقیدہ کے ایوان میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کر سکا جب یہ چال بُری طرح ناکام ہوگئی تو پھر دوسرے طریقے آزمانے شروع کر دیئے، ذہنوں کی تبدیلی، سوچ اور فکر کی تبدیلی اور اس کے لئے علمی اور نفسیاتی حربے، تاریخ شاہد ہے کہ ایسے حربے اکثر مؤثر اور بیشتر کارگر ثابت ہوئے ہیں، اس خطرے کا احساس کرتے ہوئے انتہائی نازک اور نامساعد حالات میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نتیجہ رس دماغ اور سیماب کی طرح بیقرار دل نے فیصلہ کیا کہ اس حربے کا توڑ بھی ایسا ہونا چاہیئے چنانچہ یہ احساس محرک بنا اور ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا جو اسلام کا محفوظ قلعہ اور مسلمانوں کا ناقابلِ شکست حصار ثابت ہوا۔ دارالعلوم دیوبند آپ کا زندہ جاوید کارنامہ ہے اور صدقۂ جاریہ ہے جو انشاءاللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور جس نے آپ کی شخصیت کو بھی لازوال بنا دیا، جب مدرسہ کے افتتاح کی خبر آپ کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کو مکہ مکرمہ میں پہنچی اور کہا گیا کہ حضرت! ہم نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ:

"سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی ہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمر ہے"۔

بلاشبہ دیوبند اسلام کا حصار اور بقائے اسلام کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوا ہے دارالعلوم دیوبند

نے جو خدمات اسلام اور تحفظ اسلام، علوم قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، مسلمانوں کی عملی تربیت کے سلسلہ میں سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے باعث فخر ہے اور اس سے علم و عمل کی دنیا میں روشنی نظر آتی ہے، دارالعلوم سے منسلک افراد اپنے دور کے یگانہ روزگار عالم، محدّث، مفسر، محقق، فقیہ اور مصنف ہیں اور اپنے اپنے دور کے ممتاز علماء مانے گئے ہیں، دارالعلوم کے سرپرستوں میں آپ کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری شامل ہیں۔ اور دارالعلوم کے فضلاء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے ہزاروں مشاہیر علماء شامل ہیں جن کے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی مثالیں اب نہیں ملتیں۔

بہرحال حضرت نانوتوی اپنے دور کے عظیم محدّث اور محقق تھے اور سچے عاشقِ رسول تھے تواضع وانکساری اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے مگر آپ نہ بولتے۔ کوئی نام لے کر پکارتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور عزت و احترام سے بولتے تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا نانوتوی کی شان عالمانہ تھی نہ درویشانہ تھی بلکہ عاشقانہ شان تھی اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ تشریف لے جاتے ہوئے ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر پوچھا کہ سُوت کا آج کیا بھاؤ ہے مولانا نے جواب دیا کہ بھائی آج بازار جانا نہیں ہُوا۔" (قصص الاکابر)

آپ کو سرزمین عرب سے ایسا تعلق تھا کہ جس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے چنانچہ جب

آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنا جوتا اتار لیتے تھے اور عرب کی حدود میں ننگے پاؤں پھرتے رہتے تھے فرماتے تھے کہ :-

"جس زمین اور گلی کوچوں میں پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہوں وہاں میں جوتے پہن کر چلوں۔"

کیا محبت و عشق ہے اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ بہرحال آپ روحانیت و علمیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف لکھی ہیں جو اپنے مرتبہ کی آپ ہی ہیں حضرت حکیم الامت تھانویؒ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کر دیا جائے اور نام نہ بتایا جائے تو یہی کہا جائیگا کہ یہ کتابیں امام رازیؒ یا امام غزالیؒ کی لکھی ہوئی ہیں

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں ،

تقریر دلپذیر ، تحذیر الناس ، آب حیات ، انتصار الاسلام ، تصفیۃ العقائد ، تحفۃ الاسلام ، قبلہ نما ، تحفۃ لحمیہ ، مباحثہ شاہجہان پور ، جمال قاسمی ، توثیق الکلام اور اجوبہ اربعین وغیرہ اگرچہ مذکورہ کتابیں اردو زبان میں ہیں لیکن ان کا سمجھنا عوام تو عوام بعض علماء کے بس کا بھی نہیں ہے ۔ الفاظ اور زبان نہایت سہل ہے مگر علوم نہایت عالمانہ اور مشکل مذکور ہیں ۔

آپ نے دو حج کئے پہلا حج مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی معیت میں ۱۲۷۷ھ میں کیا دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے اکابرین امت کے ساتھ کیا اور آخر کار علم و عمل کا یہ آفتاب ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ؛ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(تفصیل کے لئے پڑھیئے انوار قاسمیؒ مؤلفہ پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

گنگوہ ضلع سہارنپور کا قدیم قصبہ ہے، عرصۂ قدیم سے بڑے بڑے اولیاءاللہ کا مولد اور مدفن ہے، سہارنپور سے تقریباً سولہ میل اور تھانہ بھون سے تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت قصبہ گنگوہ محلہ سرائے متصل خانقاہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ، مولانا ہدایت احمد صاحب کے گھر میں ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بروز شنبہ بوقت چاشت ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد صاحب بن قاضی پیر بخش صاحب ہے۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گنگوہ کے ایک میاں جی صاحب سے حاصل کی پھر عربی و فارسی مولانا عنایت صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب سے پڑھی بعدازاں ۱۲۶۱ھ میں تحصیل علم کے لئے دہلی کا سفر کیا اور چند دنوں قاضی احمدالدین پنجابی سے کچھ کتابیں پڑھیں اور پھر اسی سال حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں دلجمعی سے پڑھنا شروع کیا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچ چکے تھے اور شروع سے مولانا مملوک علی صاحب کی خدمت میں رہتے تھے تھوڑے دنوں بعد علم و فضل کے یہ دونوں شمس و قمر ایک ساتھ ہو گئے اور تاحیات ساتھ رہے، یہ دونوں شمس و قمر مولانا مملوک علی صاحب کی خدمت میں عرصہ تک پڑھتے رہے، معقولات کی مشکل اور ادق کتابیں صدرا، شمس بازغہ، میر زاہد قاضی وغیرہ ایسے پڑھا کرتے تھے۔ جیسے حافظ منزل پڑھا کرتا ہے، ذکاوت و ذہانت میں یہ دونوں حضرات دہلی میں مشہور ہو گئے تھے اسی وجہ

سے اساتذہ خصوصاً مولانا مملوک علی صاحب کو ان دونوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اگر طبیعت ناساز ہوتی تو عیادت فرماتے اور قیام گاہ پہ جاکر ان حضرات کو پڑھاتے تھے علم حدیث آپ نے ہندوستان میں خاندان ولی اللّٰہی کے آخری چشم و چراغ حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی سے حاصل کیا ہے شاہ صاحب علم ظاہر و باطن میں شہرہ آفاق ہیں۔ الحاصل حضرت گنگوہی ۲۱ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے مکمل ہو گئے اور واپس وطن تشریف لے گئے اسی سال آپ کا نکاح آپ کے بڑے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا جو آپ کے استاد بھی تھے اور بڑے پاکباز بزرگ تھے حضرت گنگوہی جب دہلی سے واپس تشریف لائے اور وطن عزیز میں قیام پذیر ہوئے تو بمقتضائے طبیعت آپ کو شوق ہوا کہ کوئی طالب علم دین مل جاتا تو اس کو پڑھانا ہی شروع کر دیتے اللّٰہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پورا کیا اور ایک صاحب سید مومن علی صاحب کو بھیج دیا ان ہی ایام میں ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی تحریر دربارۂ مسئلہ روضۂ اقدس سرور کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں جو جگہ ایک قبر کے لئے افتادہ ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے شیخ صاحب نے حکم لگایا تھا کہ یہ امر قطعی ہے اور اس کا منکر ایسا ہے ویسا ہے، یہ تحریر کسی نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں پیش کر دی آپ نے اس پر تحریر فرمایا کہ سارا ثبوت با حادیث اخبار احاد ہے اس لئے اس سے علم ظنی حاصل ہو گا، قطعیت کا ثبوت دشوار ہے۔

یہ جواب جس وقت حضرت شیخ صاحب کی نظر سے گزرا تو جوش و غضب میں بھر گئے اور پھر کیا تھا طرفین سے سوال و جواب شروع ہو گئے۔ بالآخر مولانا گنگوہی نے بغرض مناظرہ ایک بارات کے ساتھ تھانہ بھون کا سفر اختیار کیا اور بارات کے متعلق امور نکاح وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد استفسار آنے کا منشاء ظاہر کیا تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے یہ کہہ کر کہ وہ ہمارے بڑے ہیں، مناظرے سے منع فرمایا، چنانچہ آپ نے حضرت حاجی صاحب کی بات مان لی اور

مناظرے سے باز آئے اور اپنا ارادہ بعیت ظاہر کیا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے باصرار و بسفارش حضرت حافظ ضامن شہید بعیت کر لیا۔ بعیت ہونے کے بعد آپ نے بموجب ارشاد حضرت حاجی صاحب ذکر و شغل شروع کیا اور بقول خود "کہ پھر تو میں مر مٹا"۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے آٹھویں دن فرمایا۔

"میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالٰی نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے"

جب آپ کو بیالیس دن رہتے ہوئے ہو گئے تب آپ نے وطن عزیز رخصت ہونے کی اجازت چاہی، حضرت حاجی صاحب نے گنگوہ کے لئے رخصت کرتے وقت خلافت اور اجازت بعیت ان الفاظ کے ساتھ عنایت فرمائی۔

"اگر تم سے کوئی بعیت کی درخواست کرے تو بعیت کر لینا"

خدا کی دین کا موسٰی سے پوچھئے حال
کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

اس خدائی نعمت کو (جس کے لئے دَر دَر کی خاک چھانی جاتی ہے) پاکر جب آپ گنگوہ تشریف لائے تو خانقاہ شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ کو جو تین سو سال سے ویران اور خراب و خستہ پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا اور رات دن ذکر و فکر الٰہی میں مشغول رہتے، راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے بارانِ اشک سے داغدار ہو گیا تھا،

شب وصل بھی کیسی شب ہے الٰہی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

غرضیکہ ذکر الٰہی کی خوشبوؤں نے جب گنگوہ کے کوچہ و بازار اور خانہ و صحرا کو معطّر کرنا شروع کیا تو ایک نیک بخت خاتون نے حضرت گنگوہیؒ سے بعیت کی درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا، اتفاق سے چند دنوں بعد حضرت حاجی صاحب تشریف لے

گئے اور خاتون موصوفہ نے موقعہ کو غنیمت جان کر بتوسط حضرت حاجی صاحبؒ پھر درخواست کی بالآخر حضرت حاجی صاحب کی تعمیلِ حکم میں آپ نے بیعت فرمالیا۔ سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے والی یہ سب سے پہلی خاتون تھیں۔

معمولات پر مداومت اور استقامت مشائخ دیوبند کی خصوصی شان ہے اور حقیقتہً یہی کمال ولایت اور علامت عبدیت ہے چنانچہ ان مشائخ کے یہاں جو چیز روز اول معمولات میں داخل ہوئی اس کو ہمیشگی اور دوام حاصل رہا ان حضرات نے احب الاعمال عند اللہ ادومہا کو دل نشین کر کے اعمال میں شان محبوبیت پیدا کی اور تقرب و ولایت کے اعلیٰ منازل کو طے کیا چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے مجاہدات او ریاضات کا پیرانہ سالی میں یہ عالم تھا کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا۔ دن بھر صائم رہتے اور بعد مغرب ۶ رکعت نوافل کی بجائے بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے جس میں تقریباً دو پارے قرآن شریف تلاوت فرماتے تھے، نماز سے فارغ ہو کر جب دولت کدہ برائے تناول طعام تشریف لے جاتے تو اثنا راہ اور گھر ٹھہرنے کے وقفہ میں کئی کئی پارہ تلاوت فرما لیتے تھے اور بعد نماز عشاء تھوڑی دیر تک استراحت فرماتے اور دو بجے تہجّد کے لئے کھڑے ہو جاتے، بعض نے آپ کو ایک بجے بھی وضو کرتے دیکھا ہے، اور ڈھائی تین گھنٹے صلوٰۃ اللّیل میں مشغول رہتے اور صبح کی نماز سے فارغ ہو کر ڈاک و جوابات استفتاء میں مصروف ہوتے اور دو پہرہ کو قیلولہ فرما کر بعد نماز ظہر تا عصر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے، رمضان شریف میں تو آپ کے یہاں دن رات مساوی ہوتے تھے۔

آپ اپنے وقت کے فقہ و حدیث کے امام تھے اور تمام علوم کے بحر ذخار تھے لیکن حدیث و فقہ سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا، آپ نے چودہ مرتبہ سے زیادہ ہدایہ کو پڑھایا ہے اور تقریباً صحاح ستہ کی تمام کتابیں آپ نے پڑھائی ہیں۔ غرضیکہ

آپ کے علمی و روحانی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کے فیضِ صحبت اور کفش برداری سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم رائپوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے حضرات فلکِ ہند کے نیّرِ اعظم ہوئے ہیں۔ آپ کے علمی و روحانی کمالات کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ آپ کے شیخِ طریقت کا خراجِ عقیدت ہی کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"جو آدمی اِس فقیر امداد اللہ سے محبّت و عقیدت و ارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد سلمہٗ اور مولوی محمّد قاسم صاحب سلمہٗ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر شمار کرے اگر معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا، ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیئے کہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔" (ضیاء القلوب)

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا ایک ملفوظ ہے کہ:۔

"اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا تو میں مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمّد قاسم صاحب کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔" (تذکرۃ الرشید)

جب ۱۸۵۷ء کا ہولناک حادثہ ختم ہُوا تو حکومت برطانیہ نے ہر اس آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دیا یا گولی کا نشانہ بنا دیا جس کے متعلق ذرا بھی شُبہ تھا، چنانچہ حضرت

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کئے گئے، حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے، مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا گنگوہیؒ روپوش رہے لیکن مخبر کی خبر رسانی سے آپ کو گرفتار کیا گیا اور سہارنپور جیل کی کال کوٹھڑی میں رکھا گیا بالآخر جب حکومت کو کوئی ثبوت آپ کے متعلق نہ ملا تو رہا کر دیا گیا۔

چونکہ اللہ نے آپ سے دین کا کام لینا تھا اس لئے حکومت آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکی، آپ نے زندگی میں تین دفعہ حج کی سعادت حاصل کی اور تمام عمر دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے اس کے علاوہ کئی تصانیف لکھی ہیں اور ہزاروں علماء و مشائخ آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفید ہوئے ہیں۔

۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو واصل بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آئے عُشّاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "تذکرۃ الرشید" مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

● "دنیا اہل اللہ کو بھی ملتی ہے اور امراء کو بھی مگر اتنا فرق ہے کہ اہل اللہ کو عزت کے ساتھ ملتی ہے اور ان کو ذلت کے ساتھ، مگر اس استغناء کا حاصل اپنی عزت کی حفاظت ہے نہ کہ امراء کی تحقیر کیونکہ کسی کی تحقیر بہت بری بات ہے۔" (حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

آپ کا اسم گرامی مولانا محمد یعقوب صاحب اور تاریخی نام منظور احمد ہے آپ کی ولادت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کے گھر ہوئی آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے ملتا ہے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور آپ کی عمر میں صرف چھ یا سات ماہ کا فرق تھا، مولانا محمد قاسم صاحب آپ سے چھ یا سات ماہ بڑے تھے اور دونوں حضرات ہم زلف تھے۔

ابتدائی تعلیم دونوں نے نانوتہ کے مکتب میں حاصل کی ہے اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ ۱۲۵۹ھ میں دونوں حضرات کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو کافیہ شروع کرائی اور آپ کو گلستان اور میزان الصرف شروع کرائی۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب استاذ المشائخ ہیں، دہلی کے عربی کالج میں ہیڈ ماسٹر تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابرین ہند کے استاذ ہیں مفتی صدرالدین آزردہ اور شاہ عبدالغنی دہلویؒ کے معاصرین میں سے ہیں عربی فارسی اور اردو کے بہترین ادیب اور شاعر تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دہلی میں خواجہ میر درد، مومن، غالب اور ذوق وغیرہ اساتذہ سخن کی مجالس شعر گرم رہتی تھی آپ بھی ان میں شرکت فرماتے تھے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نے حدیث شریف شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے پڑھی ہے اور معقولات و منقولات غرضیکہ تمام علوم و فنون میں آپ اپنے دونوں ساتھیوں یعنی مولانا

قاسم نانوتوی اور مولانا گنگوہی سے کم نہ تھے، ذکاوت اور ذہانت اللہ تعالیٰ نے بدرجہ اتم عنایت فرمائی تھی اس پر طرہ یہ کہ طلب علم کا بے انتہا شوق تھا آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"میاں اگر گالیوں کی کتاب بھی ہو تو اس کو بھی دیکھ لینا چاہیئے اور کچھ نہیں تو دو چار گالیاں ہی یاد ہو جائیں گی"

(قصص الاکابر صفحہ ۳۲)

آپ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو ہنسی مذاق میں حل فرما دیتے تھے چنانچہ کسی صاحب نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ حضرت! مُردے کو اس کی لاش جلانے سے کیا تکلیف ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا جی ہاں ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی تمہیں اپنی رضائی جلنے سے ہوتی ہے۔" ادب شعر و شاعری کا بھی آپ کو شوق تھا اور بڑے اچھے شعر کہتے تھے تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ اجمیر شریف بیس روپیہ ماہوار پر مدرس ہو کر تشریف لے گئے اجمیر کے پرنسپل نے آپ کی ذکاوت و ذہانت دیکھ کر آپ کے لئے ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ منظور کرایا لیکن آپ نے انکار کر دیا، بعد ازاں سو روپیہ ماہوار پر آپ کو بنارس بھیج دیا گیا وہاں سے پھر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ڈپٹی انسپکٹری کے عہدہ پر ضلع سہارنپور تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد ۱۸۵۷ء کا انقلاب ہوا تو آپ گھر ہی پر موجود تھے، اسی ہنگامہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اشتباہ میں پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ منجانب اللہ مجھے متنبہ کیا گیا ہے کہ تو شریک کیوں نہیں ہوا بالآخر آپ کو چھوڑ دیا گیا۔ ایام غدر کی چھ ماہ کی تنخواہ آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب میں نے کام نہیں کیا تو تنخواہ کیوں لوں۔ جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو چالیس روپے مشاہرہ پر دارالعلوم کے صدر مدرس آپ ہی مقرر ہوئے، مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی اور محدث وقت مولانا خلیل احمد سہارنپوری وغیرہ آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے ہیں۔ مختلف

مضامین کے علاوہ سوانح مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ مرید و خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہیں۔ حالاتِ جذب آپ پر بہت زیادہ طاری رہتی تھی اسی وجہ سے اپنے زمانہ کے مجذوب و سالک مشہور تھے، آپ کو کشف بہت زیادہ ہوتا تھا اور اس کو بلادریغ بیان فرمادیا کرتے تھے۔

جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا اس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب دلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے کسی نے دریافت کیا حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ دلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا اس جگہ کو آباد کردیں گے اس لئے شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہوجائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جہاں جہاں آپ کا قدم گیا دلی آباد ہوگئی۔ (امیر الروایات)

جس زمانہ میں مولانا احمد حسن صاحب امروہی مدرسہ شاہی مرادآباد میں پڑھاتے تھے آپ امتحان کے لئے تشریف لے گئے، ایک عورت اپنے نابینا بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا حضرت اس کو اچھا کردیجئے آپ نے فرمایا نعوذ باللہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں جو اندھوں کو بینا اور مبروصوں کو تندرست کردوں اور چل دیئے تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ کو الہام ہوا کہ تو کون عیسیٰ کون اور موسیٰ کون جا اور اس کے منہ پہ ہاتھ پھیر دے مامیکنم مامیکنم پس آپ واپس ہوئے اور مامیکنم مامیکنم کہتے جاتے تھے اور اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے کہ فوراً ہی بچہ سوانکھا ہوگیا (امیر الروایات)

جس وقت دیوبند کے مدرسہ پر چھپر پڑے ہوئے تھے آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں مکان کچے ہیں اور ان پر چھپر پڑے ہوئے ہیں جب بیدار ہوئے تو فرمایا۔ کہ الحمد للہ مدرسہ کے یہ مکانات مقبول ہیں۔

باوجود ان کمال مکشوفات و کرامات کے آپ غایت درجہ متواضع تھے ایک مرتبہ آپ گنگوہ تشریف لے گئے تو پاجامہ میں کمر بند کی بجائے بان ڈال رکھا تھا، حضرت گنگوہی رح

نے دریافت کیا کہ یہ کیا؟ ارشاد فرمایا کہ جلدی کی وجہ سے کمر بند ہاتھ نہ آیا تھا اِس وجہ سے اس کو ڈال لیا تھا۔ غرضیکہ بڑے صاحب کمال جاہ وجلال اور ہمہ صفت موصوف بزرگ تھے، طبیعت میں بہت زیادہ جاہ وجلال تھا ریاضت سے جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی آپ کے سینکڑوں مرید ہندوستان، کابل اور بخارا میں تھے غرضیکہ آپ کے اخلاق وعادات اور کشف وکرامات کے متعدد واقعات مشائخ دیوبند کی زبانی منقول ہیں جوکہ اکابرین دیوبند کی تصانیف میں بکثرت پائے جاتے ہیں، امیر الروایات اور قصص الاکابر میں بکثرت حکایات آپ کے متعلق موجود ہیں۔

آپ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہمعصر اور قریبی ساتھی ہمیشہ ان کے ساتھ رہے اور حجوں میں بھی شریک رہے، ۱۳۰۲ھ یکم ربیع الاوّل کو شب شنبہ میں آپ ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور شب دوشنبہ کو تقریباً ایک بجے وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نانوتہ میں باغ نو بہ لب سڑک آپ کا مزارِ مقدس ہے اللہ تعالیٰ شانہ روز آپ کے مراتب علیہ میں ترقی فرمائے اور قبر مبارک کو نور سے منور کرے۔ آمین۔

(تفصیل کے لئے پڑھیئے "سیرت یعقوب ومملوک) مؤلفہ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم)

حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے کیونکہ ان ایام میں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں انسپکٹر مدارس تھے وہ ایک جیّد عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ اور باقبال بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے جاملتا ہے آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا، قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف سے پڑھیں۔ ابھی آپ قدوری تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند میں ایک مدرسہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو قائم کیا اس مدرسہ کا آغاز دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ میں ہوا، آپ اس مدرسہ کے پہلے طالبعلم تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں آپ نے کنز، مختصر معانی کا امتحان دیا آئندہ سال مشکوٰۃ ہدایہ پڑھیں اور ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے، ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کے دستار فضیلت باندھی گئی حدیث میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔

آپ جامع شریعت اور طریقت تھے علم میں بقول حضرت گنگوہیؒ علم کا کھٹلہ تھے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کو شیخ العالم کہتے تھے مولانا عاشق علی میرٹھیؒ آپ کو شریعت و طریقت کا بادشاہ کہتے تھے اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علم شریعت

اور طریقت کا ناپید کنار سمندر کہتے تھے۔ بہر حال آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ۱۲۸۸ھ میں دار العلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا تھا اس وقت آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے ۱۲۹۲ھ میں آپ نے ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ کی تدریس دینا شروع کی پھر ۱۲۹۵ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے۔ آپ کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا دوسرے مدارس کے فارغ شدہ اور بڑے بڑے ذہین طالبعلم نہایت مؤدب طریقہ سے حاضرِ خدمت رہتے اور آپ کمالِ عزت و وقار سے درس دیتے، حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقہ تحدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا الحاصل آپ نے چالیس سال تک مسلسل دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث دیا اور زمانہ اسیری مالٹا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا اس طرح آپ کا زمانۂ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے اس عرصہ میں اطراف و اکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی ہے آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علم و فضل شامل ہیں۔

بہر حال آپ کا مقام بہت بلند ہے اور آپ شروع ہی سے نیک طینت اور نیک فطرت تھے اس کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی محبت اور صحبت اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی توجہات نے روحانیت کے عرش پر آپ کو بٹھا دیا تھا شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے آپ کے کمالاتِ علمیہ و روحانیہ سے خوش ہو کر دستارِ خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا اور پھر دربار رشیدی سے بھی

آپ کو یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی اور حاصل یہ کہ آپ علم نبوت[4]، شریعت، طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف اور مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے لیکن اوراد و ظائف ذکر و مراقبہ اور صلواۃ اللیل پر بھی ہر حالت، سفر و حضر حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی برف باری میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا، کتمان حال کا یہ عالم تھا کہ اگر رات کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی آدمی نے دیکھ لیا تو نماز پڑھتے پڑھتے لیٹ جاتے تاکہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ آپ سو رہے ہیں۔ مولانا محمد[2] جلیل صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ

"جب میں بچہ تھا اور شیخ الہند کے زنانخانے میں آتا تھا تو ایک دن میں نے حضرت کے کمرہ کے کواڑوں کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے جسم کے تمام اعضاء سر دھڑ علیحدہ علیحدہ پڑے ہیں میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور بھاگ آیا اور باہر آکر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیان کیا تو مولانا نے فرمایا خاموش رہو کسی سے نہ کہنا کوئی فکر کی بات نہیں ہے"

(بحوالہ تذکرہ مشائخ دیوبند)

آپ ہر جمعرات کو سبق پڑھا کر گنگوہ تشریف لے جاتے تھے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے پیر و مرشد کی صحبت سے فیضیاب ہو کر دیوبند تشریف لاتے آپ نے اپنے اُستاذ کی اس قدر خدمت کی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، برسات کا موسم تھا شفیق اُستاذ نے دیوبند آنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے اُستاذ کی کمر کو سہارا دیا اور دیوبند تک چودہ میل کا سفر اسی حالت سے پورا کر دیا یہ ہے مشائخ دیوبند کا سلوک و تصوف، لنگوٹ دھاری تصوف و نیاداروں اور نفس

پرستوں کا ہوتا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ مکتب سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جب تک آپ کے مُرشد حضرت گنگوہی حیات رہے آپ نے کسی کو بیعت نہیں کیا کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بڑوں کی موجودگی میں اس قسم کا سلسلہ جاری کرنا سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ بہرحال آپ کی علمی و روحانی خدمات بہت ہیں اس کے علاوہ سیاسی خدمات بھی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں، انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں شروع کی گئی تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی بڑھایا آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے آپ بھی کئی دوسرے مُسلم اکابرین کی طرح عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منتظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے لیکن اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس نے ہندو پاک کے مُسلمانوں میں بیداری کی نئی رُوح پھونک دی۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا ۱۳۳۴ھ تک وہاں رہے ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا۔ ۱۳۳۸ھ کو وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان پہنچے ان دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت کا زور تھا آپ نے عمر کی زیادتی نقاہت اور بیماری کے باوجود بھرپور حصّہ لیا۔ مالٹا کی اسیری کے دوران ہی آپ زیادہ بیمار ہو گئے وطن واپسی پر بیماری میں افاقہ نہ ہوا، بیماری کے باوجود تحریک خلافت میں آپکی بھرپور جدوجہد اور مشقت سے صحت پر کافی اثر پڑا اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں رحلت فرمائی آپ نے درس و تدریس اور مشاغل سیاسی کے باوجود کئی کتب تصانیف فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

(تفصیل کے لئے حیات شیخ الہند پڑھیئے)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں اور ایک بہت بڑے رئیس شیخ عبد الحق صاحب تھانوی کے چشم و چراغ ہیں آپ کی پرورش نہایت ہی ناز و نعم میں ہوئی اور قدرت نے آپ کو عجیب و غریب مزاج سے نوازا تھا عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون رہ کر پڑھیں اور ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں آپ بغرض تحصیل و تکمیل علوم دینیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے آپ کے مربی اور شفیق اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور مولانا سید احمد صاحب وغیرہ ہیں۔ قرأت کی مشق آپ نے حضرت قاری محمد عبد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سامنے مکہ معظمہ رہ کر فرمائی آپ کی دستار بندی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اخیر صفر ۱۳۰۱ھ میں باجازت والد ماجد اور اساتذہ کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کر دیا اور چودہ سال تک کانپور میں درس و تدریس و افتاء اور تبلیغ و وعظ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ کانپور چھوڑ کر وطن یعنی تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مدرسہ اشرفیہ قائم کیا جہاں آخر دم تک دینی علمی اور روحانی خدمات انجام دیتے رہے

حضرت حکیم الامتؒ کی پوری زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف دین کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے پیدا ہونے سے قبل ہی اس قسم کی چیزوں کا ظہور ہوا کہ جس سے صاف کہا جا سکتا ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ اور مجدد اعظم تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کے استاذ مکرم مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی پیشین گوئی تھی کہ تم جہاں جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے"۔ واقعی ایسا ہی ہوا اور علوم ظاہر سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے دل میں تزکیہ باطن کی تڑپ پیدا ہوئی اور ابتداء میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر جب آپ کے والد ماجد حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خدام میں داخل ہو گئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور حکیم الامتؒ، حضرت حاجی صاحبؒ کے میکدہ میں داخل ہو کر نچوڑ میخانہ نکلے۔ غرضیکہ ۱۳۱۰ھ میں آپ پھر دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور تقریباً چھ ماہ آپ نے قیام کیا اور ذکر و فکر میں مشغول رہے اس قیام میں حضرت حاجی صاحب کو آپ پر مکمل اعتماد تھا اور فرماتے تھے کہ "میاں اشرف علی بس پورے پورے میرے طریق پر ہے -" اور جب حضرت حکیم الامتؒ کی کوئی تحریر دیکھنے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے کہ " جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی"

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے ایک دفعہ یہ بشارت دی کہ "تم کو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہو گی"، چنانچہ آپ کی ان دونوں سے مناسبت تامہ اظہر من الشمس ہے"۔ بہر حال حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان تھے اور جس طرح شریعت کے متبحر عالم تھے طریقت و سلوک میں بھی اسی طرح مقام ارفع پر فائز تھے آپ کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔

یوں تو چشم فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں، بڑے بڑے عابد و زاہد انسان اور بڑے بڑے متقی و تہجد گزار بندے اسی خطہ ارضی پر دیکھے ہوں گے مگر شریعت و

طریقت کا ایک ایسا حسین امتزاج شاید ہی کسی نے دیکھا ہوگا، کوئی صرف عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علومِ شرعیہ سے نا آشنا مگر حضرت حکیم الامت ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے، عالم بے بدل بھی، اور رومئ عصر بھی تھے اور رازئ وقت بھی، آپ نے جس طرح شریعتِ ظاہرہ کو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقت باطنہ کو بھی افراط تفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ آپ نے طریقت کو جو ایک زمانہ میں صرف رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی، زوائد و حواشی سے پاک و صاف کر کے قدمائے سلف صالحین کے مسلک پر لا کھڑا کیا، آپ نے پورے تندہی کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ طریقت عین شریعت ہے، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں، حضرت حکیم الامت تھانوی کے یہاں طریقت کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

"مسلمانوں میں صحابہؓ کا سا ذوق پیدا ہو جائے"

آپ نے اس مقصدِ عظیم کے لئے سیرت سازی کا ایک ایسا صحیح طرز اختیار کیا کہ جس سے جو گیانہ صوفیت اور راہبانہ تربیت روحانی کے پردے تار تار ہو گئے اور اسلامی روحانیت کا صحیح مفہوم لوگوں کی سمجھ میں آ گیا۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں واضح فرما دیا کہ:۔

"شریعت ہی ساری دینوی، اخروی، ظاہری و باطنی سعادتوں کی کفیل ہے۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اور قادریہ میں بیعت فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نہ تو اصلاحِ باطن اور تربیت اخلاق کے لئے بیعت کو لازم و ضروری خیال کرتے بلکہ طالب کے ذہن میں اول ہی مرحلہ میں یہ بات ذہن نشین کرا دیتے تھے کہ اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس بیعت پر موقوف نہیں ہے یہ

بغیر بیعت کے بھی ہوسکتی ہے اور عوام و خواص کے ذہنوں میں جو یہ بات بٹھادی گئی ہے۔ کہ بغیر بیعت ہوئے اور بغیر ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تربیت اور حصول الی اللہ نہیں ہوسکتا اس کے دور کرنے کی کوشش کرتے چنانچہ بعض حضرات کو خلافت عطا فرمانے کے بعد بیعت فرمایا اور وہ بھی ان کی درخواست پر، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندویؒ کی مثالیں موجود ہیں اور نہ ہی وہاں پر کسی سلسلہ کی کوئی روایات تھیں، نہ رسوم، نہ تعلیم و تربیت کے وہ کورانہ تقلید کے انداز تھے، روایتی حلقے توجہ اور مراقبے کچھ نہ تھے، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکام کو بجا آوری کا اور دھن تھی تو ہر انداز زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کی فکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی اور اپنے متوسلین کو تاکید تھی تو صرف یہ کہ اپنے ظاہر و باطن کو بھی پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی ظاہر طیب بناؤ۔ اکثر فرماتے تھے:-

"دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت و طریقت ہے، جس طرح ظاہری اعمال کے لئے احکاماتِ الٰہیہ فرائض و واجبات ہیں اسی طرح باطنی اعمال کے لئے بھی ہیں اور ہم دونوں کے ادا کرنے کے پابند ہیں۔"

اور فرماتے ہیں کہ:-

"اس کے ساتھ اور اسی طرح ضروری و لازمی حقوق العباد ہیں تم پر اپنے والدین کے، اپنے بیوی بچوں کے، اپنے احباب کے اور کاروباری تعلق رکھنے والوں کے حقوق بھی کماحقہ، ادا کرنا فرض ہے ان میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کروگے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہوا تک نہ لگے گی، چاہے عمر بھر ہی کیوں نہ مروجہ رسمی تصوف کے مجاہدوں نوافل و وظائف میں

سر مارو، خدا کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی خدا کو
راضی کر لو" ایں خیال است محال است جنوں"

دراصل حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں طریقت کا خلاصہ ہی یہ تھا کہ انسان بنو، آدمیت سیکھو، چنانچہ آپ بارہا فرماتے ہیں کہ:-

"بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا ہوں، آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں اگر کوئی بے اصولی کی بات کرتا یا بے فکری کا ثبوت دیتا حقوق واجبہ کا تارک ہوتا، معاملات میں بدنظمی برتتا یا سلیقہ اور ڈھنگ سے کام نہ کرتا تو حضرت تھانویؒ فوراً تنبیہہ اور مواخذہ فرماتے اور بار بار اپنے متوسلین کو اس طرف توجہ دلاتے کہ یہ تمام چیزیں دوسروں کی اذیت کا سبب بنتی ہیں اور کسی شخص کو اذیت نہ پہنچانا واجب ہے اور فرماتے کہ:-

جن لوگوں کا مجھ سے اصلاح کا تعلق ہے اُن کی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے، اُن کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکربات کا صادر ہونا مجھے سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ پر سخت دارو گیر کرتا ہوں، خواہ کتنا ہی قوی تعلق محبت کا مجھ سے ہو ہرگز مروّت سے کام نہیں لیتا لیکن جن لوگوں سے ایسا تعلق نہیں بحمداللہ میری نظر ان کے کسی عیب پر نہیں پڑتی بلکہ تعلق بنانے کے لئے ان کی خوبیاں ہی میرے سامنے رہتی ہیں۔"

حضرت تھانویؒ کے یہاں کیفیات و مکاشفات و واقعات و کرامات پر ناز و نہیں تھا

جتنا کہ عقائد عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست اور طریقت کی درستگی پر تھا اور آپ صفات ورذائل کی تشریح پر زیادہ زور دیتے اعمال ظاہرہ و باطنہ میں اختیاری و غیر اختیاری، مقصود و غیر مقصود کی حدیں قائم کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہتے، اور آ زندگی اور آداب انسانیت کی تعلیم ہی آپ ہی کی نظر میں تربیت روحانی کی اصل بنیاد تھی اکثر فرماتے کہ :-

"میں تو کہا کرتا ہوں کہ شاہ صاحب بننا آسان ہے، ملک التجار بننا آسان بزرگ بننا آسان، قطب بننا آسان مگر انسان بننا مشکل، اور یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ، میں انسان بناتا ہوں ۔"

حضرت تھانویؒ کا آستانہ مبارک بڑے بڑے ارباب ثروت و دولت اور اصحاب علم و فضل کی عقیدت گاہ تھی، آپ کی خانقاہ معرفت و روحانیت کا ایک ایسا چشمہ صافی تھی جس کی طرف دن رات سینکڑوں تشنہ کام آتے ہیں اور سیراب ہو کر لوٹ جاتے، آپ کی ہمہ گیر تربیت کے زیر اثر ہزاروں معصیت کوش اور عصیاں آلود روحیں پاک و صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر لوٹیں۔ آپ کا فیضان عام تھا اس سے بڑے بڑے علماء بھی مستفید ہوئے صلحاء بھی، عوام بھی، خواص بھی، امیر و غریب، عورتیں مرد بچے بوڑھے سب ہی اپنی اپنی استعداد کے موافق اس بحر علم و معرفت سے سیراب ہوتے رہے، آپ کے حلقۂ ارادت میں علماء و فضلاء مفسرین، محدثین، فقیہ، تاریخ دان، سیاستدان، فلاسفر، صحافی، ادیب اور خطیب ہر قسم کے لوگ نظر آئیں گے اور ان ہی کی صفوں میں عام آدمی دیہاتی غربا، اور متوسط طبقہ کے افراد بھی کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان لوگوں میں سے حضرت تھانویؒ نے نہ کسی کی دولت ختم کرائی نہ کسی کو گوشہ نشین بنایا نہ کسی سے بیوی بچے چھڑائے نہ اعزہ و اقارب کے چھوڑنے کو کہا بلکہ اس میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت پر قائم رکھتے ہوئے دلی اور

اور صرف ولی ہی نہیں بلکہ ولی گر بنایا۔ حضرت تھانویؒ اپنی خانقاہ کے تربیت یافتہ لوگوں کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ:۔

دیکھو! سرکاری ملازمین میں میرے تربیت یافتہ لوگ ملیں گے، علماء صوفیاء اور مدرسین میں میرے مجازین ملیں گے اطباء و ڈاکٹروں میں تاجروں میں، وکیلوں میں، انجینئروں میں میرے اجازت یافتہ ملیں گے، فقیروں میں، زمینداروں میں اور نوابوں میں میرے خلفاء ملیں گے، تمہارے لئے اس دور سے زیادہ فتنہ والا دور اور کیا ہوگا، بس دیکھو! دین کے بارے میں ان کی مثالیں سامنے رکھنا ان کا دامن پکڑے رکھنا، دیکھو دین کتنا آسان ہے یہ سب تمہارے لئے آسان ہے سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں کوئی چیز ان کے لئے دین سے مانع نہیں خارج نہیں دین دار ہوتے ہوئے سب اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں تحصیل معاش میں مصروف ہیں کوئی دشواری نہیں اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے تم کو صاف محسوس ہوگا کہ دین کتنا آسان ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں قابل عمل ہے۔

وراثت نبوت یا جذبہ مجددیت سے جو شفقت علی الخلق اور اصلاح مسلمین کی فکر آپ پر ہمہ وقت مسلط رہتی تھی اسی کی وجہ سے آپ کا سونا جاگنا، رفتار، گفتار، آرام و راحت سب کا سب اسی کے مشغلہ کی نذر تھی جہاں کہیں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی ہو اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسی دور پر فتن میں ایسے جذبہ رکھنے والے کو چین و آرام کہاں، مفتئ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ خود احقر نے بارہا دیکھا کہ جب کوئی فتنہ مسلمانوں میں ہوا جس سے ان کی دینی یا دنیوی تباہی کا خطرہ تھا تو حضرت تھانویؒ کا نظام ہی کام آتا۔ ایک ایسے فتنوں کے

زمانہ میں خود فرمایا کہ :۔

"مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک اُڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اُڑ جاتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو اس دورِ حاضر کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں بڑھتی ہوئی تباہیوں اور بربادیوں کو محسوس فرما کر جہاں سینکڑوں اور ہزاروں میل کے سفر طے کر کے اپنے مواعظ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا وہاں آپ نے اپنی عظیم تصانیف کے ذریعے عوام و خواص کی رہبری فرمائی اور ان کو صحیح دین سے آشنا کیا، رسوم و بدعات کی تاریکیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے عجیب عجیب نسخے تیار کئے۔ نشر و اشاعت کے اس دور میں حضرت تھانویؒ کا یہ عظیم اور امتیازی کارنامہ ہے۔ کہ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف کہ جن کی صرف فہرست ہی سو صفحات سے زائد ہے آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلی ہیں ہر علم و فن پر تصانیف و تالیفات اس قدر فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ متقدمین و متاخرین میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر حضرت حکیم الامت تھانوی کی سیر حاصل مستند و معتبر تصانیف و مواعظ اور ملفوظات نہ ہوں۔ نصائح و صایا کا بھی نہایت جامع و نافع مکمل دستور العمل بھی مرتب فرما کر دیا ہے خود بھی بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ الحمد للہ و بفضلہ تعالیٰ سب ضروری کام ہو گیا ہے صدیوں تک کے لئے دین کا راستہ بے غبار ہو گیا اور آئندہ نسلوں کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ میری ہی تصانیف ملفوظات و مواعظ سے ضروری کام چلتا رہے گا یہ سب حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا فیض و برکت ہے۔

اجتماعی اصلاح امت کے سلسلہ میں آپ کا دوسرا عظیم کارنامہ ایک ایسے نظام

عمل مرتب کر جاتا ہے کہ اگر سب مسلمان مل کر اس نظام کو اجتماعی شکل پر اپنا لیں تو جتنے مصائب آرہے ہیں وہ سب دور ہو جائیں اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر مصائب اور پریشانیوں کی اطلاع آتی تو آپ ماہئی بے آب کی طرح سخت پریشان ہوتے ایک دن آپ اس فکر میں مبتلا تھے کہ ۲۰ جمادی الاوّل ۴۶ ۱۳ھ کی نماز صبح میں آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوا کہ بعض اعمالِ خاصہ ہیں ان کو خاصیت یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر اور ان کا التزام کرانے سے مسلمانوں کے مصائب دُور ہو سکتے ہیں چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں پچیس اصُولِ حیات "حیاتُ المسلمین" کے نام سے جمع فرما کر شائع فرمائے۔ آپ کو کم و بیش ڈیڑھ ہزار تصانیف لکھنے کا شرف حاصل ہوا مگر آپ کا قول مبارک ہے کہ:۔

"مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ میرے لئے یہ سرمایۂ نجات ہے البتہ حیٰوۃُ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں"

اسی حیات المسلمین میں درج شدہ پچیس اصول وسیع پیمانہ پر عمل ترویج کے لئے ایک نظامِ عمل صیانۃ المسلمین کے نام سے تجویز فرما کر ۱۹۳۰ء میں جاری فرمایا۔ مجلس صیانۃ المسلمین کا مقصد اسلام کے بنیادی اصول عقائد، عبادات، معاملات معاشرت تربیت اخلاق کی صحیح طور پر انفرادی و اجتماعی طور پر عملی ترویج ہے تاکہ مُسلمان کامل اور مکمل مسلمان بن کر ترقی کریں۔ مجلس صیانۃُ المسلمین کی اہمیت اور اُس کی عظمت کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے جو آپ نے کسی کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ کہ حضرت! وہ کون سا عمل اور کون سے اسباب ہیں کہ جنہیں اختیار کرنے سے مسلمان موجودہ پستی اور تنزّلی سے نجات حاصل کر کے ترقی کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا

کہ :۔ بفضلہ تعالیٰ ایسی تدابیر موجود ہیں اور ان کو ضبط کر کے رفاہ عامہ کے لیئے شائع بھی کر دیا گیا ہے چنانچہ ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور بربادی سے متاثر ہو کر دو کتابیں حیٰوۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین تصنیف کی ہیں ان دونوں کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کو جو اس وقت مسلمانوں پر آرہے ہیں پورا پورا علاج بتلا دیا ہے تمام مسلمان پہلے ان ہی دونوں کتابوں پر عمل کر کے دیکھ لیں کہ کتنا نفع ہوتا ہے اور ایک دفعہ فرمایا کہ :۔

"ہماری حالت تو یہ ہے کہ دو مسلمان مل کر اتفاق سے کوئی کام کر ہی نہیں سکتے پھر اس پر ایسے بلند خیالات۔ کیا ایسی قوم کبھی فلاح پا سکتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں اہلیت ہوتی تو حیٰوۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین ہی ان کے دستور العمل کے لئے کافی وافی ہیں"۔

قیام پاکستان سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافی دور میں جب مسلم لیگ نے دہلی میں ایک عام اجلاس منعقد کیا تو اس میں حضرت تھانویؒ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی اور اس میں درخواست کی تھی کہ اس موقع پر جناب والا تشریف لا کر اپنے ارشادات سے مجلس کو ہدایات دیں بیکن اگر حضور والا خود تشریف نہ لا سکیں تو اپنا نمائندہ بھیج کر مشکور فرمائیں"۔

آپ چونکہ اس وقت بیمار اور کمزور تھے اس لئے آپ دہلی تشریف نہیں لے جا سکے مگر آپ نے اپنے جوابی گرامی نامے کے اندر ارکان مسلم لیگ کو مجلس صیانۃ المسلمین کی طرف توجہ دلائی اور تحریر فرمایا کہ اگر مسلم لیگ کے ارکان صیانۃ المسلمین اور حیوٰۃ المسلمین پر عمل پیرا ہو کر حکومت حاصل کریں تو اسلام کے بتائے ہوئے نقوش پر حکومت چلا سکیں گے جس کا نتیجہ کامیابی ہی کامیابی ہے"۔ چنانچہ اس کی اہمیت

اور افادیت کے پیش نظر حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفۂ اجل اور شیروان کے چشم و چراغ حضرت مولانا جلیل احمد شروانیؒ کے مبارک ہاتھوں اور ان کی پیہم سعی اور کوششوں کے بعد پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے زیر سرپرستی ہوئی اور آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جناب مولانا سیّد محمد نجم الحسن تھانوی کے زیر نگرانی یہ چشمۂ فیض جاری ہے اور ہند و پاک کے تمام علماء کرام اس کے معاون ہیں اور کراچی سے پشاور تک اس کی متعدد شاخیں قائم ہیں۔ اور اس وقت اس مجلس کے روح رواں جناب مولانا مشرف علی صاحب تھانوی ہیں جو اس مشن مقدس کو زندہ کئے ہوئے ہیں اس کے علاوہ صرف یہی نہیں کہ آپ نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لئے کتابیں تصنیف کر دی ہیں۔ اور صیانتہ المسلمین کا نظام عمل پیش کر دیا ہو بلکہ آپ نے اپنے بعد کے لئے ایسے تربیت یافتگان کی ایک عظیم جماعت بھی چھوڑی ہے جو حضرت تھانویؒ کے ان دونوں کاموں کو اپنی اپنی جگہ کما حقہٗ ادا کر رہے ہیں۔ یوں تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے متوسلین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے مگر آپ نے ان میں سے ۱۲۹ حضرات کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا جلیل احمد شروانی بانی مجلس صیانتہ المسلمین پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ بانی دار العلوم کراچی حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ سلہٹی بانی جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند انڈیا، حضرت مولانا علامہ سیّد سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ حضرت مولانا اشفاق الرحمن کاندھلویؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی اور حضرت حاجی محمد شریف صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں اور اپنی اپنی ذات ہر شخص ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف، تعلیم و تربیت اور اصلاح امت و ہدایت خلق کی طرف تھا اس لئے عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکوں میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہ آئی اور نہ آپ کبھی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے البتہ جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی اس کے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر نتائج و عواقب واضح کرنے اور ملت کی علمی و روحانی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا چنانچہ جب کانگریس میں مسلمانوں کے بلا شرط داخلے سے خطرناک نتائج و عواقب تقریباً سامنے آگئے تو حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت اور شرکت کی رائے دی، آپ کا فتویٰ بنام تنظیم المسلمین شائع ہوا۔ آپ کا فتویٰ شائع ہونے کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور آپ کے تمام متوسلین و خلفاء نے مسلم لیگ کی حمایت و اعانت میں سرگرم حصہ لیا اور ان تمام حضرات نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں عملی طور پر کارنامے انجام دیئے۔ اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور جگہ جگہ ان حضرات کی کوششوں سے مسلم لیگ کامیاب ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم بھی حضرت تھانویؒ کی اس حمایت پر بڑے مطمئن اور شکر گزار تھے اور آپ کے متوسلین ان کوششوں کو ہمیشہ سراہتے، حتیٰ کہ ڈھاکہ اور کراچی میں پاکستانی پرچم کی نقاب کشائی کے سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو تجویز فرمایا اور ان ہی کے مبارک ہاتھوں نقاب کشائی کرائی اور آج بھی حضرت تھانویؒ کے تمام متوسلین اور خلفاء پاکستان کے وجود اور بقاء کے لئے حتی المقدور کوشاں ہیں۔

بہر حال آپ کی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزری اور نہایت لطیف مزاج کے مالک تھے متقدمین میں سے مزاج کے اعتبار سے آپ کو مرزا مظہر جان جاناں ثانی کہا جاسکتا ہے آپ نہایت مترتب المزاج اور اصول و ضوابط کے پابند تھے اور حقیقت یہ کہ اگر آپ مترتب المزاج

اور اصول و ضوابط کے پابند نہ ہوتے تو اتنے عظیم کارنامے اور ہزاروں تصنیف و تالیف کا کام ہرگز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا بلا شبہ آپ حکیم الامتؒ اور مجدد ملت تھے اور پورے عالم اسلام کے عظیم مذہبی و روحانی پیشوا تھے آخر ۸۳ سال ۳ ماہ گیارہ دن دنیا کو اپنے وجود مسعود سے متبرک اور منور فرمانے کے بعد ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ یعنی ۱۹ / ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نماز جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے پڑھائی، تھانہ بھون کے قبرستان عشق بازاں میں آپ کا مزارِ مقدس ہے، ذوالوصفین تاریخ وصال ہے۔

۱۳۶۲ھ

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "سیرت اشرف" مولفہ منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

آپ کا آبائی وطن صوبہ یوپی کا سب سے زیادہ مشہور ضلع سہارنپور کا ایک قصبہ انبیٹھہ ہے جو حضرت شاہ ابو المعالیؒ کا مسکن اور قیام گاہ تھی، آپ قصبہ انبیٹھہ کے مشہور و ممتاز خاندان ایوبی کے ایک نمایاں فرد تھے، آپ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت پر اپنے روحانی باپ و مرشد قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ننہالی نسب سے جا ملتا ہے، آپ اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے ننہالی قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی حقیقی بہن اور استاذ الکل مولانا مملوک علی صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب ملازمتِ ریاست کی بناء پر برسوں میں وطن تشریف لائے تھے اس لئے آپ کی رضاعت اور ابتدائی تربیت زیادہ تر آپ کے ننہال میں ہوئی۔

عمر شریف کے پانچویں سال آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحبؒ نے بہ نفس نفیس آپ کو بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کرا دیا، آپ فطرۃً ذکی اور ذہین تھے اس لئے ناظرہ قرآن شریف جلد ختم کر لیا اور اردو پڑھنا شروع کر دیا مولانا نے قرآن مجید اور ابتدائی کتب اردو و فارسی کی تعلیم انبیٹھہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پائی پھر رجب ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند کے قیام کی خبر سنی اور یہ معلوم ہوا کہ دار العلوم میں صدر مدرس آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ قرار پائے ہیں تو آپ والدین سے اجازت لے کر دیوبند تشریف لے گئے اور کافیہ کی جماعت میں مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کو شریک

کہ دیا۔ دار العلوم دیوبند کے قیام کے چھ ماہ بعد سہارنپور شہر میں مدرسہ مظاہر العلوم کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ صدر مدرس تجویز ہوئے، اگرچہ آپ اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے زیر سایہ بہتر نظم کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے تھے مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس ذات گرامی کے ہاتھوں مظاہر العلوم کو منازلِ ترقی طے کرنا ہے وہ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مظاہر العلوم ہی کا مرہونِ منت اور احسانمند ہو، اس کے باوجود کہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے آپ کی رشتہ داری زائد قریب تھی مگر دیوبند میں آپ کا دل نہ لگا اور آخر کار آپ مظاہر العلوم تشریف لے آئے اور قلبی سکون و اطمینان سے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مشغول رہے اور حدیث و تفسیر اور فقہ کی اکثر کتب مولانا محمد مظہر صاحبؒ سے پڑھیں اور منطق و فلسفہ، ہیئت اور ریاضی کی کتابیں مدرسہ کے دیگر مدرسین سے پڑھیں اس طرح ۱۲۸۸ھ میں انیس سال کی عمر میں آپ نے درسِ نظامی سے فراغت پائی بعد ازاں علومِ ادبیہ میں مہارت کا شوق آپ کو مشہور ادیب اورنٹیل کالج لاہور کے پروفیسر اور علوم شرقیہ کے استاذ اعظم مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ کی خدمت میں لاہور لے گیا اور آپ نے خاطر خواہ علوم ادبیہ کی تکمیل فرمائی

اگرچہ آپ تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگر طبع مبارک کو جو انس اور مناسبت فقہ اور حدیث سے تھی وہ خود اپنی مثال ہے چنانچہ آپ کے فتویٰ کی چار جلدیں اور آخر عمر کا زریں کارنامہ "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" اس کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ بذل المجہود کے سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ابو داؤد شریف کی شرح "منہل" جو مصر کے ایک مشہور عالم علامہ الازہر ابو محمد محمودؒ کی شہرۂ آفاق ہے اور مصر میں طبع ہوئی ہے یہی نہیں کہ بذل المجہود سے ماخوذ ہے بلکہ اکثر و بیشتر نصف صفحہ کی پوری پوری عبارتیں بغیر تبدیلیٔ الفاظ نقل کی گئی ہیں اور پوری کتاب میں صرف ایک جگہ ہی بذل المجہود کا حوالہ دیا گیا ہے۔

آپ کا تعلیمی سلسلہ اُستاد حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتا ہے علاوہ ازیں آپ نے اپنے پہلے حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ مولانا الشیخ احمد دعلان مفتی شافعیہ سے اجازت حدیث حاصل کی اور مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی مہاجر المجددی النقشبندی سے اجازت حدیث حاصل کی ہے۔

۱۲۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر انیس سال کی تھی اور آپ تعلیم و بیّنات سے فارغ ہو کر علوم ادبیہ کی تحصیل کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے اسی وقت آپ کو مظاہر العلوم میں معین المدرسین بنا دیا گیا تھا، بعد ازاں آپ کو آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے دس روپیہ ماہوار پر قاموس کا ترجمہ کرنے کے لئے منصوری پہاڑ پر بھیج دیا تھا ابھی منصوری میں چند ماہ قیام ہوا تھا کہ منگلور کے عربی مدرسہ میں مدرس کی ضرورت پیش آئی اور آپ بحیثیت صدر مدرس وہاں تشریف لے گئے اس کے بعد آپ بھوپال، بہاولپور، بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے، آخر ۱۳۱۴ھ میں آپ کی عمر شریف بینتالیس سال تھی کہ چالیس روپے ماہوار مشاہرہ پر صدر مدرس ہو کر مظاہر العلوم تشریف لے گئے یہاں آپ نے اپنے اُستاذ محترم مولانا محمد مظہر صاحب کے لگائے ہوئے باغیچہ کو تمام تر موانع کے باوجود اس جانفشانی اور تندہی سے سینچا کہ جس کا اظہار مظاہر العلوم کا ہر طاق و محراب اور ہر در و دیوار اور عظیم و منتخب نادر و کمیاب کتب سے بھر پور خزانہ علمی کتب خانہ زبان حال سے کر رہا ہے۔

اس کے باوجود کہ آپ درس نظامی سے فارغ ہو کر علوم ادبیہ کی تکمیل خاطر خواہ فرما چکے تھے مگر آپ کی فطرت سلیم اس معرفت الٰہیہ کی جستجو میں تھی جو قال کو حال اور علم کو سراپا عمل بنا دیتی ہے چنانچہ اس مقصود کے حصول کے لئے آپ کی نظر انتخاب قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ پر پڑی، حضرت گنگوہیؒ کی طرف کی کشش اور جذبہ کے لئے یہ چیز بھی سبب ہوئی کہ آپ کے اُستاد حضرت مولانا محمد مظہر صاحب

نانوتویؒ تمام تر کمالاتِ قدسیہ اور تبحر علمی کے باوجود نیز عمر میں بھی بڑے ہونے کے باوجود عقیدت مندانہ حاضرِ خدمتِ اقدس ہوا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سے سفارشی خط حضرت گنگوہیؒ کے نام لکھوایا کیونکہ حضرت گنگوہیؒ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا استاد زادہ ہونے کی بناء پر بہت زیادہ احترام فرمایا کرتے تھے آپ وہ خط لے کر آستانۂ رشیدیہ پر حاضر ہوئے، حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی کی طبع غیورؒ چونکہ اس بات پر جمی ہوئی تھی کہ جب تک طالب کے دل میں سچی طلب نہ ہو اس وقت تک رسمی بیعت بے سُود ہے اس لئے اُستاد زادہ کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے اور فرمایا کہ میاں تم خود پیر زادہ ہو تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت؟ مگر آپ نے اپنی خداداد قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواباً عرض کیا:-

"حضرت کیسی پیرزادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں ہوں، میں بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سراپا احتیاج ہوں اور چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔"

ادھر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے اُدھر حضرت پیر و مرشد نے فرمایا بس بس! بہت اچھا اور فوراً بیعت فرمالیا چنانچہ اس کے بعد آپ ایک لطیف روح کے ساتھ آستانۂ رشیدیہ سے واپس ہوئے، اوقات درس و تدریس کے علاوہ ذکر و اذکار اور اپنے مولیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے، ادائیگی معمولات میں آپ جس عزیمت و استقامت کی طبیعت رکھتے تھے اس کی نظیر شاید ہی مشکل ہی سے مل سکے، سفر ہو یا حضر، بیٹی یا بیٹے کے انتقال کا وقت ہو یا کسی اور حادثۂ جانکاہ آپ کے معمولات میں کبھی کمی نہ آئی تھی، بہتر سال کی عمر تک تمام جسمانی کمزوریوں کے باوجود تراویح میں قرآن پاک خود سناتے رہے۔ اللہ تعالیٰ

بہتر جانتے ہیں کہ آپ نے راہ سلوک کو کس ترتیب سے طے کیا، شیخ کی طرف سے کیا تعلیم ہوئی۔ اور راہ طریقت کے سفر میں کیا کیا مناظر پیش آئے البتہ آپ نے صرف ایک مرتبہ فرمایا۔

"مجھے نہ زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخر تک میں سمجھا کہ نسبت سلسلہ کیا چیز ہے بس ایک حالت تھی جو گزر رہی تھی"

حتیٰ کہ جب آپ دوسرے حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ نے اپنے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں تحریر فرمایا "مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوئے ہیں حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے چنانچہ جب آپ حاضر خدمت ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ آپ کی کیفیت باطنی کے مشاہدہ سے نہایت خوش ہوئے اور جب آپ رخصت ہوئے تو چھاتی سے لگالیا۔ اور اپنی دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور حضرت گنگوہیؒ کے نام مبارکباد کا خط اور آپ کے نام خلافت نامہ مزین بمہر آپ کو عطا فرما کر رخصت کیا، آپ نے اس عطیۂ شاہی کو نہایت احترام سے قبول فرمایا اور دستار مبارک کی اس بندش کو جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سے سی لیا تاکہ اس کے بل کھل نہ جائیں، ہندوستان واپس آکر گنگوہ حاضر ہوئے اور امام ربانی کی خدمت میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کا گرامی نامہ پیش فرما کر دونوں عطیات سامی بھی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے۔

سبحان اللہ، کیا ادب اور تواضع تھی، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔

"مبارک ہو، یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے"

آپ نے جواب میں فرمایا:۔

"بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو۔"

نیز یہ بھی عرض کیا "اجازت نامہ" درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی۔ لہٰذا دو

مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہ خداوندی میں پیش کر سکوں گا؟

حضرت گنگوہیؒ اس حسنِ ادب سے بے انتہا مسرور ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالے فرما دیا۔ ۱۶ر شوال المکرم ۱۳۴۴ھ کو آپ ڈیڑھ سال کی رخصت بوضع تنخواہ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے آپ کی معیت میں حجاز مقدس جانے والوں کا بہت بڑا قافلہ تھا، آپ نے یہاں سے روانگی کے وقت ایک دم نہیں بلکہ ایک عرصہ کے بعد ہجرت کا عزم فرمایا، اس کی تصدیق ان واقعات سے ہوتی ہے کہ آپ نے ۱۵ر ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ کو سرپرستانِ مدرسہ مظاہر العلوم کو تحریر فرمایا تھا کہ جب میں سہارنپور سے رخصت ہوا تھا تو میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی اور نہ اب تک ہجرت کی نیت کی ہے کیونکہ مجھے معلوم نہیں حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک میں اس مقدس ارض کے قابل ہوں یا نہیں؟ اگر حق تعالیٰ شانہٗ کو میرے جیسے ناکارہ کا قیام اس مقدس سرزمین میں منظور نہ ہوا تو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ واپس ہو جاؤں گا لیکن ابھی تک مجھ کو بحمد اللہ یہاں دل بستگی ہے اور یہاں سے واپسی کے لئے مضطر نہیں ہوا ہوں لہذا یہاں کے قیام سے کسی طرح برداشتہ خاطر نہیں ہوا ہوں اگر خدانخواستہ یہاں نہ ٹھہر اگیا اور واپسی ہوئی تو بھی میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ مدرسہ کی کوئی خدمت بعوض تنخواہ بجا لا سکوں اس لئے جو انتظامات مدرسہ کے عارضی کئے گئے تھے ان سب کو مستقل کیا جائے مگر اس کے چند ماہ بعد جب آپ اپنے رفقاء کو ہندوستان بھیج چکے تو ہجرت کی نیت پختہ کر لی اور ایک دن گھر میں تشریف لا کر متعلقین سے فرمایا کہ اب مجھے اپنے قیام کا یقین ہو گیا ہے لہذا میں تو ہجرت کی نیت کر چکا۔ چنانچہ بقیہ ایام جتنے بھی گزرے وہ مہاجرانہ اقامت کے گزرے۔ اسی زمانہ میں آپ بعض علماء مدینہ کے اصرار پر ابوداؤد شریف پڑھانا شروع کر دی جس میں مولانا سید احمد صاحب برادر حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ قاری بنے اور مولانا عمری صاحب مدرس حرم شریف سامع، مگر مدرسہ علوم شرعیہ میں درس کا یہ سلسلہ صرف دو روز رہا، کیونکہ درس کا یہ آغاز آپ کی وفات سے چار پانچ یوم قبل ہی ہوا تھا۔ بذل المجہود کی تالیف کا سلسلہ مدینہ منورہ میں بھی جاری تھا چنانچہ جب بذل کی تالیف سے فراغت پائی تو آپ نے فرمایا:۔کہ

حق تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں، دو قبول ہو چکیں ایک باقی ہے۔

(۱) مکہ مکرمہ میں پر امن حکومت اسلامی شرعیہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔

(۲) بذل المجہود کی تالیف مکمل ہو جائے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن ہونا نصیب ہو جائے۔

بحمد للہ وہ مقبول ہو چکیں، پر امن حکومت اسلامیہ شرعیہ مکہ مکرمہ میں قائم ہو چکی، بذل المجہود کی فراغت سے ٹھیک سات ماہ اور چوبیس دن بعد ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ یوم چہار شنبہ کو بعد عصر وصال فرمایا اور قبہ اہل بیت کے متصل دفن ہوئے، ایک عجیب اتفاق ہے کہ جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور سے ڈیڑھ سال کی حاصل کردہ رخصت ہی آپ کی حیات دینویہ کی مدت تھی کہ اس میں نہ ایک دن کم ہوا اور نہ زیادہ، یہ رخصت کا زمانہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو ختم ہوا اور سورج غروب ہونے میں ایک گھنٹہ بھر باقی تھا کہ آفتاب علم وعمل غروب اور جامعہ مظاہر العلوم کا چراغ ایک دم گل ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسی طرح یہ آپ کی تیسری دعا جوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وفات پانے اور دفن ہونے کی بھی مقبول ہوئی علاوہ ازیں صدہا دعائیں آپ کی مقبول ہوئیں جن کا تجربہ آپ کے متوسلین بارہا کر چکے ہیں جب کوئی پریشانی لاحق ہوئی خدمت والا میں عرض کیا آپ نے دعا فرمائی اور خدام فوراً قبول کا مشاہدہ کرتے۔ اور آپ کے کمالات و مقامات کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرمایا کہ

"تم میرے سلسلہ کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے"

اللہ اکبر جدِ سلسلہ کا یہ ارشاد کتنا وزن رکھتا ہے کہ جس کا ادراک ہم جیسوں سے ناممکن ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"پانچویں حج میں آپ طواف قدوم کے لئے حرم شریف میں داخل ہوئے تو مولانا محب الدین صاحب خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا "دیکھو حرم میں کون آیا کہ پورا حرم منور ہو رہا ہے، جب آپ طواف سے فارغ ہو کر ان کے پاس گئے تو مولانا محب الدین صاحب نے فرمایا" آہا آپ ہی تھے کہ جن کی وجہ سے پورا حرم منور تھا۔" (تذکرۃ الخلیل)

بہر حال آپ وقت کے عظیم محدث، فقیہہ اور شیخ کامل تھے آپ کے خلفاء اور تلامذہ میں فضائل و کمالات کی حامل ہستیاں ہوئی ہیں حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن گنگوہیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ مولانا حافظ فخر الدین صاحبؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی جیسی عظیم شخصیتیں آپ کے خلفاء و تلامذہ میں شامل ہیں، اللہ تعالے ہمیں آپ کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکان اپنی بڑھا گئے

(تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے "تذکرۃ الخلیل" مؤلفہ عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ

آپ قصبہ دیوبند کے خاندانِ عثمانی کے چشم و چراغ تھے اور آپ کے والد ماجد مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ اپنے زمانہ کے عالم و فاضل، اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قریبی احباب اور دوستوں میں سے تھے اور دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں اُن کا شمار کیا جاتا ہے۔ امام الفقہاء حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۵ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ظفر الدین رکھا گیا تھا اور آپ کے دوسرے بھائیوں میں فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانیؒ معید الرحمٰن عثمانیؒ، بابو فضل حق عثمانیؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہیں اور مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کی براہ راست اولاد میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے اپنے وقت میں علم و دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تعلیم و تربیت اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے بیشتر کتابیں پڑھیں اور ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم و فنون سے فارغ التحصیل ہو گئے جن حضرات کے ساتھ دار العلوم دیوبند میں آپ کی دستار بندی ہوئی اُن میں مولانا احمد سکندر پوری، مولوی محمد اسحاق فرخ آبادی، مولوی منفعت علی دیوبندی، مفتی رحیم بخش شیر کوٹی اور مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی شامل ہیں۔ ۱۲۹۹ھ میں دار العلوم دیوبند میں آپ اور مولانا حافظ محمد احمد قاسمی بلا تنخواہ مدرس مقرر ہوئے اس کے بعد آپ بسلسلۂ تعلیم و تدریس مدرسہ عالیہ رام پور تشریف لے گئے

اور ۱۳۰۹ھ تک آپ وہاں بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے وہاں کافی حضرات آپ کے فیوض علمی و روحانی سے مستفید ہوئے پھر ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی طلب پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور نیابت اہتمام کا منصب آپ کے سپرد کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کی شہرت و مقبولیت چونکہ عام تھی اس وجہ سے دور دراز کے مقامات سے استفتاء بکثرت آتے تھے اور مدرسین دارالعلوم کو کارِ تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی تھی کہ بلا حرج تعلیم ان کے جوابات دے سکیں اور دارالعلوم جس مقصد کے لئے قائم ہُوا تھا اس کی بناء پر اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بعنوان افتاء بھی عوام کی خدمت کی جائے گی اس لئے ابتدائی سالوں میں اساتذۂ دارالعلوم بالخصوص عارف باللہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ حسب ضرورت و موقع فتاویٰ تحریر کرتے رہے لیکن کام کی ذمہ داری نوعیت و اہمیت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ کسی صاحب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کر کے دارالافتاء کو مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے لہذا ۱۳۱۰ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس عظیم منصب اور اہم ذمہ داری کے لئے منتخب فرمایا پھر اُس وقت سے ۱۳۴۶ھ یعنی ۳۶ سال تک بدستور بحیثیت صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بلکہ مفتی اعظم ہند خدمتِ افتاء انجام دیتے رہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اٹھارہ سال تک افتاء کی نقل نویسی نہ ہوئی اور ۱۳۲۹ھ سے طلباء نے نقل شروع کی پھر ۱۳۳۳ھ میں مولانا قاضی مسعود احمد صاحبؒ کا تقرر آپ کے معاون کی حیثیت سے ہُوا، اس وقت سے رجسٹر میں مستفتی کے سوالات اور ان کے جوابات کی نقل موجود ہے جن کی تعداد مجموعی طور پر اڑتیس ہزار سے زائد بنتی ہے علاوہ ازیں کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے جن کے فتاویٰ عجلت کی وجہ سے رجسٹر میں درج نہ ہوئے ہوں نیز ایک مستفتی کئی کئی سوالات ایک کاغذ میں لکھتے ہیں کہ اگر اوسطاً تین سوالات مان لئے جائیں

تو فتاویٰ کی مجموعی تعداد تقریباً سوا لاکھ ہوتی ہے اور یہ تعداد بھی ان فتاویٰ کی ہے جو رجسٹر میں درج ہوئے اس سے پہلے کی جب کہ نقل افتاء کا انتظام نہیں تھا اتنی ہی تعداد فرض کر لی جائے تو اس طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے فتوے کم و بیش ڈھائی لاکھ ہوتے ہیں۔ ان فتاویٰ کا یہ بے نظیر مجموعہ اور مسائل فقہیہ کا یہ بے مثال ذخیرہ عام نظروں سے اوجھل تھا اس لئے سب سے پہلے آپ کے علمی جانشین اور شاگرد رشید مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا الشیخ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فتاویٰ بنام "عزیز الفتاویٰ" شائع کئے تھے جو بہت مختصر اور غالباً ایک دو سال کے فتاویٰ کا مجموعہ تھا چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند نے آپ کے تمام فتاویٰ کو جدید ترتیب سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کام کے لئے مولانا ظفر الدین صاحب کو مامور کیا انہوں نے غیر معمولی جانفشانی اور تندہی سے ترتیب فتاویٰ کا کام حسن اسلوب سے انجام دیا جن کی نو دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی کام جاری ہے غرضیکہ آپ کی علمی اور فقہی خدمات بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ بہت مشکل ہے آپ کو فن افتاء سے اس قدر مہارت تھی کہ مشکل ترین سوالات پر بھی برجستہ فتاویٰ تحریر فرما دیتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے اور بڑے بڑے علماء و مشائخ نے آپ کی جامع شخصیت اور علمی مقام کا اعتراف کیا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہیں آج دنیا اس صدی کے مجدد اعظم کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنہوں نے ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف ورثے میں چھوڑی ہیں اور جن کا ہر خلیفہ مجاز ایک آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا ہے وہ بھی آپ کے فتاویٰ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ بھی آپ کی علمی شان کے معترف تھے اور اسی لئے آپ کی نظر انتخاب بعہدہ صدر مفتی دار الافتاء دار العلوم دیوبند حضرت مفتی صاحبؒ پر ہی پڑی" امام العصر علامہ محمد انور کشمیریؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا

کرتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔"

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں۔ کہ:۔

جس وقت میں کنز الدقائق کے حاشیہ سے فارغ ہوا تو مسودہ بغرض اصلاح حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کیا، حضرت مفتی صاحبؒ نے تمام حاشیہ کو نشان لگا کر رنگین کر دیا اور فرمایا کہ اس جگہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کی فلاں عبارت درج ہونی چاہیئے بلاشبہ حضرت مفتی صاحب کی رگ رگ میں فقہ رچا ہوا تھا اگر وہ زمانہ سابق میں ہوتے تو فقہ میں صاحب مسلک ہوتے لیکن باوجود فقیہ النفس ہونے کے امام اعظمؒ کی تقلید کا قلادہ گردن میں ڈالے ہوئے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے"۔

(تذکرۃ مشائخ دیوبند)

حضرت مفتی صاحبؒ کو جس طرح علوم ظاہری پہ درک تھا اسی طرح روحانیت و تصوف اور اخلاق باطنی میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم اول دارالعلوم دیوبند سے بیعت و خلافت حاصل تھی، کرامات و تصرفات کے بہت سے واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں جن کے جاننے اور دیکھنے والے آج بھی بحمد اللہ پاک و ہند میں موجود ہیں حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ پر چونکہ نقشبندیت کا غلبہ تھا اس وجہ سے آپ کے مریدین خصوصاً حضرت مفتی صاحبؒ پر بھی نقشبندیت کا غلبہ تھا، آپ کے خلفاء اور مریدین کا حلقہ وسیع ہے خاص طور پر مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ جو بہت معروف تھے جن کے خلیفہ مجاز مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ ہیں۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا

مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا قاری محمد طیب صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے مزاج میں بے حد سادگی تھی، تواضع انکساری اور زہد و تقویٰ میں آپ کو کمال حاصل تھا، تواضع اس قدر کہ باوجود تلامذہ کے اور خدام کی موجودگی کے اپنے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، اپنا اور پڑوسیوں کا سامان بازار سے خرید کر دامن میں لایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی طرز عمل تھا چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ آج اُن کی تصنیف "عزیز الفتاویٰ" عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے۔ اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا، لیکن سادگی و تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام تھا کہ یہ کوئی کیسے سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامت صوفی اور صاحبِ نسبت شیخ ہیں جب کہ غایتِ تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کے سودا مع حساب کے اس کے گھر پہنچاتے تھے، کبھی تو اس سودا سلف لانے میں ایسا بھی ہوتا کہ جب آپ کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی کہ مولوی صاحب یہ تو سودا آپ غلط لے آئے ہیں میں نے تو یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔"

(مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

اسی طرح باوجود تبحرِ علمی اور فقیہ النفس ہونے کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ نماز، وضو کے مسائل کتاب دیکھ کر بتلاتے اور فرماتے تھے کہ یہ طریقہ اس وجہ سے

اختیار کئے ہوئے ہوں کہ ممکن ہے کبھی مجھ سے سہو ہو جائے اور مسئلہ دھوکے میں غلط بتا دوں، لیکن کتاب دیکھ کر بتانے میں ذمہ داری میرے اوپر سے اُٹھ جاتی ہے اور کتاب والے پر یہ ذمہ داری آجاتی ہے"۔

اسی طرح ظاہری و باطنی شکوک وشبہات میں آپ ہمیشہ حضرت گنگوہی رحؒ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے قول کو قول فیصل جانتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو "لیس الانسان الا ما سعیٰ" آیت کے متعلق ایک شبہ ہوا کہ جب انسان کو اس کی سعی کا اجر ملتا ہے تو ایصال ثواب بعد مرنے کے دوسروں کی سعی ہے یہ مُردے کو کیوں پہنچتا ہے تمام دن اسی کشمکش میں گزر گیا رات ہو گئی مگر اشکال رفع نہ ہوا دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر آج رات انتقال ہو گیا تو قرآن پاک کی ایک آیت کے متعلق دل میں ایک شک لے کر جاؤں گا بس پھر کیا تھا رات ہی کو پیادہ پا عازم گنگوہ ہوئے، صبح ہوتے ہی آستانہ رشیدیہ پر موجود تھے اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہٗ وضو فرما رہے تھے پوچھا کون صاحب ہے، حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا۔ "عزیز الرحمٰن" اس کے بعد اپنا اشکال پیش کیا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہاں سعی سے مراد سعی ایمانی ہے، یعنی کسی کا ایمان کسی کے کام نہ آئے گا باقی ایصال ثواب ایک دوسرے کے ضرور کام آئیں گے۔"

اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کے بہت سے کمالات باطنیہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے ایک مرتبہ اسی طرح حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا مراد آبادیؒ نے آپ کو بہت زیادہ عنایت سے نوازا تھا بہر حال حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اپنے ظاہری و باطنی علمی و روحانی کمالات میں اپنی نظیر آپ تھے ساری زندگی درس و تدریس اور خدمت افتاء میں مصروف رہے، ۱۳۴۷ھ میں آپ دارالعلوم

دیوبند سے مستعفی ہوکر ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دن قیام فرماکر واپس دیوبند تشریف لے آئے اور تھوڑے سے عرصہ بعد ۷ ارجمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۔

آپ کی اولاد میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند قابل فخر فرزند ہیں اور اس دور کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے قابلِ فخر فرزند اور دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، درسیات سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے درس و تدریس کے سلسلے میں لے گئے تھے پھر دارالافتاء میں اپنے والدِ مکرم کی زیر تربیت افتاء نویسی کی مشق کی اور دارالافتاء میں بحیثیت نائب مفتی کام شروع کیا اور فتویٰ نویسی میں مہارت حاصل کی۔ ایک عرصہ تک حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا پھر ایک عرصہ دراز تک کلکتہ میں مقیم رہے اور وہاں کے لوگوں کو علم اور دین سے مستفید کیا اس کے بعد دہلی آکر ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا جو وقت کا ایک بہترین معیاری ادارہ ہے جس نے علوم و فنون کی بہت سی قابلِ قدر تصانیف کو ملّت کے سامنے پیش کیا۔ آپ اس وقت دہلی کے مشاہیر علم و فضل میں شمار کئے جاتے ہیں بہت سے علمی و دینی اداروں کے ممبر ہیں اور مرکزی حج کمیٹی کے صدر رہیں گورنمنٹ ہندوستان آپ سے بہت متاثر رہے اور قومی کاموں میں آپ کا خاص حصّہ ہے۔ تحریک آزادیٔ ہند کے سپاہیوں میں سے ہیں اور جمعیت علمائے ہند کے صدر رہیں۔ اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے مؤثر ممبروں میں سے ہیں۔ جری اور شیر دل منفرد ہیں، بیرونی ممالک میں بھی آپ کی آمد و رفت رہی ہے اور مجموعی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے آمین ۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے جید عالم دین اور عارف کامل تھے آپ کے والد ماجد کا نام راؤ اشرف علی خان ہے اور مسلمان راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، موضع تگری ضلع انبالہ مشرقی پنجاب آپ کا وطن ولادت ہے والد ماجد ایک بڑے زمیندار تھے اور رائپور کو اپنا مستقل وطن بنایا جو سہارنپور سے تقریباً بیس میل ایک بڑا گاؤں ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے تگری رہ کر حاصل کی پھر باقی عربی فارسی کی تعلیم رامپور اور مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور کچھ کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بھی پڑھی ہیں۔

ابتداء سے ہی طبیعت سلوک و تصوف کی طرف مائل تھی، شیر مادر کے ساتھ اکابرین اور مشائخ کی محبت اور ان کی توجہات کے گھونٹ بھی نوش کئے تھے جس وقت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکیؒ مکہ معظمہ کے لئے ہجرت فرمارہے تھے اس وقت آپ کی عمر تین سال کی تھی اور راؤ اشرف علی خان حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے جانثار خدام میں سے تھے۔ چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ فرماتے ہیں کہ: "آپ کی ذات جامع کمالات ہے جو قلب ابتداء ولادت سے حضرت گنگوہیؒ کی محبت کا تخم اپنے اندر لئے ہوئے تھا وہ میرے علم میں صرف آپ کا قلب ہے لقبضہ غدرا علے حضرت حاجی صاحبؒ کی روپوشی کے زمانہ میں جبکہ حضرت گنگوہیؒ پنج لاسہ جاتے ہوئے تگری میں ٹھہرے

تو آپ کے والد ماجد راؤ اشرف علی خان صاحب کے مہمان بنے تھے مولانا ممدوح اس وقت طفل سہ سالہ تھے حضرت نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی، اسی وقت سے آپ کو حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ تعلق تھا۔ جوں جوں ہوش سنبھالا باپ کی زبان سے حضرت گنگوہیؒ کے مناقب سُن کر گویا حضرت ہی کی محبت میں نشو ونما پایا جس قلب میں قطب الارشاد کی بدعقیدگی کا کبھی وسوسہ بھی نہ گزرا ہو اس کے مراتب علیہ کی کنہ کوئی کس طرح ادراک کرے، آپ نے طفولیت ہی میں گنگوہ کی آمد و رفت شروع کردی تھی اور حضرت کے مربیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے اور آخر کار حضرتؒ نے آپ کو بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ساتھ مجاز طریقت بھی بنایا۔ (تذکرۃ الرشید)

جب ۱۳۲۰ھ میں مظاہر العلوم سہارنپورؒ کے بعض جاہ طلب لوگوں نے ہڑبونگ مچایا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے نام برطرفی کا نوٹس دے دیا تو ان دنوں میں آپ بہ حکم حضرت گنگوہیؒ ہر تیسرے روز بیل گاڑی میں بیٹھ کر سہارنپور جاتے اور حضرت گنگوہیؒ کو حالات سے باخبر کرتے رہے اس طرح آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور کے حالات کو بگڑنے نہ دیا اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ آپ کو بھی مدرسہ مظاہر العلوم کا سرپرست بنا دیا گیا اور آخر وقت تک آپ نے کارہائے متعلقہ کو بڑی جوانمردی اور اخلاص سے انجام دیا، دوسرا بڑا کام آپ نے ریشمی خطوط کے سلسلہ میں کیا ہے جس کی تفصیل نقش حیات میں ملاحظہ فرمایئے۔

قرآن شریف اور اس کی تعلیم سے آپ کو عشق تھا بچوں کو صحیح صاف اور سادہ لہجہ میں قرآن شریف پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے تھے، خود آپ نے اپنے باغیچہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جو توکل کا مجسمہ تھا چندہ کا سوال نہ تھا نہ کوئی وقف جائداد

تھی یہیں پر ایک خام مسجد تھی مدرسہ اور مسجد دیکھ کر عہد نبوت کے سادہ دور کا نقشہ آنکھوں
میں پھر جاتا تھا۔ دیہات کے چھوٹے چھوٹے بچے تعلیم پاتے تھے یہاں ہی سے ان کی
خورد و نوش کا انتظام ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ لکڑیاں اور آٹا ختم ہو گیا نگران مدرسہ
نے آپ کو اطلاع دی آپ نے فرمایا خدا رازق ہے۔ وہی انتظام کرے گا۔ چنانچہ
یہ فرما کر خاموش ہو گئے، صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کے لئے ندی پر گئے تھے
دوڑتے ہوئے آئے اور کہا حضرت! ندی میں تو لکڑیاں بہی چلی آ رہی ہیں، خوشی کے
مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان
بھیجا ہے جاؤ جتنی چاہو سمیٹ لاؤ۔ چنانچہ سارے طلباء دوڑ پڑے اور روک لگا کر
لکڑیاں لانا شروع کر دیں کہ دو گھنٹے میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش
بھی نہ تھی، لکڑیاں کی آمد بھی بند ہو گئی اور اب آٹے کی ضرورت رہ گئی دو گھنٹہ کے بعد ڈاکیا
آیا اور ڈیڑھ سو روپیہ کا منی آرڈر پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مدرسۃ القرآن کے لئے بھیجتا
ہوں اس کو خرچ میں لائیں۔"

غرضیکہ اسی متوکلانہ شان سے یہ دینی مدرسہ اپنے فرائض منصبی انجام دیتا رہا۔

آخری سفر حج کے لئے جب آپ روانہ ہوئے تو ستر اسی نفر آپ کے ساتھ تھے بمبئی
پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ جہاز میں صرف بارہ سیٹ باقی ہیں اس لئے آپ نے رفقاء میں سے
بارہ حضرات کو ٹکٹ خرید دیئے اور آپ مع فرزند بھوا اور دیگر رفقاء کے پندرہ دن تک
مقیم رہے بعد ۱۵ دن کے بمبئی سے دوسرے جہاز کے ذریعہ روانہ ہوئے راستہ میں فرزند
عبدالرشید مرحوم کو پیچش ہو گئی اور مرض یہاں تک بڑھا کہ مرحوم سے حرکت کرنا دشوار ہو گیا
اسی حالت میں جوں توں کر کے ارکان حج پورے کئے باوجودیکہ اکلوتا لاڈلا فرزند ارجمند جاں
بلب تھا لیکن اپنی اور فرزند کی تکلیف کا کچھ خیال نہ آیا، ہر وقت رفقاء سفر کے آرام و راحت
میں مصروف رہتے تھے اسی حالت میں سفر مدینہ اختیار کیا وہاں سے فارغ ہونے کے بعد

جب ہندوستان واپس ہوئے تو راہ میں عدن کے قریب عبدالرشید کا انتقال ہو گیا جہاز ہی میں نماز جنازہ ادا کی اور فرزند کی نعش کو سپرد بحر کر دیا۔ ضبط و تحمل و صبر و رضا کا یہ عالم کہ بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ فرزند کا انتقال ہو گیا ہے لوگ تمنائیں کرتے کہ حضرت فرزند مرحوم کا تذکرہ کریں گے مگر کیا مجال کہ زبان یا چہرے سے کسی قسم کا اظہار ہو جائے۔

آپ میں کتمان حال و ضبط و تحمل بہت زیادہ تھا بڑی سے بڑی تکلیف کو چھپاتے تھے ایک مرتبہ ران میں دنبل نکلا کسی کو پتہ نہ چل سکا باوجود تکلیف شدید کے برابر مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جاتے رہے ایک دن جب پھوڑا پھوٹ گیا اور ازار پیپ و خون سے تر ہو گیا تب خدام کو معلوم ہوا کہ نہ معلوم کتنے دنوں سے دُنبل تھا۔ اسی طرح کتنی ہی دفعہ طبیعت خراب ہوئی اور دوا کی نوبت ہی نہ آئی اس وجہ سے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کب طبیعت خراب ہوئی اور کب آرام ہو گیا جیسے حالت صحت میں خوش و خرم رہتے ایسے ہی مرض کی حالت میں رہتے۔ آخری زمانہ میں مستقل بخار رہنے لگا لیکن باوجود اس کے مجاہدات کا وہی عالم رہا بہر حال آپ ہمیشہ اور ہر وقت اتباع سنت اور احیائے سنت کا خیال رکھتے تھے اور عشق نبوی سے سرشار تھے۔ آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نہایت اعلیٰ وارفع و کامل و مکمل

بزرگ تھے اور ولئ باصفا اور صاحب حال اکابرین میں سے تھے کشف بہت زیادہ ہوتا تھا لیکن کتمان حال کا یہ عالم کسی کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔"

۱۹۱۹ء میں رائپور ہی میں رحلت ہوئے اور جس باغ میں آپ رہتے تھے اسی باغ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا آپ کا مزار مقدس آج بھی منبع فیض و برکات بنا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ

آپ کا تعلق خاندانِ سادات حسینیہ سے ہے اور امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ ابن قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں والد بزرگوار کا نام سید اکبر حسین ہے اور آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۶۷ھ ہے۔

آپ نے فارسی و عربی کی تعلیم امروہہ کے مشہور عالم مولانا سید رافت علی صاحبؒ مولانا کریم بخش صاحبؒ مولانا محمد حسین صاحبؒ جعفری سے حاصل کی اور طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خان اثنا عشری سے پائی۔ پھر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمت میں دیوبند، نانوتہ اور میرٹھ میں رہ کر تمام علوم و فنون کی تکمیل کی اور اپنے استاذ کے کمالات علمیہ کے مکمل آئینہ بن گئے۔ حضرت نانوتویؒ قدس سرہٗ اپنے اس جلیل القدر تلمیذ کا کس قدر احترام کرتے تھے؟ ہمیشہ میر صاحب کہہ کر پکارتے تھے اور حضرت نانوتویؒ اپنے اس عزیز شاگرد کی وجہ سے چند مرتبہ امروہہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے علاوہ مولانا مولانا احمد علی سہارنپوریؒ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا عبدالقیوم بھوپالی اور شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی سے بھی حدیث کی اجازت حاصل کی ہے۔

اپنے استاذ محترم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرح آپ کو بھی علم دین کی نشر و اشاعت کا شوق ہی نہیں بلکہ عشق تھا چنانچہ جس وقت آپ فارغ التحصیل ہوئے تو نوجوان تھے۔ کرخواجہ تشریف لے گئے خواجہ کے بعد سنبھل اور دہلی کے مدارس میں مختلف اوقات میں صدر مدرسہ کے عہدے پر فائز رہے، اور علوم دین کی نشر و اشاعت فرماتے رہے جس

وقت ۱۲۹۶ھ میں حضرت نانوتویؒ کے ایماء پر مدرسۃ الغرباء عرف مدرسہ شاہی مرادآباد قائم ہوا تو اس کے پہلے صدر مدرس آپ ہی تھے، ۱۳۰۳ھ تک یعنی سات آٹھ برس آپ کا اس مدرسہ سے تعلق رہا۔ ۱۳۰۳ھ میں آپ مستعفی ہو کر وطن عزیز امروہہ تشریف لے آئے اور یہاں علوم دین کی نشر و اشاعت شروع کی اور جامع مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی تشکیل جدید کی اپنی بنیاد کے اعتبار سے یہ مدرسہ حضرت نانوتویؒ کا قائم کیا ہوا ہے جو ایک مکتب کی حیثیت سے چل رہا تھا آپ نے اسی کو جامع مسجد میں اعلیٰ پیمانہ پر چلانا شروع کیا اور مختلف فنون مثلاً طب، منطق، فلسفہ، حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کے ماہرین کو جمع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں مدرسہ دور و نزدیک شہرت پا گیا اور خدمت دین کرنے لگا چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے مدرسہ کے حق میں دعا فرمائی کہ :۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے مدرسہ کی امداد و اعانت فرمائے۔ آمین"

مدرسہ امروہہ کے قیام کے چند سال بعد بطلبی مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے چند ماہ درس دیا ہے بیضاوی، شمس بازغہ، صدرا آپ کے سپرد کی گئیں اور آپ کو اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کو ایک ہی درجہ میں رکھا گیا البتہ آپ کی تنخواہ حضرت شیخ الہند سے کچھ زیادہ تھی، کچھ عرصہ بعد آپ کو مدرسہ امروہہ کے ذمہ دار حضرات یہ کہہ کر کہ "ہمارا باغ اجڑنے کا اندیشہ ہے" لے آئے اور پھر آپ نے مدرسہ امروہہ میں سلسلۂ درس شروع کر دیا آپ کے علمی و روحانی مقام کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کے تمام کمالات کا آئینہ اور نمونہ آپ کو کہا جائے تو بجا ہے چنانچہ خود حضرت نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"ان کا ذہن چاندی ہے اور میرا ذہن سونا ہے مزاج کے اعتبار سے وہ مجھ

سے زیادہ قریب ہے۔ (قصص الاکابر)

حضرت نانوتویؒ کے اس ارشاد کے بعد فضل و کمال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے تاہم دارالعلوم دیوبند کی مدرسی اور اور حضرت شیخ الہندؒ کے برابر مرتبہ اور تنخواہ میں تفاضل ایک ایسی روشن دلیل ہے جس سے آپ کا فضل و کمال بوضاحت ثابت ہوتا ہے۔ تقریر و تحریر میں حضرت نانوتویؒ کا رنگ غالب ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ:۔

فضل و کمال قاسمی کی صحیح جانشینی اگر کسی نے کی ہے تو

وہ صرف حضرت امروہیؒ کی ذات ہے۔"

تو اس میں مبالغہ ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت امروہیؒ کی تقریر نہایت جامع اور شستہ اور پُر مغز ہوتی تھی تقریر میں وہ اپنے اُستاذ کا کامل نمونہ تھے اور مناظرہ میں بھی آپ اپنے استاذ محترم کی طرح ید طولیٰ حاصل کئے ہوئے تھے چونکہ حضرت نانوتویؒ کے ہمراہ متعدد مناظروں میں شریک رہ چکے تھے اس لئے آپ کے مناظروں میں بھی قاسمی رنگ غالب رہتا تھا ۱۳۲۲ھ میں نگینہ ضلع بجنور میں آریوں کے ساتھ مناظرہ ہوا اور جس میں حضرت محدّث امروہیؒ اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے وکالت فرمائی اور ایسی زوردار تقاریر فرمائیں کہ آریوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ غرضیکہ آپ عظیم محدّث، محقق، مدبّر، مقرر اور مناظر تھے اور علمی مقام بہت بلند تھا سلوک و تصوف میں آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہیں اور اجازت و خلافت حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ سے حاصل ہے۔ استاذ محترم حضرت نانوتویؒ کی طرح آپ میں بھی انتہا سے زیادہ اخفائے حال تھا اس وجہ سے اکثر و بیشتر علمی لائن سے ہی آپ کا تعلق رہا حالانکہ اپنے زمانہ میں تصوف کے اونچے مقام پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں اپنا اسلام اور حاضر نہ ہونے کی معذوری کہلا کر بھیجی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ:۔

ہماری یہ ٹوپی ان کو دے دینا اور یہ کہنا کہ جو کام تم امروہہ میں رہ کر انجام دے رہے ہو وہ یہاں کی حاضری سے بہتر ہے"۔

بہر حال علمی و روحانی مقام میں اپنی نظیر آپ تھے۔ نہایت خوش لباس، خوش اخلاق اور حسین و جمیل بزرگ تھے۔ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گزارنے کے بعد ۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں واصل بحق ہوئے اور پسماندگان میں تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ مولانا سید محمد رضوی صاحب چھوڑے جو امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبدالرحمٰن امروہی مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادی اور مولانا مختیار احمد صاحب امروہی شامل ہیں۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

● "آدمی کامل وہ ہے کہ اپنے عیوب پر اس کو عبرت اور نظر ہو، اور اپنی معصیت پر ندامت، ورنہ وہ کون ہے جو غفلت اور عصیان سے خالی ہو، اپنے اپنے درجہ کے سب عاصی ہیں۔"

● "دنیا میں کوئی آدمی رنج و غم سے بچنا چاہے تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ کسی سے کسی نفع کی توقع نہ رکھے،
امید و بیم کا تعلق صرف ایک ذات حق تعالیٰ سے وابستہ کرنا چاہیئے۔"

(قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ

آپ ۱۲۷۹ھ میں قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے آپ کی عمر جب مکتب نشینی کے قابل ہوئی تو قصبہ رام پور کے جو نانوتہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر بجانب سہارنپور ایک قصبہ ہے حافظ نور محمد صاحب کے پاس پڑھنے بٹھادیا نویں سال آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا پھر تحصیل علوم کے لئے بیرونی مدارس میں روانہ فرمادیا گیا اور گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں جو مدرسہ خود حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے قائم کیا تھا وہاں آپ کو داخل کر دیا گیا اس کے بعد اونچی تعلیم کے لئے مدرسہ قاسم العلوم مرادآباد بھیجا گیا یہ مدرسہ بھی حضرت نانوتویؒ نے قائم فرمایا تھا اور اس مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ تھے آپ نے مختلف علوم وفنون کی متعدد کتابیں حضرت امروہیؒ سے اسی مدرسہ شاہی مرادآباد میں رہ کر پڑھیں اسی دوران میں حضرت نانوتویؒ کو اپنے صاحبزادے کو خود ہی تعلیم دینے کا خیال پیدا ہوا اور آپ نے مرادآباد سے حضرت حافظ صاحب کو دیوبند بلالیا۔ لیکن حضرت نانوتویؒ کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا سفر حج کی تیاریاں تھیں اور اسی سفر میں مرض وفات شروع ہوا اس لئے جس خصوصی تعلیم کے لئے صاحبزادہ کو بلایا تھا وہ نہ ہو سکی اور حضرت حافظ صاحبؒ نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں اپنی بقیہ تعلیم پوری کی، متعدد کتابیں اور بالخصوص معقولات وعربیت کی اونچی کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے پڑھیں اور سب سے آخر میں دورہ حدیث گنگوہ پہنچ کر قطب الارشاد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں پورا کیا اور وہیں سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۲۹۸ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوگئی تو حضرت حافظ صاحبؒ تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں جو حضرت نانوتویؒ کا ہی قائم فرمودہ تھا، تشریف لے گئے اور عرصہ تک وہاں پڑھاتے رہے، وہاں سے پھر دیوبند بلائے گئے اور ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کئے گئے، عموماً تمام فنون کا درس دیتے تھے لیکن خصوصیت سے مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، جلالین شریف اور میر زاہد وغیرہ کتابیں زیرِ درس رہیں۔ اُسی زمانہ تدریس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ تھے ان کی ہجرت مکہ مکرمہ کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ، سرپرست دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم مقرر فرمایا، آپ نے اپنے طبعی جوہروں کے ساتھ دارالعلوم کا اہتمام پوری قوت و جاہت اور جرأت و استقلال کے ساتھ چلایا جس کے نمایاں اثرات تاریخ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دارالعلوم کا ترقیاتی دور حضرت حافظ صاحبؒ ہی کا چالیس سالہ دورِ اہتمام ہے اس دور میں جماعت دیوبند کے تمام اکابر علماء حتیٰ کہ حضرت حافظ صاحبؒ کے اساتذہ بھی ان کی نسبت کی وجہ سے ان کے سامنے جھکتے تھے، حضرت شیخ الہندؒ باوجودیکہ حضرت حافظ صاحب کے اُستاد بھی تھے اور حضرت حافظ صاحبؒ کا قلب بھی ان کی اُستاذی عظمت سے بھرپور تھا لیکن جب کبھی حضرت حافظ صاحب اپنی صاحبزادگی اور مخدوم زادگی کے رنگ میں ہوتے اور حضرت شیخ الہندؒ آجاتے تو اِدھر سے ناز اور اِدھر سے نیاز قابلِ دید ہوتا تھا بعض اوقات تو نہایت نیازمندی سے حافظ صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑتے اور پاؤں تک پکڑ لیتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ :-

"حافظ احمد کا میرے دل میں اتنا احترام ہے کہ اگر وہ پاخانہ کی کوئی ٹوکری اٹھانے کو بھی مجھ سے کہیں گے تو میں اس کی تعمیل کو اپنی عزت سمجھوں گا"

اللہ اکبر، دیکھئے حضرت شیخ الہندؒ اپنے اس شاگرد کا کتنا احترام کرتے ہیں یہ صرف حضرت نانوتویؒ کی نسبت تھی بغرض حضرت شیخ الہندؒ اس شفقت کے ساتھ جو نیازمندی کے رنگ میں ہوتی تھی حضرت حافظ صاحب کی پشت پناہی فرماتے اور وہ جاہت وجرأت ان کی کام کرتی تھی، حضرت حافظ صاحبؒ کے اخلاق و اوصاف بھی بہت بلند تھے آپ جب چلتے تو عموماً نیچی نگاہ کرکے چلتے تھے، چال میں وقار اور متانت تھی ان کے سامنے پہنچ کر ایک ہیبت محسوس ہوتی تھی صاف گوئی اور ظاہر و باطن کی یکسانی معروف و ممتاز تھی ہر ایک سے بات نہایت صاف بے لاگ اور بے جھجک فرماتے تھے، سریع الغضب تھے، غصہ آتا تو ایک دم آجاتا اور ایک دم بلا لحاظ، کھری کھری فرماتے تھے اور دوسرے کی صفائی پیش کر دینے پر اسی مجلس میں ایک دم فرو ہوجاتا اور اس مغضوب پر بے حد مہربان ہوجاتے اور غیر معمولی شفقت فرماتے، غرض طلبہ اور مدرسین سب پر ان کی وجاہت کے اثرات تھے جس کو چار چاند حضرت شیخ الہندؒ کے نیاز مندانہ رنگ کی باطنی توجہات و تصرفات اور معنوی قوت وہمت نے اور ادھر حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی اور روحانی اعانت نے لگائے تاآنکہ اس دور میں مدرسہ سے دارالعلوم دیوبند بنا اور اس نے مالی اور علمی حیثیت سے نمایاں ترقیاں کیں، عمارت کی وسعت، شعبہ جات کا پھیلاؤ، شاندار اجتماعات ملک میں دارالعلوم کی عمومی روشناسی، قوم اور حکومت دونوں کا اس سے تاثر وغیرہ اس دور کی پیداوار ہیں جس سے دارالعلوم ہر جہتی ترقی کرتا ہی چلا گیا۔ کام کے بڑھ جانے پر حضرت حافظ صاحبؒ کی نگاہ انتخاب اپنی نیابت کے لئے حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ پر پڑی

جیب دوراں مانے ہوئے مدبر، بزرگ عالم ربانی، محدث، ادیب اور بافراست بزرگ تھے ان کے تدبر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اب تدبیر و سیاست حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی تھی اور وجاہت و جرأت اور قوت حضرت حافظ صاحب کی اور ہمت باطنی اور پشت پناہی حضرت شیخ الہند کی تھی۔ ان تینوں سروں کے جڑنے سے دارالعلوم نے وہ ترقی کی وہ زمین سے اٹھ کر آسمان تک پہنچ گیا، سخاوت اور فراخدلی مثالی تھی، مہماندار اور مہمانوازی میں شغف تھا، روزانہ دو چار دس بیس مہمان دستر خوان پر ہوتے تھے جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا تو مدرسہ کی چھٹی ہونے پر دروازۂ مدرسہ پر کچھ دیر رک جاتے اور اساتذہ میں سے جو گزرتا اسے گھر ساتھ لے آتے اور کھانے میں شریک فرماتے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دس سال تک اپنے سے جدا نہیں ہونے دیا، اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے اخلاص اور اعتماد علی اللہ میں راسخ القدم تھے اور دوسری ممتاز اخلاقی قوتیں آپ کی شیوہ ہوگئی تھیں۔

بہرحال آپ تمام عمر درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد اور دارالعلوم کی ترقی کے لئے کام کرتے رہے اور ۳، جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو دارالعلوم ہی کی خدمات کے سلسلہ میں دارالعلوم پر نثار ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہزاروں افراد نے نماز جنازہ ادا کی اور ۴، جمادی الاول، ۱۳۴۷ھ کو دفن کردیا گیا۔

آپ کی اولاد صالح میں حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ مرحوم اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ، مشہور زمانہ علماء میں سے ہیں اور آپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے ہیں اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، تو ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کا تذکرہ آگے پڑھیے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہی

آپ ۱۲۷۷ھ کو مولانا عنایت اللہ سندھلوی کے گھر پیدا ہوئے، سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے متصل ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے آپ پانچ سال کے تھے۔ کہ اپنی بہن کے ہمراہ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں اپنے بہنوئی کے پاس رہے مکہ مکرمہ میں ایک حافظ عبدالرحمٰن تھے۔ اُن سے قرآن مجید حفظ کیا حفظ قرآن کے بعد پہلی محراب مسجد الحرام میں سنائی۔ ۱۲۹۰ھ میں وہاں سے واپس بمبئی آ گئے، ۱۲۹۲ھ تا ۱۲۹۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتے رہے، ترمذی شریف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اُن کے آخری دور میں پڑھی، حضرت مولانا نانوتویؒ کے وصال کے بعد دیوبند سے مراد آباد آ گئے۔ اور یہاں مولانا احمد حسن امروہیؒ سے ۱۳۰۱ھ میں سند الفراغ حاصل کی، پھر گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی حدیث پڑھی، مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ گنگوہ میں آپ کے ہم درس تھے بھوپال میں قاضی محمد ایوب اور علامہ حسین بن محسن یمنی خزرجی سے جو بیک واسطہ علامہ شوکانیؒ کے شاگرد تھے آپ نے سندِ حدیث حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں چند سال تدریس کی پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے تعلق ہو گیا۔ اور اپنے استاذ حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کے وصال کے بعد ۱۳۳۰ھ سے مستقل طور پر صدر مدرس، شیخ الحدیث والتفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔ درمیان میں چند ماہ ریاست میڈھو میں؛ پھر جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر امروہہ آ گئے۔ اور آخر وقت تک باوجود پیرانہ سالی و ضعیفی کے درس قرآن و حدیث دیتے رہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں۔ کہ "حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے تفسیر کے بعض اسباق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بھی پڑھے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے فیوض سے آپ کے اوپر حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے اسباق میں متکلمانہ رنگ غالب تھا۔ جگہ جگہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کا حوالہ بھی دیتے تھے۔ اور انہیں وضاحت کے ساتھ بیان بھی فرماتے تھے۔ امروہہ میں ایک عرصہ تک درس دیا۔ اور آخر میں کچھ عرصہ جب کہ ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار کر لئے گئے تو دیوبند میں بھی بعہدہ صدر مدرسی درس حدیث دیا ہے۔ آپ نے تقریباً ساٹھ سال علوم دینیہ کی خدمت کی اور ہندوستان میں آپ کے فیض یافتگان کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ مطول، مختصر المعانی اور بیضاوی شریف کامل کے حواشی آپ کے علمی آثار ہیں۔ اتنے علم و فضل کے ساتھ منکسر المزاج اور متواضع طبیعت کے مالک تھے۔ آخر وقت تک کوئی مکان تعمیر نہیں کرایا۔ اور عمر کے آخری چند سال مدرسہ امروہہ کی چہار دیواری میں گزارے، سلوک و تصوّف کے منازل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے طے کئے اور خلافت حاصل کی۔ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ کی صبح کو یہ آفتاب علم و عرفان اپنی پوری تابانیوں اور ضو فشانیوں کے بعد غروب ہو گیا، صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے بالکل قریب جگہ پائی۔ آپکی اولاد صالحہ میں مولانا عبدالقیوم شفق مرحوم، مولانا عبدالحیٔ، مولانا عبدالقدوس حافظ عبدالسلام اور مولانا عبدالمومن قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

(ماخوذ تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا حافظ محمد یٰسین دیوبندیؒ

آپ ۱۲۸۲ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام افتخار ہے والد صاحب کا نام تحسین علی اور دادا کا نام میاں جی امام علی تھا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سے جا ملتا ہے۔ تحصیل علم کے لئے آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درسیات کی تکمیل کر کے ۱۳۰۱ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت ملا محمودؒ اور مولانا سید احمد دہلویؒ کے بھی نام آتے ہیں فراغت کے بعد اتفاقاً دار العلوم میں مدرس فارسی کی جگہ خالی ہوئی جس کے نصاب میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانا بھی شامل تھا اس جگہ پر آپ کا تقرر ہوا۔ اس طرح سے ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۵۳ھ تک آپ نے اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خاص مریدین میں سے تھے۔ اور منازل سلوک انہی سے طے کیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم دیوبند کے نہایت اہل علم اور باعزت خاندان کے فرزند تھے آپ کے آبا و اجداد علمی مشاغل میں مصروف اور اہل شہر کے معتمد علیہ حضرات تھے حضرت مرحوم نے قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد فارسی کی درسیات اپنے والد ماجد اور اکابر خاندان سے حاصل فرما کر اعلیٰ قابلیت فارسی کی تعلیم حاصل فرمائی اور پھر دار العلوم دیوبند میں اکابر مشیوخ و اساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

اور حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہ حضرات سے علوم معقول و منقول حاصل فرمائے اور بعد فراغ تحصیل بلا قید ملازمت محض شوق تعلیم اور حصول ثواب کی وجہ سے تعلیم درسیات مختلف طلباء کو شروع فرمائی۔ پھر آپ باضابطہ مدرس فارسی مقرر کر دیئے گئے اس کے ساتھ ساتھ عربی کی بھی بلند پایہ کتب زیر درس رہیں۔ فارسی درس کی انتہائی کتابیں حضرت ممدوحؒ نہایت شوق اور جانفشانی اور کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے علاوہ اہل شہر اور دیگر طلباء کے بعض عربی تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عالمانہ بحث و اشکال پیش کرتے تھے۔

حضرت مرحوم و ممدوحؒ کی ایک نمایاں خصوصیت یا اثر صحبت بابرکت یہ بھی تھا کہ طالبعلم کے قلب میں ابتداء ہی سے حق تعالیٰ اور اس کے مقدس انبیاء علیہم السلام کی محبت اور بزرگانِ دین کی عقیدت جاگزیں ہو جاتی تھی۔ جس کا پائیدار اثر اس کی دینی اور دنیوی اصلاحِ حال کے لئے آخری زمانہ تک مفید ہوتا تھا۔ اور حضرت مولانا کی پابندیٔ شریعت اور رعایتِ آدابِ طریقت اور ادائے اعمال و عبادات مستفیدین و مستفیضین کے لئے ایک بہترین نمونہ پیش نظر رہتا تھا۔ غرض یہ کہ آپ ایک عالم، باعمل اور شیخ کامل تھے۔ نہایت متواضع، خندہ جبیں اور عارف بزرگ تھے۔ آپ نے کئی مفید رسالے تحریر فرمائے۔ اور ساری عمر درس و تدریس اور اصلاح و تربیت میں گذری۔ آخر ۹ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ بروز جمعۃ المبارک دیوبند میں رحلت فرمائی۔

آپ کی اولاد صالحہ میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند مشہور زمانہ علماء میں سے گزرے ہیں۔ جن کے حالات آگے آرہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔"

(ماخوذ میرے والد ماجدؒ از۔ مفتی محمد شفیع

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

آپ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ممتاز فضلاء اور دارالعلوم کے منتظمین میں سے ہیں آپ کا علم وفضل اور تقویٰ وطہارت ایک امر مسلّمہ کی حیثیت رکھتے ہیں آپ دیوبند میں پیدا ہوئے اور آپ کا شجرۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے ملتا ہے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ایک جیّد عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے بانئے دارالعلوم دیوبند میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ کے رفیق اور معاون تھے۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے حقیقی بھائی تھے، تعلیم وتربیت دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے زیر سایہ حاصل کی اور سند فراغ حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم مقرر ہوئے اس سے قبل آپ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں مولانا محمد احمد صاحب کی نیابت میں رکھے گئے تھے۔ آپ اپنی دانش وبینش اور فہم وفراست میں یگانۂ ہند تسلیم کئے جاتے تھے، آپ نے اپنے خداداد تدبر سے دارالعلوم دیوبند کے انتظامات کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر منظم کیا اور تقسیم کار کے ذریعے مخلوط امور کو شعبوں میں تقسیم کیا۔ اور دارالعلوم کو حقیقی معنی میں مرکزی حیثیت دی اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد احمد قاسمی کے دست راست اور ان کے چالیس سالہ دور اہتمام کی خدمات کے روح رواں نیابت

کی صورت میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ہی رہے ہیں آخر دم تک دارالعلوم دیوبند میں دینی، علمی اور تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیفی میدان میں ان کی مشہور و معروف تالیف "اشاعت اسلام" اُن کی وسعت معلومات اور تدقیق نظر کی کافی شہادت ہے، اس کے علاوہ "اسلام میں مشورہ کی اہمیت" قرآنی آیات احادیث نبویؐ اور علماء و فقہاء کے اقوال کی روشنی میں مشورہ کی اہمیت اور فضیلت پر ایک مدلّل تالیف ہے آپ عربی زبان کے بہترین ادیب اور شاعر تھے، قصیدہ ولایت المعجزات اور متعدد قصائد آپ کے طبع ہو چکے ہیں۔ سلوک و تصوف کے منازل آپ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہٗ سے طے کئے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ آپ کا فیض علمی و روحانی بہت پھیلا اور بڑے بڑے علماء آپ کے فیض علمی سے سیراب و شاداب ہوئے آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا قاری محمد طیب قاسمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی فرماتے ہیں :- کہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم تھے حق تعالیٰ نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا، آپ کی دانش و تدبیر مشہور زمانہ تھی ادبیات کے ماہر تھے، عربی نظم و نثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے نظم و نسق نے آپ کے تدبر و دانش سے عظیم استفادہ کیا، آپ کی اسی دانش بینش اور عظیم علمی شخصیت کی بناء پر حکومتِ حیدر آباد دکن کا عہدۂ افتاء حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے بعد آپ ہی کو تفویض کیا گیا تھا، آپ کا حلم و تواضع، مروّت اور تحمل مشہور زمانہ تھا آپ حضرت گنگوہیؒ کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے نہایت پابند تھے، وفات کے

کے دن مجھ سے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میرا بارہ ہزار اسم ذات افسوس کہ آج پورا نہیں ہو سکا" شب بیدار اور ہمہ وقت مشغول کار رہتے تھے آپ کی مجلس پُر شکوہ اور مورث طمانیت ہوتی تھی، کئی عربی قصیدے اور کئی مفید ترین تصانیف آپ کا ترکہ ہے جو اُمّت کو ملا، ان میں "اشاعت اسلام" ایک معرکتہ الآرا تصنیف ہے جو بہت مقبول خواص عام ہے، حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ' جو آپ کے مشاہیر تلامذہ میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور آپ سے ایک خاص اُنس اور تعلق قائم تھا وہ اپنے مفصل تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا اسمِ گرامی ہمارے بزرگوں میں بہت نمایاں ہے، آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے اگرچہ انتظامی مصروفیت کی بنا پر آپ کا علمی اور عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہو سکا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے، آپ کو عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق تھا اور آپ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں، آج کل دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے۔ اور جب ہم لوگوں نے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی سرپرستی میں عربی نظم و نثر کی مشق کے لئے "نادیۃ الادب" قائم کی تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ اس میں بڑی دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے اور مجھے تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کی طرف متوجہ کرنے میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا بڑا حصہ ہے، مولانا کی عادت یہ تھی کہ وہ انتظامی کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود دارالعلوم کے طلباء پر خاص نظر رکھتے تھے اور جس طالب علم میں کوئی صلاحیت دیکھتے اس کی ہمت افزائی فرما کر اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش فرماتے، میں ابھی دارالعلوم میں پڑھتا ہی تھا کہ مولانا کی خاص

نظرِ عنایت مجھ پر مبذول ہوگئی، بارہا ایسا ہوا کہ جب میں امتحان گاہ میں بیٹھا ہوا پرچہ لکھ رہا تھا تو حضرت مولانا میرے ہاں تشریف لاکر میرے لکھے ہوئے جوابات دیکھتے اور بعض اوقات اتنے مسرور ہوتے کہ دوسرے اساتذہ کو جاکر اطلاع دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی اخبار یا رسالے میں کوئی مضمون شائع ہوا جس میں امّت کے کسی اجماعی مسئلے کے خلاف رائے ظاہر کی گئی تھی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے احقر کو حکم دیا کہ اس کا جواب لکھو، میں نے تعمیل حکم کی اور یہ میرا پہلا مضمون تھا میں نے جب یہ مضمون لکھ کر حضرت مہتمم صاحبؒ کو دکھایا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے اور اسی وقت مجھے حضرت علّامہ انور شاہ کشمیریؒ صاحب اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دوسرے اساتذہ کے پاس لے گئے اور ان کو میرا لکھا ہوا یہ مضمون دکھایا۔ وہ میرا پڑھنے کا زمانہ تھا اور میں نے پہلا مضمون لکھا تھا اس لئے اس میں یقیناً بہت سی خامیاں ہوں گی، لیکن حضرت مولانا نے جو معاملہ میرے ساتھ فرمایا، اس نے میری ایسی ہمت افزائی کی کہ تحریری کام کا ایک شوق پیدا ہوگیا، اس کے بعد "القاسم" کے نام سے دارالعلوم دیوبند کا جو رسالہ حضرت مولانا کی ادارت میں نکلتا تھا میں نے اس میں مضامین لکھنے شروع کردیئے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ حالات ایسے رہے کہ مجھے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے حضرت مولانا اس زمانہ میں مجھ سے کچھ شاکی رہے اس کے بعد جب میں نے دو تین رسالے لکھ کر انہیں دکھائے تو وہ کھل اٹھے اور فرمایا۔

"یہی تو وہ کام ہے جس میں تمہیں مشغول دیکھنا چاہتا ہوں"

اللہ تعالٰی نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے، دارالعلوم دیوبند پر سخت سے سخت وقت آئے بڑی بڑی شورشیں اٹھیں لیکن میں نے اس بندۂ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی اُن

کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا۔ انہوں نے دارالعلوم میں خلاف معمول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا اور اپنے حسنِ تدبیر سے مدرسے کو بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی جس کا ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مثالی ضبط و تحمل عطا فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند کی زمین سے متصل کسی دیوبند کے رئیس کی زمین تھی اس کا کچھ حصہ دارالعلوم کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ اس رئیس کے انتقال کے بعد اس کے ایک وارث نے ایک روز دارالعلوم کے صحن میں پہنچ کر اس زمین کے حق داری کا دعویٰ کیا اور حضرت مولانا کو خطاب کر کے بآوازِ بلند بہت برا بھلا کہنا شروع کیا، اس کا اندازِ گفتگو اس قدر اشتعال انگیز تھا۔ کہ مولانا کے بعض خدام کو بھی فطری طور پر اشتعال ہوا۔ اور انہوں نے بھی اس کو اسی کی زبان میں جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن مولانا نے اُن کو روکا اور ان صاحب سے فرمایا کہ: "شیخ صاحب، آپ فضول ناراض ہو گئے ذرا اندر تشریف لائیے، اطمینان سے بات کریں گے!"

مگر وہ صاحب بدستور غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہے۔ مولانا نے ان کو کچھ دیر بعد پھر فرمایا: "اندر چل کر بیٹھئے تو سہی، وہاں بات کریں گے"

اور پھر انہیں زبردستی دفتر اہتمام میں لے گئے۔ ان کی خاطر تواضع کی اور جب وہ ذرا ٹھنڈے ہو گئے تو مولانا اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے، ایک الماری کھولی۔ اس میں سے کچھ کاغذات لے کر آئے اور ان صاحب کے سامنے پھیلا دیئے۔ کہ دیکھئے یہ زمین آپ کے مورث نے فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس کی رجسٹری بھی ہو چکی ہے"۔

ان صاحب نے کاغذات دیکھے تو بے حد شرمندہ ہوئے اور مولانا نے جس صبر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا اس سے بے حد متاثر ہو کر گئے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کا کام بہت پھیل گیا تھا بہت سے شعبے قائم ہو چکے تھے اور سینکڑوں طلباء دارالاقامہ میں رہتے تھے اس لئے مولانا شب و روز انتظامی کاموں میں مصروف ہوتے تھے اس کے باوجود ان کی نوافل اور تلاوت وغیرہ کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ مرتبہ ذکر اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا۔"

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا کی جان تک کے دشمن ہو گئے، ان حالات میں بھی مولانا کی جان تک کے دشمن ہو گئے، ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا، آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں۔" لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا:"

"میں تو اس باپ یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔"

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ مفتی اعظم نمبر)

بہرحال آپ ایک جید ترین عالم، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر اور بہترین مدبر و منتظم تھے اور دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر استاذ اور مایہ ناز فاضل تھے ساری زندگی درس تدریس اور دارالعلوم کی خدمت میں مصروف رہے اور ۱۹۳۰ء میں رحلت فرمائی حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

انہیں کے نقش قدم پر ہوا ہے خدا جینا!

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا!

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ مسعود نروری کشمیریؒ سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ملتان آئے لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا ہے جو آگے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے عالم ربانی، زاہد، عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال بمقام دودھواں علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحبؒ سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور ابھی آپ کی عمر ۱۳۔۱۴ سال کی تھی۔ ۱۳۰۵ھ میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی، حضرت علامہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات کے مصداق بچپن ہی میں بے حد ذہین، ذکی اور فطین تھے، تین سال تک آپ ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بھی بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں ہزارہ سے دیوبند آگئے، دیوبند میں آپ نے

چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت و یکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ و عملیہ و باطنیہ کا بدرجۂ اتم استفادہ کیا اور بیس اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت و عزّت کے ساتھ سند فراغ ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ رہا ہے ان میں سے یہ چند حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا محمد اسحاق امرتسری مہاجر مدنیؒ اور مولانا غلام رسول ہزارویؒ۔

دیوبند سے فارغ ہو کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سندِ حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کئے اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور تین چار سال تک مدرسہ امینیہ کے مدرس اول رہے دہلی میں کئی سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوری کے باعث آپ کشمیر تشریف لے گئے اور ۱۳۲۳ھ میں آپ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں زیارت حرمین سے مشرف ہوگئے، سفر حجاز میں طرابلس، بصرہ اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزّت کی اور سب نے آپ کی خداداد و بے نظر لیاقت و استعداد دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔ جن میں آپ کا نام الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیریؒ لکھا گیا ہے۔ سفر حجاز سے واپس آکر خواجگان قصبہ بارہ موسلے و کشمیر کا ایک مشہور مقام خصوصاً خواجہ عبدالصمد ککرو رئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے اسی قصبہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسہ دستار بندی میں مدعو کیا گیا اور آپ دیوبند تشریف لے گئے، دارالعلوم دیوبند میں آپ نے استفادۂ علوم و فنون کیا تھا اور وہیں سے سندِ فراغ حاصل کی تھی اب اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوگئے سنن ابوداؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال تک بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے۔ چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا لیکن دارالعلوم کی طرف سے شدید

تقاضا ہؤا اس لئے آپ جلد ہی واپس تشریف لے آئے اور اطمینان کے ساتھ دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول ہو گئے آپ دارالعلوم سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے آخر مولانا حافظ محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اصرار کر کے اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں اور یہ صورت دس برس تک قائم رہی، مولانا محمد احمد قاسمیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ یہ تمام حضرات مل کر کھانا کھاتے اور عجیب علمی اور تحقیقی باتیں ہوتی رہتیں۔ نکاح اور اولاد ہونے کے بعد احباب کو موقع ملا کہ شاہ صاحب کو دارالعلوم سے کچھ مشاہرہ دلوائیں چنانچہ کافی اصرار پر آپ راضی ہوئے۔

اسی دوران شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے حجاز مقدس کا قصد فرمایا تو ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علامہ کشمیریؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس سنبھال لیا، شاہ صاحب کے درس میں بعض ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں نہیں تھیں، بہرحال ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے، اس کے بعد بعض منتظمین سے اختلاف ہؤا تو دارالعلوم سے قطع تعلق فرما کر آپ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سراج احمد دیوبندیؒ اور سید بدر عالم میرٹھی اور دیگر علماء بہت سے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک جامعہ میں درس حدیث رہا اور ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و عملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران و اعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی تھی وہ آپ کی جامعیت و تبحر علمی ہے

علوم عقلیہ و شرعیہ میں سے ایک بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ علماء و متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ نقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس ارشاد سے آپ کی جامع شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ:۔

میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کسی قسم کی بھی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔ (حیات انوار)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے علامہ کشمیری کی وفات پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک جلسہ میں فرمایا:۔ مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور شیخ عزالدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔ ورنہ اگر علامہ انور شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد اوراق تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور شیخ عزالدین کا انتقال آج ہوا ہے (حیات النور)

مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ "واقعی حضرت شاہ صاحبؒ آیت من آیات اللہ تھے"۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا: کہ میں نے ہندوستان حجاز، عراق، مصر اور شام کے علماء و فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم نقلیہ و عقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔ مصر کے ممتاز عالم دین علامہ سید رشید رضا نے دیوبند میں ایک مرتبہ فرمایا خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔" (حیات النور)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے :۔ کہ

صحابہؓ کرام کا قافلہ جارہا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ پیچھے رہ گئے تھے ۔"

آپ کی ذہانت قوتِ حافظہ کے سلسلہ میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی یہ تحقیق قابلِ ذکر ہے کہ مجموعی طور سے حضرت شاہ صاحبؒ کو کم سے کم چالیس پچاس ہزار عربی کے اشعار یاد تھے ۔"

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا اپنے زمانہ کے امام زہریؒ تھے ۔"

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم فرمایا کرتے تھے :۔ کہ

"اسلام کی اِدھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے ۔"

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے بہر حال آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور علمی اشغال میں غیر معمولی انہماک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباع سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر کی کوتاہی نہیں ہوتی تھی ، ملنے والے بہت سی سنتوں کو شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے ، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے ۔ زہد و تقویٰ حضرت ممدوح کے

کے روشن اور کھلے ہوئے چہرے پر برستا تھا ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر آپ کا سرخ و سفید رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی عظمت و وجاہت دیکھ کر کہا تھا کہ "اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے"۔

جمعہ کے لئے جاتے تو خاصہ والی ذکر اللہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ حسبنا اللہ تکیہ کلام تھا، اُٹھتے بیٹھتے اکثر و بیشتر حسبنا اللہ فرماتے اور ایسے ہی موقعہ بموقعہ اللہ اجل فرماتے رہتے تھے، درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی، جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے، انشاء و قصائد اور وعظ میں خوف و خشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے جس سے چہرہ مظہر خشیت الٰہی نظر آتا تھا۔ اور سامعین کی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں، ٹھیک طریقۂ نبوی کے مطابق کن انکھیوں سے دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے پورے متوجہ ہوتے تھے باوجود تبحر علمی کے ادب شیوخ و اکابر کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کبھی آنکھ اُٹھا کر یا ملا کر گفتگو نہ فرماتے شاہ صاحب اپنے باطنی کمالات کو ہمیشہ چھپائے رکھتے تھے اور یہی بات ہے کہ علمی کمالات حضرت کے ساتھ ایسے خیرہ کن تھے اور علم کا حضرت شاہ صاحب پر ایسا غلبہ تھا کہ مجسمۂ علم معلوم ہوتے۔ لیکن قرآن پاک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء آپ صحیح معنوں میں خدا ترس انسان تھے، مگر علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات زندگی اس کے بالکل نیچے دبے ہوئے تھے چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو بھی جس کو سلوک و تصوّف سے تعبیر کرنا چاہیئے اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ یقیناً آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے مجاز تھے لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔

حضرت علامہ اپنی جلالت قدر اور رفع منزلت کے باوجود اکابر دیوبند کے متعلق

کیا خیال رکھتے تھے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے :۔ایک دفعہ فرمایا ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا اس کے بعد حضرت شیخ الہند اور حضرت رائپوری کے یہاں دیکھا۔ اور اب جو دیکھنا ہے تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں دیکھئے ۔ اندازہ کیجئے جن حضرات کی تعریف و توصیف علامہ انور شاہ جیسے محدث و فقیہہ کی زبان سے ہو رہی ہو ان کا مقام کتنا بلند ہوگا اس کا ہم جیسے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے ۔حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری فرماتے ہیں :۔کہ

میں ایک دفعہ سنہری مسجد مدرسہ امینیہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب ایک حجرے میں دروازہ بند کئے ذکر و ضرب جہر کے ساتھ کر رہے ہیں ، اللہ، اللہ، اللہ، اللہ دیر تک اسم ذات کرتے رہے جس وقت شاہ صاحب بازار نکلتے تو سر پہ رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر کے نکلتے مبادا کسی عورت پر نظر پڑ جائے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اخلاق و شمائل کتب احادیث میں روایت کئے گئے ہیں ان میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپؐ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے گویا بلا ضرورت بولتے ہی نہ تھے حضرت شاہ صاحب اس عادت مبارکہ کا کامل نمونہ تھے ۔معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف علمی و دینی استفادہ و افادہ کے لئے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لئے زبان دی گئی ہے ۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ ذکر فرماتے ہیں کہ مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی مگر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ، یہی حال حضرت شاہ صاحبؒ کا تھا ۔حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :۔ شاہ صاحب کے نور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی دیکھتا وہ اوّل

نظر میں یقین کر لیتا کہ یہ خدا کا کوئی نیک بندہ ہے شاہ صاحب اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی اجنبی مجلس میں داخل ہوتا تو دیکھتے ہی سمجھ لیتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے بڑا عالم اور متقی یہی شخص ہے۔

مردِ حق کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کی تربیت سے ایسے متبحر عالم اور عظیم محدّث، مفسر، فقیہ، ادیب، خطیب، مؤرخ، شاعر، مصنف اور عارف پیدا ہوئے کہ جن کی نظیر کم از کم اس پورے برصغیر میں ملنا مشکل ہے دارالعلوم کے تقریباً اٹھارہ سالہ قیام میں کم از کم دو ہزار طلباء شاہ صاحب سے بلا واسطہ مستفید ہوئے۔ ان کی مکمل فہرست کے لئے بھی ایک دفتر درکار ہے۔ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو گوشۂ گمنامی میں دین کی خدمت میں مصروف رہے اور وہ بھی ہیں جو علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں جن میں چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شاہ عبدالقادر رائپوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں آپ نے دینی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ چند مایہ ناز تصانیف یہ ہیں۔ خاتم النبیین، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب وغیرہ ان کتابوں کے علاوہ حضرت علامہ کی وہ تقریریں جو درس کے وقت املاء کراتے تھے اور جن کو اجلہ تلامذہ نے تحریر کیا ہے۔ ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری شرح بخاری

کے نام سے مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے تحریر کی ہے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے مسلم شریف کی املائی شرح منضبط کردہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور حاشیہ سنن ابی داود منضبط کردہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ غیر مطبوعہ ہیں اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری شاہ صاحب کے افادات ۲۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہو رہے ہیں، مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے آپ کی حیات طیبہ پر ایک کتاب بنام نفحۃ العنبر عربی میں لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے آپ کے اخلاف رشید میں مولانا محمد انظر شاہ کشمیری اور مولانا محمد ازہر شاہ کشمیری زیادہ معروف ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں اُستاذ ہیں۔ اور دونوں فاضل عالم محقق اور مصنف ہیں۔ دوسری دینی خدمات کے علاوہ آپ کی تحریک ختم نبوتؐ میں خدمات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بہر حال آپ کی کس کس خوبی اور خدمت دین کا ذکر کیا جائے۔ حق تعالےٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

● تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات و مناقشات خود رائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی راہوں اور غرضوں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بلند معیار مانتے ہوئے اس کے تابع کردیں اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے

(شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آسمان شریعتِ اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے، آپ ایک بہت بڑے محدّث، جلیل القدر مفسّر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہہ، بہترین مقرّر، اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے آپ کی ذات گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی اور آپ کی تمام زندگی خدمتِ اسلام، خدمتِ مسلمین اور خدمت ملک و ملّت میں گزری، آپ کے قلم اور زبان سے شریعت کے اسرار آشکار ہوئے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔

مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسے وقت دنیا میں بھیجتا ہے جب امّت میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان ہی لوگوں میں سے ایک تھے حضرت علامہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علماء زماں، محقق دوراں اور دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے ان کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، عجیب و غریب حافظہ، عجیب و غریب تبحّر کمالاتِ عملیہ ایسے نمایاں اوصاف ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج انکار نہیں کر سکتا (تجلیاتِ عثمانیؒ)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:-

علامہ عثمانی اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر مقرر، محدث و مفسر اور محقق تھے حلقۂ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید اب تک میسر نہ ہوا ہو گا جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم و کمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں وہ تحریر و تقریر میں اپنے وقت کے امام تھے۔" (انوار عثمانی)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ :۔
مولانا عثمانی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، پاکباز محدث، بہترین مفسر، اور خوش بیان مقرر تھے ان کی تقریر کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن تھا۔"
اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ :۔ جماعت علماء میں حضرت علامہ عثمانی نہ صرف ایک بہترین عالم ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے، آپ کا فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دار العلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور درسوں میں آپ کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے، علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی، علمی لائنوں میں آپ کا درس و تدریس اور مختلف مدارس عربیہ مدرسہ فتحپوری دہلی، دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزار ہا طلباء کو یکے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا ہے، تصنیفی لائنوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی۔ جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ سیاسی لائنوں میں

آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدر آباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانے کی سعئ جمیل فرمائی جب کہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرے میں تھے۔ آزادئ وطن کی حقیقت سے لاکھوں باشندگان کو آگاہ کیا اور آزادی ملک کی جدو جہد میں آپ نے کافی حصہ لیا اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادئ وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنا لیا اور کراچی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی سیاسی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کا ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا اور یہاں کی گورنمنٹ کے ہائی کمان میں آپ کی عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی، آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مذہبی قانون کمیٹی کے صدر تھے بلاشبہ حکومت پاکستان نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات کا جو معاملہ کیا وہ ایک قدر شناس حکومت کو اپنے مخلص خیر خواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے تھا" (انوار عثمانی ص۲۷)

علامہ عثمانی ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے، آپ کی ولادت ضلع بنور میں ہوئی جہاں ان دنوں حضرت علامہ کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰن عثمانی سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے، مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے بڑے فاضل اور اردو فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے اور حضرت علامہ عثمانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بنائے ہوئے دار العلوم دیوبند میں رفیق تھے۔

حضرت علامہ عثمانی دار العلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان کے صحیح علمی و سیاسی جانشین تھے۔

۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے، دورۂ حدیث میں تمام طلباء

سے فرسٹ آئے، ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی لیکن آخر وقت تک اولاد سے قطعاً محروم رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجہ کے اساتذہ میں سے تھے لیکن ساری زندگی فی سبیل اللہ پڑھاتے رہے، متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی، تمام علوم معقولہ اور منقولہ، منطق و فلسفہ ریاضی، فقہ، حدیث اور تفسیر میں مہارت رکھتے تھے، عہد طالبعلمی ہی میں جو کتاب پڑھتے دوسرے ہمدرسوں کو پڑھاتے، طلبا کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے مدّت تک دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے، ۱۳۳۸ھ میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ اور ۱۳۴۴ھ میں شاہ حجاز کی دعوت پر جمعیّت علمائے ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعودؒ اور دوسرے علمائے ممالک سے علمی، فقہی مکالمے اور مباحثے کئے ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث پڑھاتے رہے۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پرنسپل اور صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی اور ہزاروں تشنگانِ علوم آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔ اور پھر خود بھی جو بڑے محدّث، مفسّر، فقیہ اور شیخ وقت ثابت ہوئے، آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا قاری محمد طیّب قاسمی، مولانا اطہر علی سلہٹی، مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کی ساری عمر دینِ اسلام کی خدمت میں گزری، آپ کی تصانیف میں سے قرآنِ

کریم کی تفسیر عثمانی اور مسلم شریف کی شرح فتح الملہم زبردست علمی شاہکار ہیں آپ کی تفسیر کے متعلق امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ :۔

علامہ عثمانی نے تفسیر قرآن کریم لکھ کر دنیائے اسلام پر عظیم احسان کیا ہے ۔"

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی ۔" اس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کی روح کارفرما ہے ۔"

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"مولانا عثمانی نے بہت سی ضخیم ضخیم کتابوں کو مختصر کر کے سمندروں کو کوزے میں بند کر کے بھر دیا ہے ۔ اس تفسیر کے علاوہ شرح مسلم شریف ، اعجاز القرآن ، اسلام کے بنیادی عقائد، العقل والنقل فضل الباری شرح صحیح بخاری، الشہاب اور مجموعہ رسائل ثلاثہ آپ کے علمی شاہکار ہیں ۔"

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت علامہ عثمانی کے تصنیفی و علمی کارناموں اور کمال علمی کا نمونہ اردو زبان میں اُن کی تفسیر قرآن کریم ہے ۔"

اور مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں کہ :۔

"علامہ عثمانی ان علماء کرام میں سے تھے جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر بالغانہ نظر رکھتے تھے جن میں شاہ عبد العزیز دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے بعد قرآن دانی اور قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی ۔" (ماخوذ تجلیات عثمانی)

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی، ملی اور ملکی خدمات کا آغاز جنگ بلقان سے ہوا، پھر آپ نے تحریک خلافت میں زبردست حصہ لیا آپ جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے زبردست رکن تھے، ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اس میں شریک رہے پھر آپ نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو تقویت بخشی اور تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل ایک جماعت "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر آپ منتخب ہوئے اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی کو مقرر کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کے بعد پاکستان کا وجود ان دونوں حضرات کا مرہون منت ہے اور اگر یہ حضرات مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سواد اعظم کی رہبری نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کے رخ کو موڑنا اور نظریہ پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا۔ علامہ عثمانی نے اس سلسلہ میں جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے ملک کے دورے کئے۔ اور سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھی اس کے علاوہ آپ نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں بھی نمایاں حصہ لیا پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باعث آپ نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قانون اسلامی کی تجویز قرارداد مقاصد کے نام سے پاس کرائی، غرضیکہ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائداعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی دینی خدمات ہیں، اس لئے پاکستان کو دونوں رہنماؤں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہیئے، پاکستان کی یہ کوشش اور جدوجہد اور یہ تگ و دو محض اس مقصد کے لئے کی گئی تھی کہ اس خطۂ زمین میں پاکستانی مسلمان قرآن و سنت کے قوانین نافذ کریں گے اور اپنی تہذیب اپنی ثقافت اپنے علوم و فنون اور اپنی زبان اردو کو فروغ دینے کے لئے کسی کے تابع اور محتاج نہیں رہیں گے۔ علامہ

عثمانی کے اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لئے علماء دیوبند نے بڑی قربانیاں دی ہیں اور علامہ عثمانیؒ نے صرف عظیم مقصد کی خاطر اپنی زندگی کے آخری سال قربان کیئے۔ آپ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ پاکستان میں اسلامی احکام اور قوانین کا اجراء اپنی آنکھوں سے دیکھوں مگر قدرت نے جس سے جتنا کام لینا مقرر کیا ہے اسی قدر اس سے کام لے کر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کرتی ہے قائد اعظم کی زندگی کا مشن پاکستان کا وجود تھا اور حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زندگی کا مطمع نظر قدرت کے نزدیک قرار داد مقاصد کی تجویز کا پاس کرانا تھا کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنّت پر رکھا جائے، بہر حال حضرت علامہ عثمانی کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بقول حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کہ :-

"علامہ عثمانیؒ اس دور کے رازیؒ اور غزالیؒ تھے ۔"

الغرض پاکستان بننے پر ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۸؍ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی دوپہر کو دیوبند سے افتتاح پاکستان کی تقریب میں حصّہ لینے کے لئے کراچی تشریف لائے اور ۱۴؍ اگست کو کراچی میں جشن آزادی میں شرکت فرمائی اور اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا اور مستقل یہیں مقیم ہو گئے، ۸؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کی شب کو بخار ہوا، صبح طبیعت ٹھیک ہو گئی ۸؍ بجے صبح پھر سینہ میں تکلیف ہوئی اور سانس میں رکاوٹ ہونے لگی اور بالآخر ۱۳؍ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱؍ صفر ۱۳۶۹ھ کو گیارہ بج کر چالیس منٹ پر بروز منگل ۶۴ سال کی عمر میں یہ آفتاب علم و عمل ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ خبر بجلی کی طرح سارے عالم اسلام میں پھیل گئی اور دنیا بھر میں ایک کہرام مچ گیا، سرکاری دفاتر اور کاروباری ادارے بند کر دیئے گئے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین اور وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اپنے دورے منسوخ کر دیئے، عوام و خواص اور ممالک اسلامیہ

میں گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا، میت بغداد الجدید بہاولپور سے کراچی پہنچائی گئی۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے آپ کو غسل دیا اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ دو لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور آپ کا جسد خاکی اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی میں سپرد خاک کیا گیا، آپ کے برابر علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مزار ہے۔ آپ کی رحلت تمام عالم اسلام کے لیئے سانحۂ عظیم تھی اسی لیئے مشاہیر علماء کرام نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ:۔

"حضرت علامہ عثمانیؒ کا یکایک ہم سے جدا ہو جانا ایک ایسا صبر آزما سانحہ ہے جس میں چشم ماتم گسار خدا جانے کب تک اشک بار رہے گی، علماء کرام کی صف میں علامہ عثمانی اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو درکنار تمام روئے زمین میں بھی آپ کے پائے کی کوئی ہستی نہ تھی۔"

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:۔

"موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جُدا کر دیا جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں:۔کہ

"علامہ عثمانی کی ذات ہمارے لیئے ایک نعمتِ عظمہ تھی۔"

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ

آپ کی تاریخ ولادت باسعادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ہے آبائی وطن موضع الہداد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے، آپ بانگرمئو ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے اس زمانے میں آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب بانگرمئو میں مدرس تھے آپ کا تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ آپ حسینی سید ہیں اور والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے خلیفۂ خاص تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کی زیر نگرانی ہوئی آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پانچ پارے قرآن شریف کے پڑھے۔ اور بقیہ پارے والد صاحب سے پڑھے، جب آپ کی عمر شریف ۱۲ سال ہوئی تو آپ ۱۳۰۹ھ میں دیوبند تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحبؒ اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی زیر نگرانی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پاتے رہے۔ باوجودیکہ حضرت شیخ الہندؒ دورۂ حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے لیکن آپ کو ہونہار پاکر ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں۔ اور توجہات خصوصیہ سے نوازا۔ آثار سعادت اور جذبۂ خدمت آپ میں پہلے ہی سے موجود تھا اس پر حضرت شیخ الہند کی توجہات نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا لہٰذا ۱۷ فنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے درو دیوار کو منور کرنے لگے ہر ایک استاذ کی نظر شفقت آپ پر پڑنے لگی اساتذہ غایت شفقت اور محبت کی وجہ سے و نیز کم عمر ہونے کے باعث

آپ کو مستورات منشی کہہ کر پکارا کرتے تھے، اساتذہ کی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ نے کبھی عار محسوس نہیں کیا۔

ایک مرتبہ شیخ الہندؒ کے یہاں سے کسی نے بھنگی کی فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرا دو، بھنگی نہیں ملا۔ مگر نالی صاف ہو کر دھل بھی گئی معلوم ہوا کہ اس نالی کا کیچڑ حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا۔"

اسی طرح ایک دفعہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں بہت زیادہ مہمان آ گئے تھے، بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا لہٰذا دن بھر کی گندگی سے پُر ہو جاتا تھا لیکن تعجب تھا کہ روزانہ صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دن اس راز کو معلوم کرنا چاہا تو دیکھا گیا کہ رات کے دو بجے آپ ٹوکرا لے کر پاخانہ میں داخل ہوئے اور پاخانہ ٹوکرے میں بھر کر جنگل کا رُخ کیا، سبحان اللہ یہ تھی تواضع اور خاکساری جس نے آپ کو فنائیت کے درجہ پر پہنچایا ہوا تھا۔"

بہر حال جب آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو آپ کی چند خارج از درس طب ادب ہیئت میں کتابیں باقی رہ گئی تھیں کہ آپ کے والد ماجد نے عزم ہجرت کیا تو آپ بھی معہ والدین و برادران وغیرہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے اور ادبیات میں باقی کتابیں مدینہ منورہ کے معمر اور مشہور ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہؒ سے پڑھیں۔ آپ کو حدیث میں علاوہ حضرت شیخ الہندؒ کے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ، مولانا شیخ حسب اللہ شافعی المکی اور مولانا سید احمد برزنجی سے بھی حاصل کیا ہے۔

جس وقت آپ کے اُستاذِ مکرم حضرت شیخ الہندؒ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کر رہے تھے تو راستہ میں ارشاد فرمایا کہ:-

"پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے ایک دو ہی طالبعلم ہوں۔"

چنانچہ آپ نے اپنے اُستاذ کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے، مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی، ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہا دیئے اور مرکزِ علم مدینہ منورہ میں وہ خصوصیت حاصل کی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالکِ غیر میں بھی شیخ حرم نبوی مشہور ہو گئے اور عرصہ دراز تک حرم نبوی میں پڑھانے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس میں شرکت فرمائی۔ اور ارباب اہتمام و شوریٰ نے آپ کو معقول تنخواہ پر دارالعلوم دیوبند میں مدرس رکھ لیا۔ اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا کے زمانہ تک برابر درس و تدریس میں مشغول رہے، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے کچھ دنوں امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں بھی تعلیم دی ہے۔ پھر وہاں سے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی خدمت میں بلا لیا کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے، ۱۳۳۹ھ میں جب حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہوا تو چند دنوں کے لئے دیوبند تشریف لے گئے اور پھر کلکتہ جاکر پڑھانے لگے اس کے بعد کراچی کے مشہور مقدمہ تک آپ کلکتہ میں رہے بعد میں آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری و جیل علیحدہ ہو گئے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک تقریباً چھ سال بنگال رہے اور پھر سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آخری دم یعنی ۱۳۷۷ھ تک پڑھاتے رہے اس ۲۱ سالہ زمانہ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

سلوک و تصوف میں بھی آپ کامل شیخ تھے، ۱۳۱۶ھ میں آپ آستانہ عالیہ رشیدیہ گنگوہ شریف حاضر ہوئے اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہٗ سے

بیعت ہوئے اس وقت آپ کا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا تھا اس وجہ سے حضرت گنگوہیؒ قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"میں نے تو تمہیں بعیت کر لیا ہے اب تم مکہ معظمہ جا رہے ہو وہاں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ موجود ہیں ان سے عرض کرنا وہ تمہیں ذکر کی تلقین فرما دیں گے۔"

غرضیکہ آپ مکہ معظمہ پہنچ کر بارگاہ امدادیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا! حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بعیت تو کر لیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرت سے کر لینا۔"

اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو تلقینِ ذکر فرمائی اور فرمایا کہ صبح آکر یہاں بیٹھا کرو اس ذکر کو کرتے رہو۔" ان توجہات باطنیہ کے ساتھ آپ کی تربیت روحانی ہوتی رہی اور جب آپ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، اس کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ دراز تک حرم نبویؐ میں نبوت محمدیہؐ کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رویائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔ ۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہیؒ کا والا نامہ برائے طلبی مدینہ منورہ پہنچا اور آپ حسب الارشاد آستانہ عالیہ گنگوہ حاضر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد بارگاہِ رشیدیہ سے آپ کو اجازت بعیت حاصل ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ نے دستارِ خلافت اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر باندھی اور اس طرح آپ کمالات رشیدیہ و امدادیہ کے مجمع البحرین ہو گئے۔ بہر حال آپ کمالات علمیہ اور روحانیہ میں اپنی نظیر اور مثیل نہیں رکھتے تھے اور اس کا اندازہ حضرت شیخ الہندؒ کے اس ملفوظ گرامی سے ہو سکتا ہے جس کو حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے :- کہ

"مولانا حسین احمد صاحبؒ جو اس زمانہ میں ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شُد کے صحیح مصداق ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ سفر و حضر میں خدمت کر کے آپ حضرت شیخ الہندؒ کو راحت پہنچاتے رہتے تھے ایک دن حسب عادت پاؤں دبانے لگے اس خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی اور دوسرا پاؤں دبانا شروع کیا اور ہنس کر میں نے مولانا حسین احمد صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے اس پر حضرت شیخ الہند نے فرمایا بھائی تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے۔" (حیات شیخ الاسلام ص ۱۹۸)

ان بزرگانہ توجہات کے باعث آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے عارف و محدث کو بھی لکھنا پڑا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تمام تلامذہ میں یہ خصوصیت اور کمال کسی کو حاصل نہیں تھا جو حضرت مدنی کو حاصل تھا۔" مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مدنیؒ اس زمانے میں اولیاء اللہ کے امام تھے۔"

الغرض تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیات کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہ تھے اور بڑی تندہی سے سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیتے رہے، جمعیت علمائے ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا۔ اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور بالآخر ملک کو آزاد کرا لیا۔ اور تمام عمر آزادی ہند کی خاطر اپنی جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کانگریس میں شریک ہو کر ملکی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگا دی، جیلوں میں سختیاں جھیلیں اور فرنگی تشدد ان کے پائے استقلال کو ذرا بھی لغزش میں نہ لا سکا اور ہمیشہ فرنگی حکومت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے رہے ان کا نظریہ یہ تھا کہ پہلے ہندو اور مسلمان دونوں مل کر ہندوستان کو آزاد کرائیں اور پھر مسلمان ممالک کو ہندوستان کو زیر نگین لانے کی دعوت دیں۔ آپ کے کارناموں میں زبردست کارنامہ وہ ہے جو ۱۹۴۷ء میں انھوں نے اسوقت انجام دیا جبکہ بھارت میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا اور چاروں طرف ہندو اور

سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل سے ہاتھ رنگین کرکے سرزمین ہند کو لالہ زار بنا دیا تھا۔ اس وقت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پہ رکھ کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی خاطر دہلی، سہارنپور، مراد آباد اور میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا آپ کے سر تھا اور پاکستان کی قیادت کا سہرا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سر تھا یہ دونوں حضرات ایک ہی مادر علمی کے فرزند تھے اور ایک ہی مکتب فکر کے سربلند عالم تھے اور دونوں ایک ہی استاذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے۔ مگر ایک نے اپنے غور و فکر اور علمی اجتہاد سے کانگریس کا ساتھ دیا اور دوسرے نے مسلم لیگ کے ساتھ رہنا اپنے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا۔ اللہ تعالےٰ ان حضرات کی قبروں پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے اور ہمیں ان کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی سے بچائے۔ آمین۔

الحاصل آپ ساری زندگی ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہے اور بالآخر اکابرین دیوبند کی اس عظیم نشانی نے ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے وصال کی خبر ہوا کی طرح پھیل گئی اور دور دور سے ہزاروں اشخاص نماز جنازہ میں شرکت کیلئے آئے اور نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ نے پڑھائی، آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد اسعد مدنی آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ جو اس وقت جمعیت علماء ہند کے صدر ہیں اور ہندوستان میں ملک و ملت کی خدمات میں مصروف ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کے نقش قدم پہ چلائے آمین۔

●

(تفصیلی حالات اُن کی خود نوشت سوانح "نقش حیات" میں ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا محمدؒ الیاس کاندھلویؒ

آپ ۱۳۰۳ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو پی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل اُس زمانے میں دہلی کے نواحی بستی نظام الدین میں رہتے تھے. مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ کے خاندان میں عرصۂ دراز سے علم و فضل کی دولت چلی آتی تھی اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں نہایت حریص تھے. شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگردِ رشید اور مشہور عالم مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے خاندان سے قرابتداری تھی مولوی محمد اسماعیل صاحب حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم تھے اور ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب آزادی کے بعد سے بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے گھرانے میں ان بچوں کی تعلیم و تربیت پر مقرر تھے، مولوی صاحبؒ نہایت عابد و زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے ذکر و عبادت ان کا مشغلہ اور کلام الٰہی کی تعلیم و تدریس اُن کا مقصدِ حیات تھا، مخلوق خدا کی ہر طرح خدمت کرنے میں انھیں لطف ملتا تھا، تواضع انکساری کا پیکر تھے. انھیں قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے خاص تعلقِ خاطر تھا، مولوی صاحب کی مساعی جمیلہ ہی سے ابتداءً میوات کے علاقے میں دین حق کی تبلیغ ہوئی ہے، اُن کے فرزندار جمند مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور بعد ازاں ان کے بیٹے مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عروج کمال پر پہنچا دیا۔

مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ نے حفظ قرآن کی دولت اپنے والد ماجد سے پائی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی اپنے والد سے پڑھیں پھر اُن کے بڑے بھائی

مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ انہیں اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے، یہ قصبہ اُس زمانے میں علماء و صلحاء کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی ذات عالی صفات کے سبب رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ گنگوہ میں آٹھ نو برس رہے یہاں ان کی بہترین تربیت اخلاقی اور دینی تعلیم ہوئی، مولانا گنگوہیؒ سے آپ کو بیعت کا شرف بھی حاصل ہُوا، پھر ۱۳۲۶ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے، ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی، اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حدیث پڑھتے رہے، حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے سلوک کی تکمیل کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہو گئے ۱۳۳۴ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اگلے برس ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا دہلی میں انتقال ہُوا اور آپ بستی نظام الدین میں مستقل قیام کے لئے دہلی آ گئے، یہاں ایک چھوٹی سی پختہ مسجد، ایک کچا مکان اور ایک حجرہ تھا درگاہ نظام الدین اولیاء کے جنوب میں ایک مختصر سی آبادی تھی، چند میواتی اور غیر میواتی طالبعلم آپ سے پڑھا کرتے آپ توکل علی اللہ سارے کام انجام دیتے رہے، کبھی کبھی فاقوں کی نوبت بھی آئی مگر پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی، جنگل میں جاتے اور گولر کھا کر پیٹ بھر لیتے، طلباء کو چھوٹے بڑے اسباق نہایت کاوش سے پڑھاتے حدیث کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا مگر مدرسے سے زیادہ آپ کا عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک کا شروع کرنا ہے اس کا آغاز میوات سے ہوا یہاں کے لوگ محض نام کے مسلمان تھے ورنہ معاشرت اور تہذیب ہندوؤں کی سی تھی، مولانا نے شب و روز محنت سے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کئے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تبلیغ کا کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا۔ دوسرے حج سے واپس آ کر مولانا محمد الیاسؒ نے عمومی دعوت و تبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کئے، مولانا نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اوّلین اصول و ارکان یعنی کلمۂ توحید

اور نماز کی تبلیغ کریں، پھر انھوں نے جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجنی شروع کیں، چند برس کے اندر اندر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دُور دُور تک تبلیغی جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاح و تبلیغ کا کام ہونے لگا مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ :۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول دعوت کے ذریعے پچیس برس کی انتھک محنت میں میواتیوں کو ان خالص اور مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا ہے۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ ہیں :۔

"میوات میں دینداری کے اثرات ظاہر ہونے لگے، دین کی رغبت پیدا ہوگئی جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدرسے قائم ہو گئے، حفاظ قرآن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی، ہندوانہ لباس اور وضع سے نفرت ہو گئی، سود خوری جاتی رہی، شراب نوشی ختم ہوگئی، قتل و غارت کی وارداتیں کم ہوگئیں بداخلاقیوں کا تناسب گھٹ گیا۔ بدعات و رسوم اور فسق و فجور کی باتیں اور عادتیں خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔"

غرض مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی توجہ، دلسوزی، انہماک، ایثار اور لگن سے یہ تحریک چلائی اتنی ہی تیزی اور وسعت سے اُسے مقبولیت نصیب ہوئی، مولانا کی زندگی بھر کی جد و جہد اور دعوت اور تحریک کی بنیاد اس امر واقعی کا ادراک تھا کہ مسلمانوں میں دین کی بُنیاد تزلزل پر ہے اور اصل کام اس کا استحکام ہے آپ کی ساری جد و جہد کا محور مرکز یہی خیال

تھا آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں میں ایمان و یقین روبہ تنزل ہیں، دین کی قدر دلوں سے اُٹھتی جا رہی ہے اور عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں لہذا اس وقت سب سے مقدم اور ضروری کام مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے اور یہ کہ دین سیکھے بغیر نہیں آتا اور دنیاوی چیزوں سے زیادہ اس کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں دین کی طلب پیدا کی جائے، اسلام کا کلمہ طیبہ ہی اللہ کی رسی کا وہ سرا ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے اس سرے کو پکڑ کر آپ اسے پورے دین کی طرف کھینچ سکتے ہیں، مسلمان جب اس کلمے کا اقرار کرتا ہے اُسے دین کی طرف سے آنے کا موقع باقی ہے اس کے بعد اُسے نماز کی طرف لایا جائے جو احکام میں سب سے عمومی اور سب سے مقدم ہے، نماز میں اللہ نے یہ قوت رکھی ہے کہ وہ سارے دین کی استعداد پیدا کر دیتی ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نزدیک اس عظیم کام کے لئے عالم اسلام میں ایک عمومی اور دائمی حرکت کی ضرورت ہے مسلمانوں نے جب سے جماعتی زندگی اور حرکت چھوڑی ہے اس وقت سے ان کا انحطاط شروع ہو گیا ہے اور وہ روحانی زوال اور اندرونی ضعف کا شکار ہو گئے ہیں"۔ بہر حال مولانا کی ساری زندگی اس تحریک کی نذر ہو گئی اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھ لیا اور آج پورے عالم اسلام میں یہ عظیم کام ہو رہا ہے۔

آپکے مقام کے اندازہ کیلئے یہی کافی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہؓ یاد آتے ہیں۔

(تذکرہ مشائخ دیوبند)

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور بہت ضعیف و کمزور تھے اور علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے آخر عمر تک انتھک کوششوں کے ذریعے جس دعوت کو لے کر اُٹھے تھے اس میں کامیاب ہوئے اور ہزاروں ایسے افراد پیدا کر دیئے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام آخرت

آگیا اور ۱۲، ۱۳ ر جولائی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب بیت تیج پچھلے پہر آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین فرزند ارجمند مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ اور سالار قافلہ منتخب ہوئے۔ اور آخر دم تک پورے انہماک اور محنت سے اپنے والد مکرم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت)

● "جس پر ذکر الٰہی کا غلبہ ہوجاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں اللہ تعالےٰ سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے وہ صرف اُن چیزوں سے بچتا ہے جو اہل دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔" (امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ)

● "علماء ہی ہیں جن کی ثبات و استقلال میں عالم کی نجات کا راز مضمر ہے اور وہی ہیں جن کی ذلت اور لغزش سے عالم تباہ ہوجاتا ہے۔" (فخر العلماء مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ)

● "دین کیا ہے؟ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے ان کا دھیان کرتے ہوئے اور اپنے نفس کو آمیزش سے بچتے ہوئے ان کی تعمیل میں لگے رہنا اور اللہ کے حکموں کی تلاش اور دھیان کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔" (رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ

آپ کا تاریخی نام مختار احمد عرفی نام میم شاہ اصل نام اصغر حسین اور نانا صاحب حضرت عبداللہ شاہ عرف منا شاہ صاحبؒ کا تجویز کردہ نام فرخ سیر ہے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۹۴ھ ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام محمد حسن شاہ صاحب ہے، خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی بسم اللہ آپ کے نانا میاں جی شاہ صاحبؒ نے کرائی، اور فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر مولانا محمد یٰسین صاحبؒ دیوبندی اور مولانا منظور احمد صاحبؒ سے فارسی کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۰ھ میں فارسی سے فارغ ہو کر دارالعلوم کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے، اور تکمیل درس نظامی کی، آپ کے مشہور اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ وغیرہم ہیں۔

۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر آپ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال چند ماہ تک دفتری کام کرتے رہے اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپ کو جونپور مدرسہ مسجد اٹالہ کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا اور وہاں ۱۳۲۷ھ تک برابر دینی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند کی طلبی پر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے اور درس و تدریس کے ساتھ ،، ماہنامہ القاسم ” کی ایڈیٹری بھی فرماتے رہے، اسباق میں پابندی اوقات آپ کی بلند پایہ خصوصیات میں سے ہے چنانچہ ۱۳۵۴ھ میں آپ کی

جوان العمر صاحبزادی کا انتقال ہوا اور آپ نے نہایت صبر و شکر کے ساتھ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھا اور نماز فجر پڑھ کر تجہیز و تکفین کا کام اپنے صاحبزادوں کے سپرد کر کے مدرسہ سبق پڑھانے کے لئے تشریف لائے اور حسب دستور وقت مقررہ تک سبق پڑھایا۔ اور سبق کے بعد طلباء سے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرائی اور جنازہ تیار ہونے پر شریک جنازہ ہو گئے اور جنازے کی نماز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھوائی۔

آپ بیعت حضرت شاہ عبد اللہ عرف میاں جی شاہ صاحبؒ سے ہیں منا شاہ صاحب آپ کے والد جناب سید محمود حسن صاحبؒ کے حقیقی ماموں ہیں اپنے زمانہ کے کاملین میں سے ہیں چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت دار العلوم دیوبند کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھنے کا مسئلہ آیا تو حضرت مولانا نانوتویؒ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی اینٹ وہ رکھے گا جس کے دل میں کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہ ہوا ہو اور فوراً ہی حضرت شاہ منا صاحبؒ کا نام پیش کر دیا، جس کو سب نے پسند کیا۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب کی دوسری روایت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ پر اس قدر استغراق رہتا تھا کہ عزیزوں کو شناخت بھی نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایک داماد اللہ بندہ تھے، جب وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آتے تو حضرت شاہ صاحبؒ دریافت کرتے کہ بھائی کون ہو؟

"آپ کے داماد فرماتے حضرت میں اللہ بندہ ہوں"

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے کہ:۔

"اللہ بندے تو سب ہی ہیں تم اپنا نام بتاؤ"۔

وہ کہتے: "حضرت میں آپ کا داماد ہوں میرا نام اللہ بندہ ہی ہے۔

اسی طرح تیسری روایت ایک اور ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے پیسوں کو مٹی کے لوٹے میں رکھا کرتے تھے بچے جو آپ کے پاس پڑھا کرتے تھے عرض کرتے حضرت!

لائیے۔ لوٹے کو دھوپ لگادیں کبھی پیسوں کو پھوئی لگ جائے چنانچہ اس میں سے کچھ پیسے نکال لیتے اور کہہ دیتے حضرت اتنے پیسے سوکھنے میں کم ہو گئے۔ بہرحال حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک کے منازل ان ہی بزرگ کی صحبت میں رہ کر طے کئے ہیں، اجازت بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کی جانب سے بھی ہے جس کو حضرت شاہ صاحب رح نے حضرت حاجی صاحب رح سے کہہ کر حاصل کیا تھا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں حضرت منے شاہ صاحب رح نے بھی اپنے وصال سے ایک دن قبل آپ کو اجازت و بیعت اور خلافت عنایت فرمائی، آپ نے اپنی حیات میں تین حج کئے ہیں پہلا حج ۱۳۲۰ھ میں دوسرا حج ۱۳۴۵ھ تیسرا حج ۱۳۵۰ میں ادا فرمایا لیکن اس شان سے کہ حتی الامکان اپنی آمد و روانگی کو صیغہ راز میں رکھتے تھے، تصانیف میں فتاویٰ محمدیہ، دست غیب، اذان و اقامت، حیات خضر، فقہ الحدیث، نیک بیبیاں اور حیات شیخ الہند، آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب رح کے لقب سے معروف تھے دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیاء کے استاذ تھے ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں افراد ہونگے، علوم قرآن و حدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں دیوبند میں آپ کا مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں ہر سال برسات کے مواقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی جس میں کافی روپیہ اور وقت خرچ ہوتا تھا ایک مرتبہ احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت، جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر ڈالیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور

ہمیشہ کے لئے اس محنت سے نجات ہو۔ یہ سُن کر پہلے تو فرمایا ۔ ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی ہے، ہم بوڑھے ہو گئے اِدھر دھیان ہی نہ آیا۔" پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے ۔ فرمایا کہ:-

میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے سب مکان پکے بنواؤں۔"

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی ، چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے، اسی طرح ایک مرتبہ میں ان کے گھر حاضر ہوا تو انہوں نے آموں سے تواضع کی جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو میں گٹھلیوں سے اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر پھینکنے کے لئے چلا، حضرت نے دیکھا تو پوچھا "یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے ہو، میں نے عرض کیا "۔ چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں "۔ ارشاد ہوا۔ " پھینکنے آتے ہیں یا نہیں "؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو"۔ فرمایا! " ہاں تم اس فن سے واقف نہیں لاؤ مجھے دو، خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کئے اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معیّن جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں ۔ احقر کے استفسار پر ارشاد ہوا :- کہ

"ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی مشکل ہی سے میسر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی

کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذادہی کا باعث میں بنوں گا اس لئے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلّے گزرتے ہیں یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھا لیتے ہیں یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہیں ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں" یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنے کی ہے کہ حضرت تو خود شاید ہی کوئی کبھی آم چکھتے ہوں" عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے اور محلّے کے غریب بچوں کو بُلا بُلا کر کھلاتے تھے۔ (نقوش و تاثرات)

بہرحال آپ اپنے وقت کے عظیم محدّث، فقیہ، اور عارف کامل تھے، اور ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں گزاری، اور ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۵ء کو آپ کا وصال ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

● :- میں اپنے احباب سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سنت کو خواہ وہ کتنی بھی چھوٹی سی ہو۔ معمولی نہ سمجھیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ (عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ)

حضرت مولانا مُفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شاہجہانپور یوپی کے محلہ زئی میں ۱۲۹۲ھ کو پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم شیخ عنایت اللہ صاحب نہایت شریف دیندار اور پرہیز گار بزرگ تھے، آپ نے پانچ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ صاحب کے مدرسہ شاہجہانپور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور اسی مدرسہ میں ناظرہ قرآن کریم ختم کیا اس کے بعد اردو، فارسی حافظ نسیم اللہ صاحب سے پڑھی پھر مولوی اعزاز حسن خان صاحب کے مدرسہ اعزازیہ میں داخل ہوئے، اور فارسی نصاب کی اعلیٰ ادبی کتاب سکندر نامہ اور عربی کی ابتدائی کُتب یہیں سے پڑھیں اس کے بعد آپ کے ایک اور استاد مولانا عبید الحق صاحب کے کہنے پر مدرسہ شاہی مرادآباد میں زیر تعلیم رہے، پھر ۱۳۱۲ھ میں آپ دار العلوم دیوبند میں داخل ہو گئے اور مولوی منفعت علی صاحبؒ مولانا غلام رسول صاحب، مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ سے تعلیم مکمل کی، آپ بلا کے ذہین تھے اور ہر امتحان میں اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوئے اور بائیس سال کی عمر میں ۱۳۱۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے سندِ فراغت تعلیم حاصل کی۔

دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے اُستاذ مولانا عبید الحق صاحب کے مدرسہ "عین العلم" میں مدرس مقرر ہوئے اور ناظم منتخب ہوئے اس مدرسہ کے زمانہ قیام میں آپ نے، فتنۂ قادیانیت، کی تردید میں ایک ماہوار رسالہ، "البرہان" جاری کیا جس کے آپ خود مدیر تھے اس مدرسہ میں تقریباً پانچ سال تک آپ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۱۵ھ کو مشہور چاندنی چوک میں جب مولانا امین الدین صاحب نے

اسلامی علوم کی ایک درسگاہ "مدرسہ امینیہ دہلی" کے نام سے قائم کی جس کے پہلے صدر مدرس علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے ۱۳۲۰ھ میں علامہ کشمیریؒ اپنے وطن چلے گئے تو صدر مدرس کی جگہ مولانا امین الدین صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو اپنے مدرسہ میں بلا لیا اور نظامت وغیرہ سب آپ کو سونپ دی، ۱۳۲۸ھ میں آپ نے ایک مجلس طلبہ و مدرسین کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے "انجمن اصلاح الکلام" کے نام سے قائم کی جس نے اصلاح مدرسین و طلبہ کے لئے بڑا کام کیا، الغرض آپ عرصہ دراز تک مدریسی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے، اسی دوران کئی مفید کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔ جن میں "قصیدہ عربی" "روض الریاضین" "المبری اور المصفیٰ" اور تعلیم الاسلام وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے تدریسی اور علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی اور ملی خدمات بھی انجام دیں ہیں آپ نے باقاعدہ ۱۹۱۷ء سے سیاسی زندگی کا آغاز کیا آپ ایک بڑے سیاستدان اور فہیم انسان تھے اور سیاسی تحریکوں میں شرکت کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے، ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو مولوی فضل حق کے زیر صدارت ہوا تھا، اس میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے علماء کے ساتھ آپ بھی شریک ہوئے، ۱۹۱۹ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس میں آپ نے برطانیہ کے جشن صلح کا بائیکاٹ کرنے کی تجویز پیش کی، جمعیت علمائے ہند کے قائم ہونے پر آپ کو جمعیت علماء ہند کا پہلا صدر منتخب کیا گیا اور ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک مسلسل ۱۹ برس صدر رہے مختصر یہ کہ برصغیر کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا کئی بار جیل گئے مسلمانوں اور ملکی خدمات کے لئے حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک بھی دورہ کرتے رہے، اور سیاسی اور اسلامی خدمات انجام دیتے رہے، آپ ایک سچے اور مخلص عالم تھے، نہایت، باوقار اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، متبع سنت اور عاشق رسولؐ

تھے ہر کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے آپ کے اخلاق واوصاف ان حضرات نے بیان بیان کیے ہیں جو سفر حج اور سفر مصر میں آپ کے ساتھ تھے یا جو گجرات جیل میں آپ کے ساتھ اسیر رہے تھے، یہاں آپ کے چند ہم عصر علماء کے تأثرات بیان کئے جاتے ہیں جو آپ کے مرتبہ ومقام کو جانتے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:۔کہ

"حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، مفتی صاحب ابتداء ہی سے نہایت ذکی سمجھدار تھے، مستقل مزاج، عالی حوصلہ، اور معاملہ فہم واقع ہوئے تھے، آپ کو علوم عقلیہ و نقلیہ سے طبعی مناسبت تھی، تقریر و تحریر کے میدانوں میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے اور دوسروں کے مقابلہ میں بازی لے گئے اخلاق فاضلہ میں خداوند عالم نے کمال عطا فرمایا تھا، دریائے سیاست کے بہترین شناور تھے، تدبر و تفکر کے انمول موتیوں سے آپ کا دامن بھرا رہتا تھا ہر معاملہ کی گہرائی اور آخری تہہ تک پہنچنا آپ کی ذکاوت کا ہمیشہ شاہکار رہا ہے"۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جن کی زندگی کا عظیم مقصد دینی علم اور ملک کی خدمت کرنا تھا وہ ایک مستند عالم تھے اس لئے قدرتی طور پر ان کا فرض تھا کہ وہ دینی خدمات کرتے رہیں چنانچہ تمام زندگی انہوں نے اس مقصد کے لئے گزار دی"۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی فرماتے ہیں:۔کہ

حضرت مفتی صاحب زندگی بھر مسلمانوں کے مکرم و محترم رہے

سالہا سال جمعیت علمائے ہند کے صدر رہے ایک بڑی درسگاہ کے روحِ رواں اور مجلسِ خلافت کے اہم رُکن تھے۔"

مولانا قاری محمد طیّب قاسمی فرماتے ہیں کہ :-

آپ اپنے زمانہ کے مشہور و مسلّم مفتی اور فقیہہ تھے نکتہ رس علماء میں سے تھے، تدریس و افتاء کے ساتھ سیاسی لائن میں بھی نمایاں کام انجام دیا، جمعیت علماء ہند اور کانگرس کی تحریکوں میں قائدانہ حصّہ لیا، کئی مرتبہ جیل گئے آپ کا علم و فہم علماء میں تسلیم شدہ تھا۔"

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جیسی مردم شناس ہستی نے فرمایا کہ میں مولانا مفتی کفایت اللہ کے تدبّر اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوشِ عمل کا معتقد ہوں، مجموعی طور پر آپ فقیہہ، محدث، مفتی مجاہد، اور نکتہ سَنج علماء دیوبند میں سے تھے۔"

بہرحال حضرت مفتی صاحب ایک جیّد عالم دین، مدبّر و مفکر اور ایک بہترین فقیہہ تھے، ساری زندگی دینی علمی اور سیاسی خدمات انجام دیتے رہے اور آخر کار یہ مردِ حق ۳۱ دسمبر مطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ بروز جمعرات عازم ملک بقاء ہو گئے دوسرے دن دہلی کے ایک لاکھ مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب دہلی میں آپ کو دفن کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت کی بارش فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ

آپ ۱۲۸۵ھ کو قصبہ چاند پور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حکیم سید بنیاد علی صاحبؒ ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے، آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحب کرامات بزرگ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے، آپ درسِ نظامی کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۷ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور بڑی امتیازی شان سے سندِ فراغت تعلیم حاصل کی، آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث کے ساتھ فیض روحانی بھی حاصل کیا، چونکہ آپ کو فن معقولات سے خاص دلچسپی تھی اس لئے اِس فن میں تحصیل کمال کی غرض سے معقولات کے نامور اور ماہر اُستاذ حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے اور معقولات کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں کمال و مہارتِ تامہ حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے وطن چاند پور واپس آ گئے اور اپنے والد کے مطب میں مشغول ہو کر تشخیص امراض و تجویز نسخہ جات و فن دواسازی میں بدرجہ کمال عبور حاصل کیا اور ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر حاذق طبیب بھی بن گئے اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحب خلیفہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

قدس سرہٗ نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم و تدریس میں مصروف ہو گئے اور ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس کی حیثیت سے علمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں صدر مدرس رہے، اسی دوران میں آپ نے آریہ سماج کے رد میں متعدد رسائل تحریر فرمائے اور بابو رام چندر سے مشہور تاریخی مناظرہ کیا پھر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے مالٹا جیل سے واپسی پر دارالعلوم دیوبند میں واپس آنے کا حکم دیا اور حافظ مولانا محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے غیر معمولی اصرار فرمایا چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا ساتھ ہی سلسلۂ تدریس بھی جاری رہا، اس دور میں آپ نے قادیانیت کے رد میں بکثرت رسائل تحریر فرمائے جو خصوصیت کے ساتھ پنجاب و صوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے چونکہ عوارضات ضعف پیری عیاں ہو چکے تھے اس لئے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن سے باہر رہ کر واپس چاندپور آ گئے اور یہاں صرف ذکر و عبادت اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، آپ کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کی عمر کا ذخیرہ تقریباً آٹھ دس ہزار کتب منتخبہ کی صورت میں موجود ہے۔

تحریک ختم نبوت اور تحریک پاکستان میں آپ نے زبردست حصہ لیا اور پورے برصغیر کا دورہ فرماتے رہے تحریک پاکستان میں اپنے رفقاء علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا شبیر علی تھانوی کے شانہ بشانہ کام کیا اور قائد اعظم اور دوسرے مسلم زعماء کو حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے نقطۂ نظر سے آگاہ فرماتے رہے، قادیانیت کے خلاف ملک کے کونے کونے کا دورہ

کیا اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے ہمراہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں مرزائیت کے خلاف تقریریں اور مناظرے کرتے رہے۔ بہر حال حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرح اس دور کے مشہور مقرر، واعظ اور مناظر تھے، ملک کے اطراف واکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو۔ آپ کو فن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا، آپ فرمایا کرتے تھے:۔ کہ "وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا ہے، خطبہ

پڑھنے کے بعد جو بھی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے

اسی پر حق تعالیٰ کی امداد سے تقریر شروع کر دیتا ہوں"

آپ کی تقریر پند و نصائح کے ساتھ لطائف علمیہ ونکات حکمیہ معرفت عبادات قصص وحکایات سے پُر ہوتی تھی۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابتداء میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف فرمائے اور آپ کے زمانہ قیام مراد آباد میں آریہ سماج مراد آباد کی جانب سے بنام اہل مراد آباد متعدد سوالات شائع کئے گئے تھے آپ نے ان کے بے مثال جوابی رسائل تحریر فرمائے اسی زمانہ میں آریہ سماج کے مشہور و معروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا اور پنڈت کو لاجواب ہو کر دہلی واپس جانا پڑا، فراغت تعلیم کے بعد جب آپ اپنے والد کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے اسی زمانہ میں حکیم بنیاد علی صاحب اپنے دونوں صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر حج کے لئے روانہ ہو گئے اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بقید حیات تھے حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی ان سے خصوصی تعلق تھا حکیم صاحب نے مع اپنے فرزند مولانا چاندپوریؒ حج کی سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے، بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ میں ہی انتقال ہو گیا صاحبزادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا حضرت

حاجی صاحبؒ نے دونوں صاحبزادوں کی سرپرستی فرمائی اور ان کو تسلی و تشفی دیتے رہے دوسری مرتبہ جب مولانا چاندپوریؒ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے، تیسری مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کے علاوہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی رفاقت میں حج کیا اس سفر میں صرف مخصوص رفقاء شامل تھے، جب فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور دیگر رفقاء کو حضرت شیخ الہندؒ نے واپسی وطن کا حکم دیا چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لائے، آپ تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی اور زمانہ قیام مکہ معظمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر استفادہ فرمایا۔ پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی اور مکرر حدیث پڑھی اور ایک عرصہ تک تعلیم و ارشاد سے مستفیض ہوتے رہے حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت رائپوریؒ سے تعلق قائم کیا ان کے بعد آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سب ہی بزرگ اور سرپرست اللہ کو پیارے ہو گئے بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جس کا کوئی بزرگ و سرپرست نہیں،، بھائی اب تو میں نے اپنا بزرگ و سرپرست حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت تھانویؒ کے فیوض جاریہ سے مجھ کو بھی مستفید فرمائے“۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دست حق پر بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے، حضرت تھانویؒ سے آپ کو تعلق و عقیدت اس قدر تھی کہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے اسی طرح حضرت تھانویؒ کو بھی آپ سے محبت تھی چنانچہ جب کبھی آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے حضرت تھانویؒ نے آپ کو اپنا مہربان اور خصوصی مہمان بنایا اور بعد ظہر مجلس ارشاد میں حضرت تھانویؒ نے آپ کے لئے اپنے قریب مخصوص جگہ مقرر فرما دی تھی اسی خاص جگہ پر نشست فرماتے تھے، حضرت تھانویؒ کی مجلس ارشاد میں کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی۔

صرف مولانا چاندپوریؒ اس سے مستثنیٰ رہے اور آپ اکثر علمی سوالات کیا کرتے، ایک مرتبہ زمانہ قیام تھانہ بھون میں آپ کے دو صاحبزادوں اور قریبی عزیزوں کو مولانا تھانویؒ نے مدعو کیا مولانا چاندپوریؒ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے درخواست کی کہ آپ ان چاروں کو بیعت فرما لیں، حضرت تھانویؒ نے درخواست منظور فرماتے ہوئے کہا کہ آپ کے ساتھ یہ خصوصیت ہے اور اسی خصوصیت کی بناء پر آپ کے صرف ایک مرتبہ کہنے پر ان چاروں لڑکوں کو بیعت کرتا ہوں، مولانا چاندپوری ہدایت فرمایا کرتے۔ کہ

"حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کرتے رہو کہ یہ علم و تقویٰ میں ترقی کا باعث ہوں گے"

الغرض ساری زندگی خدمت اسلام میں مصروف رہے، ۱۹۵۱ء دسمبر میں آپ کو عشاء کی نماز کے بعد غیر معمولی سردی معلوم ہوئی کچھ دیر بعد حرارت ہوگئی اور حالتِ غشی پیدا ہوگئی اس حالت میں بھی زبان متحرک اور مصروفِ ذکر رہی کچھ ہوش آنے پر ذکر میں آواز بلند ہو جاتی تھی تقریباً ایک ہفتہ یہی حالت رہی ذکر کے سوا زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا اس عرصہ میں توجہ الی اللہ کے ساتھ ذکر کرتے رہے اور ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

آپ ۲۸ مارچ ۱۸۷۲ء مطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیلانوالی کے ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے ان کے والد رام سنگھ زرگر تھے وہ آپ کی ولادت سے چار ماہ قبل ہی انتقال کر گئے، دادا زندہ تھے انہوں نے پرورش کرنا شروع کی لیکن دو سال بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا والدہ انہیں ساتھ لے کر ننھیال چلی آئیں یہ ایک خاص سکھ خاندان تھا نانا کی وفات کے بعد آپ جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان میں ماموں کے پاس چلے گئے اور اردو مڈل تک وہیں تعلیم پائی، ۱۸۸۴ء میں آپ نے اپنے ایک ہم جماعت سے مولانا عبید اللہ پائلی کی کتاب "تحفۃ الہند" لے کر پڑھی، اس کے بعد مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویت الایمان" پڑھنے کا موقع ملا اور یوں اسلام سے رغبت کی ابتداء ہوئی، انہوں نے خود ہی تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبید اللہ رکھا اور نماز سیکھ لی، ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو انہوں نے اسلام کی محبت میں گھر بار کو خیر باد کہا، اس وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی، وہ ایک مسلمان دوست کے ساتھ کوٹلہ رحیم شاہ (مظفر گڑھ) پہنچے اور ۲۹ اگست ۱۸۸۷ء کو مشرف بہ اسلام ہوئے یہاں سے سندھ کا رخ کیا اور پھر چونڈیؒ تشریف کے حافظ محمد صدیق کے پاس فروکش ہوئے اس کے بعد ستمبر ۱۸۸۸ء میں دیوبند گئے اور دارالعلوم میں داخلہ لے لیا وہاں آپ کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے کسب فیض کا موقعہ ملا۔ اور جلد ہی عربی زبان پر عبور حاصل کیا اور تفسیر وحدیث، فقہ و منطق اور فلسفہ کی تکمیل کی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر واپس سندھ آگئے اور امروٹ ضلع سکھر میں اسلامیہ

ہائی سکول کے مدرس مولوی عظیم اللہ خان یوسف زئی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی ۱۹۰۱ء میں گوٹھ پیر جھنڈا میں دارالارشاد قائم کیا اور سات برس تک تبلیغ اسلام میں منہمک رہے، ۱۹۰۹ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ارشاد کی تعمیل میں دیوبند گئے اور وہاں طلباء کی تنظیم جمعیت الانصار کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں مگر حکومت کے دباؤ کے باعث دیوبند میں زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکے اور وہاں سے دہلی منتقل ہو گئے، جہاں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ۱۹۱۲ء میں آپ نے دہلی نظارۃ المعارف کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا جس نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت میں بڑا کام کیا، ۱۹۱۵ء میں آپ شیخ الہندؒ کے کہنے پر ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے اور سات برس تک کابل میں مقیم رہے، امیر امان اللہ خان کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کا سہرا مولانا سندھیؒ ہی کے سر ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں انہیں یہاں سے بھی نقل مکانی کرنی پڑی اور روس چلے گئے وہاں سات ماہ قیام فرمایا، پھر ترکی پہنچے اور وہاں ۱۹۲۴ء میں اپنی ذمہ داری پر تحریک ولی اللہ کے تیسرے دور کا آغاز کیا اس موقعہ پر آپ نے آزادیٔ ہند کا منشور استنبول سے شائع کیا، ۱۹۲۷ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ ترکی سے حجاز پہنچے اور ۱۹۲۹ء تک مکہ معظمہ میں رہے اسی عرصہ میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق اور دینی مسائل کو تحریروں اور تقریروں کے ذریعے عوام تک پہنچایا۔ اور زندگی بھر شعار رسولؐ اور سیاست کاملہ کی تبلیغ کرتے رہے انہوں نے قید و بند کی صورت میں بھی اخلاق حسنہ سے زبان کو لغاوت نہیں کرنے دی اور ذلت و خواری کے اندھیروں میں اعمال کی روشنیاں لئے پھرتے رہے اور روحانی تجلیوں سے اپنی مشعلوں کے دونوں سروں کو روشن رکھا، انہوں نے ہر آدمی کے کان تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت خداوند تعالیٰ کی اطاعت ہے اور یہی بات حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ پیغمبرؐ کے بعد علماء میں سے خاص خاص عالموں کو مخلوق کی ہدایت کے لئے متعین فرماتا ہے اور وہ اللہ جل شانہ کے احکام و رضا سے دنیا کو باخبر کرتے رہتے ہیں، اور غالباً یہی سبب ہے کہ مسلمان آج تک

مادیات کے سامنے سر بسجود نہیں ہوئے،

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی فرماتے ہیں کہ:-

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی دار العلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، غیر معمولی ذکاوت، ذہانت اور حافظہ کے مالک تھے دماغ خلقی طور پر سیاسی تھا، سیاست میں گہری نظر تھی، ابتداً طبعی اور علمی انداز میں اور بعد میں مشاہداتی انداز میں یورپ اور ایشیاء کے بہت سے انقلابات آپ کے سامنے گزرے اس لئے سیاسی اسکیموں کی ساخت و پرداخت میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک، ریشمی رومال میں سرگرم حصہ لیا۔ افغانستان کی آزادی کی اسکیم آپ ہی نے مرتب فرمائی تھی، ۲۵ سال تک جلاوطن رہے واپس تشریف لاکر فلسفہ ولی اللہ سے ملک کو روشناس کرایا، سندھ ساگر اکاڈمی اور محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی قائم کی جس نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و معارف کی کافی خدمت کی، افغانستان میں آپ نے انڈین نیشنل کانگریس کی ایک باضابطہ شاخ قائم کرکے افغانستان کے حق میں ہندوستان کی ہمدردیاں حاصل کیں، دار العلوم دیوبند میں آپ نے جمعیت الانصار قائم کی جس کے بڑے بڑے دو اجلاس مرادآباد اور میرٹھ میں ہوئے اور اس کے حلقۂ اثر میں وسعت اور قوت پیدا ہوئی۔ آپ دار العلوم کو ایک علمی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا نقش اوّل جمعیت الانصار کا قیام تھا۔ بہرحال آپ ساری زندگی قائدِ حریت کی حیثیت سے اسلامی اور سیاسی خدمات انجام دیتے رہے اور ۲۲ر اگست ۱۹۴۴ء کو آپ نے دین پور میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے،

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(مفصل تذکرہ کے لئے "بیس بڑے مسلمان ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ

آپ کا آبائی وطن امروہہ ہے جو مرادآباد کے مضافات میں مشہور قصبہ ہے، یکم محرم ۱۳۰۱ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۸۸۲ء بروز جمعہ صبح صادق کے قریب ہندوستان کے مشہور شہر بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد بسلسلہ ملازمت رہائش پذیر تھے، کچھ عرصہ بعد آپ کے والد صاحب بدایوں سے شاہجہاں پور آگئے وہاں آپ نے میاں قطب الدین صاحب کے پاس بیس پارے قرآن پاک ناظرہ پڑھے بعد میں حضرت شریف الدین سے قرآن پاک حفظ کیا، اردو فارسی کی معمولی تعلیم والد صاحب کے پاس حاصل کی پھر مقصود علی خان سے بعض کتب فارسیہ اور میزان الصرف سے شرح جامی تک کتابیں پڑھیں پھر شاہجہانپور کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوکر مولانا بشیر احمد مرادآبادی مولانا عبید الحق کابلی اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے کنز الدقائق شرح وقایہ وغیرہ کتب درسی پڑھیں اس کے بعد مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مشورہ سے عالم اسلام کی مشہور اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ہدایہ اولین و میر قطبی وغیرہ ہمادیگر کتب پڑھ کر دوسرے سال اپنی ہمشیرہ کے ملاقات کے لئے میرٹھ گئے وہاں مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے اصرار پہ چار سال وہیں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد پھر دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ہدایہ آخرین، بیضاوی، ابوداؤد، ترمذی، مسلم اور بخاری شریف وغیرہ کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے اور فنون کی بعض کتابیں حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ سے، ادب کی کتابیں مولانا سید معز الدین صاحب سے پڑھیں، فتویٰ نویسی کا

کام حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا اور ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی، فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ نعمانیہ مضافات بھاگل پور میں مدرس مقرر ہوئے سات سال بعد افضل المدارس شاہجہانپور میں تین سال درس و تدریس کا مشغلہ رہا۔ ۱۳۳۰ھ میں پچیس روپیہ مشاہرہ پر دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور ابتداء میں علم الصیغہ، مفید الطالبین، نورالایضاح وغیرہ کتابیں زیر تدریس رہیں بعد میں بڑی کتب بھی پڑھائیں، درمیان میں ایک سال کے لئے حیدر آباد گئے پھر دارالعلوم میں ہی تشریف آوری ہوئی اور تادمِ آخر یعنی ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم میں ہی خدمات انجام دیتے رہے، تدریسی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی طرف سے اجازت و خلافت عطا ہوئی۔

آپ ایک بلند پایہ عالم اور فقیہہ ہونے کے باوجود مزاج میں انکساری اور تواضع ہونے کے ساتھ ساتھ بے نیازی اور توکل میں بھی حد کمال تک پہنچے ہوئے تھے، ہندوستان کے مختلف مدارس اور متعدد یونیورسٹیوں کی طرف سے گرانقدر مشاہرہ پیش فرمانے پر بھی دارالعلوم کی قلیل تنخواہ کو ترجیح دی، کسی کے سامنے دست درازی کرنا تو درکنار اور دور کی بات تھی ہدایا و تحائف لینے میں بھی تامّل فرماتے تھے اس بارے میں شاعر کا یہ کہنا آپ پر بالکل صحیح نظر آتا ہے ؎

آگے کسی کے کیوں کریں دست طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

مزاج میں سادگی ہونے کی وجہ سے کھدر کا لمبا کُرتہ و پائجامہ دو پلی ٹوپی اور معمولی قیمت کا جوتا عام طور پر آپ کا لباس ہوتا تھا اور چونکہ طبیعت میں نفاست بھی تھی اور اس لئے یہ معمولی لباس پاکی و صفائی کے لحاظ سے بہت صاف اور ستھرا ہوتا تھا حسنِ سیرت کے

ساتھ ساتھ قدرت نے حُسنِ صورت سے بھی نوازا تھا، متوسط قد و قامت صاف رنگ دُرُوپ شاداب چہرہ، آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی، چہرہ سے جلالت اور عظمت کے آثار ظاہر ہوتے تھے، تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے کئی کتابوں کے حاشیے تحریر فرمائے جن میں حاشیہ نورالایضاح فارسی، حاشیہ نورالایضاح عربی، حاشیہ کنزالدقائق، التنقیح الضروری علی المختصر القدوری، حاشیہ مفید الطالبین، حاشیہ دیوان متنبیؔ، حاشیہ دیوان حماسہ اور حاشیہ تلخیص المفتاح، شامل ہیں۔ آپ نے کم و بیش ۴۵ سال تدریسی خدمات انجام دیں اس عرصہ میں ہزاروں افراد نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں مشہور تلامذہ یہ ہیں،

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی وغیرہ وغیرہ۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

”شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ میرے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم و تربیت میری تعلیم کا اصل قوام تھی میں نے عربی ادب کی کل کتابیں مفید الطالبین سے لے کر حماسہ تک آپ ہی سے پڑھی عربی ادب نظم و نثر آپ ہی سے سیکھا، عربی ادب سے آپ کو طبعی شغف اور اپنے تلامذہ کو تعلیم و تربیت دینے میں ایک خداداد مہارت اور برکت تھی، دارالعلوم میں درس و تدریس کی والہانہ خدمت آپ کا شب و روز کا محبوب مشغلہ تھا اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے“

(نقوش و تاثرات)

بہر حال ساری زندگی درس و تدریس اور فقہ و افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے آخر وقت میں شدید تکلیف کے باوجود نمازیں پوری توجہ سے پڑھتے رہے اور ذکر و اذکار میں مشغول رہے، بالآخر ۱۳ رجب المرجب ۱۳۷۴ھ بمطابق ۸ مارچ ۱۹۵۵ء بروز منگل بوقت صبح صادق سفر آخرت اختیار فرمایا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی ہزاروں افراد شریک جنازہ ہوئے اور قبرستان قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے، آپ کے دو صاحبزادے جناب قاری احمد میاں صاحب اور مولانا حامد میاں صاحب مدرسین دارالعلوم دیوبند ہیں،

(تفصیلی حالات "تذکرۂ اعزاز" میں پڑھیے)

★ :- میں نے بہت دفعہ طلباء اور عام لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پختہ ہو جائیں۔ میں ذمہ لیتا ہوں وصولِ الی اللہ کا، ایک گناہوں سے بچنا، دوسرے کم ملنا، اور تھوڑی خلوت ذکر و فکر کے لئے۔"

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی)

★ :- عبادت اور ذکر پہ مداومت، اتباع سنت و شریعت پر قیام یہی امور ہیں جن کے ہم مکلف ہیں اور جن پر استقلال سے عمل پیرا ہونا اور درجات حاصل ہونا کمالِ ایمان ہے، خوف خداوندی اور رجا، دونوں کمال کی نشانیاں ہیں۔" (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی)

★ :- جو زمانہ گزر چکا وہ تو ختم ہو چکا اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آیندہ زمانے کی طرف امید کرنا بس امید ہی ہے تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے۔" (شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی)

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ جالندھریؒ

آپ باہمنیاں ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم جامعہ رشیدیہ رائپور کے بانی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ ارشد مولانا حافظ محمد صالح صاحبؒ سے حاصل کی، ایک سہ ماہی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر کوٹ بادل خان کے مولانا محمد صاحب سے بھی پڑھتے رہے پھر لدھیانوی علماء سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی اس دوران غزنوی حضرات سے بھی استفادہ کرتے رہے، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہٗ سے دورِ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ جامعہ رشیدیہ رائپور ضلع جالندھر میں تدریس کا آغاز کیا، جامعہ رشیدیہ وہ ممتاز دینی ادارہ ہے جو رائپور جالندھر پنجاب سے ساہیوال تک پون صدی سے زیادہ تعلیمات اسلام کی خدمات بطریق احسن سرانجام دیتا چلا آرہا ہے جامعہ رشیدیہ کی اساس اوّل ۱۳۲۱ھ میں رائپور میں حضرات اکابر نے دارالعلوم دیوبند کے اصول وضوابط اور اسی کے اغراض و مقاصد کے مطابق رکھی تھی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی حیات طیبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی اجازت سے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ نے عظمتہ القرآن کے مواعظ سے جامعہ رشیدیہ کا افتتاح فرمایا تھا اور پھر جامعہ رشیدیہ کا آغاز حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اور رائپوری خانوادہ کے صالح بزرگ حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحبؒ کے مبارک ہاتھوں ہوا اور سب سے پہلے مہتمم حضرت گنگوہیؒ کے متوسل اور حضرت رائپوریؒ کے مجاز بیعت

حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ مقرر ہوئے، حضرت مہتمم صاحب مرحوم ہندوستان کے دینی مدارس میں تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے تھے اور حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے مدرسہ ہاپوڑ میں اُن سے صرف و نحو کی کتب پڑھی تھیں پھر اسی جامعہ رشیدیہ کے اولین تلامذہ راشدہ میں حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ رائپوریؒ سے دارالعلوم دیوبند تعلیم کے لئے پہنچے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی خدمت اقدس میں علوم دینیہ اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ سے افتاء کی تربیت حاصل کر کے واپس جامعہ رشیدیہ رائپور آکر مدرسہ کے صدر مدرس اور مفتی تجویز ہوئے، حضرت مفتی صاحبؒ نے نصف صدی تک قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی خدمات معمولی مشاہرہ پر سر انجام دیں، اور جامعہ رشیدیہ کی ترقی میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے جامعہ رشیدیہ کی تدریسی زندگی میں آپ سے جن مشاہیر علماء نے شرف تلمذ حاصل کیا اُن میں اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا رشید احمد سلفیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا عبد الجبار ابوہری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد انوریؒ، حضرت مولانا عبد المجید نابینا اور مشہور شاعر مولانا عظامی جیسے نامور فضلاء شامل ہیں۔

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ کہ
حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ نے ابتدائی اور متوسط کتب اپنے وطن میں اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں پڑھ کر پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تین چار سال رہ کر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے سند فراغ حاصل کی اور حضرت شیخ الہندؒ ہی سے بیعت کا شرف حاصل کیا بہت باشریعت پرہیزگار عالم دین تھے اور استاذ شفیق مہربان تھے تقریباً پچاس سال دین کی تعلیم و افتاء کی خدمت کی“۔ سلہ

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی جالندھری فرماتے ہیں کہ :-

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور اخلاق و عادات میں اپنے اسلاف کا عین نمونہ تھے، مستغنی مزاج تھے، رہن سہن بالکل سادہ، مگر عالمانہ وقار اور جلال رُخِ انور سے ٹپکتا تھا۔ آپ نے اپنے زمانۂ درس میں درسِ نظامی کی جملہ کتب ابتداء سے لے کر انتہاء تک پڑھایا، کتب فقہ اور علم حدیث سے زیادہ شغف رہا، سال ہا سال تک صحاح ستہ کا درس دیتے رہے اور ہزاروں تشنگانِ علم حدیث و فقہ نے آپ کی خدمت میں رہ کر علمی سیرابی حاصل کی، اپنی زندگی میں متعدد فقہی و علمی رسائل تصنیف فرمائے، کئی لاکھ فتاوی تحریر فرمائے اور ساری عمر اللہ کے دین کی خدمت میں گزار دی ۔ ؎۲

بہرحال آپ ایک عظیم محدث و فقیہہ تھے، آخر وقت تک تدریسی و فقہی خدمات انجام دیتے رہے، قیام پاکستان کے بعد آپ ساہیوال تشریف لائے اور مستقل سکونت اختیار فرمائی اور یہاں بھی جامعہ رشیدیہ کے نام سے ایک عظیم دینی درسگاہ قائم فرمادی، جو آج طالبان علم کا مرجع ہے، بالآخر ساری زندگی دینی خدمات انجام دے کر ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال ہی میں تدفین عمل میں آئی اور ایک سچے عاشق رسول ؐ آج اسی جگہ آرام فرما رہے ہیں، آپ ایک محدث و فقیہہ ہونے کے ساتھ ایک عارفِ کامل اور صاحب کشف بھی تھے آپ کی کرامت اور بزرگی کا عینی مشاہدہ اور صحیح واقعہ ساہیوال میں زبان زدِ خلائق ہے کہ ۲۲ ماہ کے بعد آپ کی قبر مبارک کے اظہار سے جسم مبارک صحیح سالم حتیٰ کہ کفن بھی

؎۲ بحوالہ ترجمان اسلام لاہور

ٹھیک ٹھاک اور قبر کی مٹی سے خوشبو آ رہی تھی جبکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی پائنتی حاجی شیخ فتح محمدؒ مرحوم کی قبر کھودتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ کی قبر کھل گئی تھی تقریباً متعدد افراد نے یہ ماجرا دیکھا تھا۔ آپ کے وصال پر علامہ طالوت مرحوم نے قطعہ تاریخ لکھا۔

فقیہہ و عالمِ حق مفتی فقیر اللہ
جو ہر خلافِ شریعت پہ کرتے تھے توبیخ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرتہ دالا
کہ خاص خاص سے نکلی وفات کی تاریخ

۱۳۸۲ھ

حضرت مفتی صاحبؒ کے اخلافِ رشید میں حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہیدؒ اور حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی جالندھری صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال ممتاز علماء میں شمار کیے ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔"

★ :۔ شریعت کے تین جزء ہیں، علم، عمل، اخلاص، جب تک یہ تین جزء موجود نہ ہوں شریعت کا وجود نہیں ہوتا، اور جب ان تینوں کے وجود سے شریعت وجود میں آ گئی تو خدائے پاک و بلند کی رضا حاصل ہو گئی۔ جو تمام دینوی اور دینی نیک بختیوں سے بھی زیادہ ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۝

"یعنی، اور اللہ کی خوشنودی سب سے زیادہ ہے۔"

(مجدد الف ثانیؒ)

حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ

آپ ۱۸۷۱ء کے لگ بھگ موضع بانیاں علاقہ ٹکری نندھیاڑ تحصیل بگرام ضلع ہزارہ میں مولانا محمود علی بن محمد گل خان صاحب کے گھر پیدا ہوئے، قومیت کے لحاظ سے آپ سواتی پٹھان تھے، ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقہ میں حاصل کی بعدازاں آپ سوسل گلی اوگی تشریف لے گئے اور وہاں مولانا قاضی محمد عبیداللہ صاحبؒ سے استفادہ کیا پھر احمد المدارس سکندرپور ہری پور ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل حضرت مولانا احمد فاضل ہزاروی سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں، بعدازاں آپ نے لوئی گار ضلع کیمبلپور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتب کی تکمیل کرکے ۱۳۲۱ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ دیوبندی سے دورہ حدیث پڑھا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں درس وتدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۲ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر اکابر دارالعلوم دیوبند کی خواہش پر دارالعلوم تشریف لے گئے اور پہلا آزمائشی درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور فخر اسلاف حضرت مولانا محمد احمد قاسمیؒ وغیرہم اکابر واساتذہ شریک ہوئے، اور آپ نے معرکتہ الآراء درس دیا، اور دارالعلوم میں آپ کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۵۳ھ تک دارالعلوم دیوبند ہی میں اعلیٰ

تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اس دوران تدریس میں جن ممتاز علماءِ اُمت نے آپ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا ان میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں، دارالعلوم دیوبند کی تدریسی خدمات کے بعد سر محمد شفیع مرحوم کی درخواست پر آپ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی تشریف لے آئے اور ۱۹۲۵ء سے ۱۹۵۴ء تک اورنٹیل کالج میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو پڑھاتے رہے پھر مخدوم الامتؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی استدعا پر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۱ء تک مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزاروں تشنگانِ علوم کو اپنے چشمۂ فیض علمی سے سیراب کرتے رہے، آپ ایک عظیم محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے شیخ کامل اور عارف کامل بھی تھے، آپ اولاً شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ سے بیعت ہوئے پھر اُن کے انتقال کے بعد اپنے وقت کے مجدّدِ اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق قائم ہوا اور انہی سے روحانی اسباق کی تکمیل کی، ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۴ھ کو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی، اور زندگی بھر حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے خوب فیض حاصل کیا اور آخر دم تک اِن کے مسلک و مشرب پر قائم رہے سیاسی نظریات میں بھی اپنے شیخ معظم کے تابع رہے اور ہمیشہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے نظریات کی تائید و حمایت فرماتے رہے ویسے تو آپ کے مُریدین کی تعداد دو ہزار سے متجاوز ہے مگر ان میں سے چند خوش نصیب حضرات کو آپ نے اجازتِ بیعت سے بھی نوازا تھا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدرس جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان، حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب، مشرقی پاکستان، حضرت مولانا مہتاب الدین صاحب، حضرت مولانا انصار الدین صاحب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت مولانا محمود الحق صاحب، اور حضرت مولانا محمد نور الحق صاحب وغیرہ حضرات آپ کے مجازین میں سے ہیں۔ غرضیکہ آپ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے اور اپنے فیض علمی و روحانی سے ملتِ اسلامیہ کو مستفید فرماتے رہے، آپ اپنے ہمعصر علماء میں ایک بلند مقام پر فائز تھے اور پاکستان میں استاذ الکل کی حیثیت رکھتے تھے، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: "حضرت علامہ رسول خان صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے ہر فن

میں کمال عطا فرمایا تھا اور ہر انسان اُن کے درس سے فن کی حقیقت کو سمجھ سکتا تھا"

حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ ظاہری و باطنی سے نوازا تھا اور آپ کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا اور آپ کا حلم صبر، شکر، تواضع و خاکساری بے مثال تھی"

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا مرحوم میرے بے حد شفیق اُستاذ تھے اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل اور علوم دینیہ و عقلیہ کے مبصر کہاں پیدا ہوں"

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

آپ معقولات و منقولات کے سمندر اور علوم شریعت کے امام تھے علم ظاہری و باطنی کے جامع اور حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ

خاص تھے ”

بہرحال آپ کی زندگی ہمارے لئے نمونۂ ہدایت تھی آپ آخر دم تک جامعہ اشرفیہ لاہور سے وابستہ رہے اور حسب معمول شعبان کی تعطیلات گزارنے اپنے آبائی وطن اچھڑیاں تشریف لے گئے یکم رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو معمولی سا بخار ہوا مگر ذکر و عبادت میں مصروف رہے آخر کار ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو سورۂ یٰسین پڑھ کر اور پھر یہ کلمات قرآنی فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ پڑھتے ہوئے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ کی وفات پر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے تاثرات میں فرمایا کہ:۔

”حضرت مولانا کی وفات سے درس و تدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہو گئی جس کی آئندہ صدیوں میں پُر ہونے کی توقع نہیں اور آپ کی وفات سے ہند و پاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ و بساط الٹ گئی اور آپ کی رحلت علم و تقویٰ، درس و تدریس، حسنِ ادا تواضع و وفا، سنجیدگی و متانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے“۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ آہ علم و حکمت بکھیرنے والی زبان خاموش ہو گئی، اور برصغیر علم و عرفان کے ایک روشن آفتاب سے محروم ہو گیا اور اُن کی وفات سے علم کا ایک سمندر خشک ہو گیا“ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔ حضرت مولانا مرحوم اس وقت تمام علمائے دیوبند کے اُستاذ تھے اور ان کی وفات کے ساتھ ایک پوری قرن کا خاتمہ ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، اور ہمیں ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مفصل حالات کے لئے دیکھئے سوانح مولانا رسول خانؒ مؤلفہ قاری فیوض الرحمٰن)

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری

آپ قصبہ واہ مل پور میں ۱۸۷۸ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، یہ گاؤں تاریخی مقام حسن ابدال سے سات میل کے فاصلہ پر ہے آپ کے والد ماجد مولانا اللہ داد صاحب اپنے وقت کے ایک معروف عالم، محدث اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی، قرآن پاک اور ابتدائی فارسی تعلیم موضع سنگت جانی میں قاضی نور محمد سے پائی۔ عربی صرف و نحو ضلع اٹک کے عربی مدارس میں اور فلسفہ و منطق کی تعلیم ضلع ہزارہ کے معروف عالم دین مولانا محمد معصوم صاحب سے پائی۔ مولانا محمد معصوم صاحبؒ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں جب مدرس مقرر ہوئے تو آپ کو بھی اپنے پاس ہی بلا لیا یہاں پر آپ نے بقیہ علوم و فنون تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی تکمیل کی، دورۂ حدیث کی تکمیل سے ہی آپ کی طبیعت بلکہ شروع ہی سے مائل بہ تصوف تھی، امرتسر میں مولانا عبد الجبار غزنویؒ، مولانا نور احمد امرتسریؒ اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمیؒ جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا جو خود تصوف و سلوک کے بھی استاذ مانے جاتے تھے، مدرسہ غزنویہ امرتسر سے دورہ حدیث کے بعد مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے جہاں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دورۂ حدیث پڑھا اور سندِ فراغ حاصل کی، فن قرأت میں مولانا قاری کریم بخش صاحب سے سند حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول ہو گئے پھر آپ کو قابلیت کی بناء پر تھوڑے ہی عرصہ بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر کا صدر مدرس بنا دیا گیا اور کم و بیش اڑتالیس برس آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جب تک آپ کا قیام امرتسر میں رہا آپ روزانہ مسجد نور میں بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے جس میں دور دراز سے ہر خیال

کے لوگ آپ کے درسِ قرآن میں شریک ہو کر رُوح کی تازگی حاصل کرتے یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء اور رؤساء بھی آپ کے درس قرآن میں شریک ہو کر معارف قرآنیہ سے مستفید ہوتے تھے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

کئی بار امرتسر کی حاضری میں درس قرآن پاک سننے کا موقع میسّر آیا، ترجمہ کے ضمن میں لطائف و معارف کا اس قدر انبار ہوتا تھا کہ گویا سمندر موجیں مار رہا ہے ۔"

ایک بار امرتسر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کو امرتسر میں آپ کے درس قرآن میں شریک ہونے کا موقع ملا اس کے بعد انہوں نے اپنی کیفیت قلبی کا اظہار ان شعروں سے فرمایا

یہ اعجوبہ بفیض و فضلِ مولانا حسن دیکھا !
کہ امرتسر میں ہم نے آج اِک نھانہ بھون دیکھا
سُنا وہ درس قرآن دل کی آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا !

بہرحال آپ کے درس کے اندر سامعین کی عجب کیفیت ہوتی، کسی پر گریہ کی کیفیت طاری ہوتی، اور کسی طرف سے چیخوں کی آواز آتی تھی اور بے حد تاثیر تھی، درس و تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی بھی آپ کا ایک مستقل مشغلہ تھا اس سلسلہ میں ملک و بیرونِ ملک سے آپ کی خدمت اقدس میں استفتاء آتے تھے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے تھے جب تک آپ کی صحت نے اجازت دی اس وقت تک آپ یہ کام انجام دیتے رہے اس کے علاوہ امرتسر میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو قرآن پاک کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تعلیمی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا اس مدرسہ نے تقریباً چالیس سال دینی خدمت سرانجام دی اور قیام پاکستان کے بعد اس مدرسہ کے خدام اور اساتذہ کو ہجرت کر کے لاہور آنا پڑا، لاہور میں نیلا گنبد کے علاقہ میں مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے الاٹ ہو گیا چنانچہ توکلاً علی اللہ اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ جامعہ اشرفیہ کے

نام سے ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی جو ان اشعار کا مصداق ہے۔

درسگاہ علم دین این جامعہ ؛ اشرفیہ از معارف لامعہ

یادگار مولوی معنوی ! ؛ مولوی اشرف علی تھانوی

اے خدا این جامعہ قائم بدار ؛ فیض او جاری بود لیل و نہار

جب جامعہ کی عمارت طلباء اور اساتذہ کے لیئے ناکافی ہوئی تو فیروز پور روڈ لاہور پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لئے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی جس طرح حق تعالیٰ نے دار العلوم دیوبند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگِ بنیاد جملہ مقدسین نے مل کر رکھا تھا اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے نام اور حضرت مفتی صاحبؒ کے خلوص و برکت سے اس جامعہ کے سنگِ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرما دیا اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا جلیل احمد شیروانیؒ، حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا داؤد غزنویؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی شامل تھے، آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے منسلک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے آپ ان ہی کے رنگ میں خوب رنگے ہوئے تھے، ان کے خلفاء میں ایک ممتاز حیثیت و شخصیت کے مالک تھے اور اپنے مرشد تھانویؒ کے علوم و معارف کے خزانہ تھے، آپ کو ۱۱ ذی الحجہ، ۱۳۴۳ھ میں طریقت کے چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا اور تین سال کے مختصر عرصہ میں آپ کی محنت و ریاضت کو دیکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر آپ نے ساری عمر اپنے شیخ کے تابع رکھی اور فنا فی الشیخ کا اعلیٰ مقام حاصل کیا آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے عقیدت عشق کی حد تک تھی آپ فرمایا کرتے

تھے کہ حضرت حکیم الامت کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اپنی وصیت میں آپ نے اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی کہ بہشتی زیور، جزاء الاعمال تعلیم الدین اور مواعظ وملفوظات تھانوی کو مطالعہ میں رکھنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت سے تعلق بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے" حضرت حکیم الامت تھانوی کو بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا سے جانے کا کوئی فکر وخیال نہیں جب میرے بعد یہ موجود ہیں، استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب علوم ظاہری میں کامل اور مکمل اور مقامات باطنہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے علم وعرفان کے چمکتے ہوئے آفتاب تھے اور اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانوی کے علوم ومعارف کا خزانہ تھے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ فرماتے ہیں کہ "حضرت مفتی صاحب ایک زبردست عالم باعمل اور شیخ وقت تھے اور سادگی وبزرگی میں قدیم اسلاف کی یادگار تھے" شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب عجب خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے، عبدیت وتواضع اور اخلاق وکردار میں اپنے شیخ کا نمونہ تھے" حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ: "حضرت مفتی صاحب صرف ایک جید عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے"

(البلاغ، کراچی)

بہرحال آپ اپنے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خشیت وللّٰہیت میں اپنی نظیر آپ تھے اور ایک سچے عاشق رسول ﷺ اور خادم دین تھے ساری زندگی درس وتدریس، تبلیغ وارشاد اور خدمت خلق میں مصروف رہے، اور بڑے بڑے علماء وصلحاء آپ کے فیض علمی وروحانی سے مستفید ہوئے جن میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانی، عارف باللہ مولانا مفتی محمد خلیل، مولانا فقیر محمد پشاوری، مولانا قاری فتح محمد پانی پتی

مولانا محمد داؤد غزنویؒ، مولانا بہاؤالحق قاسمیؒ، مولانا محمد اسماعیل غزنویؒ، مولانا عبیداللہ امرتسری اور مولانا محمد سرور خان جیسے مشاہیر علم و فضل خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

دینی علمی اور روحانی خدمات کے علاوہ آپ نے سیاسی و ملی خدمات بھی انجام دی ہیں تحریک پاکستان میں آپ کا سیاسی مسلک اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے عین موافق تھا اور بڑی سرگرمی سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ، نقیہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، اور مخدوم العلماء مولانا اطہر علی اشرفی سلہٹیؒ کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیتے رہے پھر قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے، قرارداد مقاصد میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، کے معاون اور مشیر رہے ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر ہونیوالے اجلاس میں شریک رہے جس میں ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ مرتب کر کے حکومت پاکستان کو پیش کیا گیا تھا، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر نشین رہے اور ہمیشہ ہر باطل کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے رہے اور آخر کار ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق یکم جون ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور سوسائٹی کراچی کے قبرستان میں تدفین ہوئی، آپ کی اولاد صالحہ میں مولانا محمد عبیداللہ صاحب امرتسری، مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن اشرفی اور مولانا فضل الرحیم صاحب زیادہ معروف ہیں اور اپنے والد مکرم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں حق تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مفتی صاحب عجیب رحمت تھے

جانشین حکیم الامت تھے!!

(تفصیل حالات کے لئے پڑھیئے "احسن السوانح" شائع کردہ جامعہ اشرفیہ لاہور)

حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف سہارنپوریؒ

آپ کا وطن قاضی پور ضلع مظفر نگر ہے اور آپ کی ولادت مولانا جمعیت علی صاحبؒ کے گھر ۱۲۹۸ھ میں ہوئی۔ قرآن پاک اپنے وطن قاضی پور ہی میں ایک نگھرے کے حافظ امانت علی صاحب سے پڑھا۔ جو مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد قاضی پور میں مدرس تھے اور اب تک یہ مدرسہ اسی نام سے قائم ہے اس کے بعد ابتدائی فارسی اپنے والد مولانا جمعیت علی صاحب سے جو گورنمنٹ کالج بہاولپور میں شعبہ عربی اور فارسی کے صدر تھے حاصل کی پھر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی بہاولپور تشریف بری کے موقع پر مولانا جمعیت علی صاحبؒ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے آپ کو سپرد کیا اور حضرت مولانا سہارنپوریؒ آپ کو سہارنپور لے آئے۔ اور مدرسہ مظاہر العلوم میں ۱۳۱۵ھ میں آپ نے داخلہ لیا اور ۱۳۲۲ھ میں تمام علوم و فنون سے سند فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف، مسلم شریف ابوداؤد شریف، ترمذی شریف اور ابن ماجہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے اور نسائی شریف مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سے پڑھی فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی تجویز پر مظاہر العلوم ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمالیا جس زمانہ میں مظاہر میں خلفشار ہوا اس وقت آپ اپنے والد ماجد کے اصرار پر دیوبند تشریف لے گئے لیکن آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے وہاں زیادہ قیام نہ کرسکے اور پھر مظاہر العلوم میں واپس آکر اپنے سابقہ مشغلہ میں منہمک ہوگئے۔ ۱۳۲۳ھ اور ۱۳۲۸ھ میں دو بار حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے پھر حضرت سہارنپوریؒ جب

۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے روانہ ہوئے تو پہلی مرتبہ آپ مدرسہ کے ناظم مقرر ہوئے ۱۳۳۹ھ میں استاذ حدیث بنائے گئے اور بخاری شریف، ترمذی شریف کا درس دیتے رہے، ۱۳۴۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ہمراہ مدرسہ کی ضروریات کے سلسلہ میں رنگون جانا ہوا اور ۱۳۴۴ھ میں مستقل طور پر مظاہر العلوم کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔ ۱۳۷۲ھ میں ایک بار پھر مدرسہ کے کام کی غرض سے رنگون تشریف لے گئے اس سفر میں آپ کے ہمراہ مولانا الحاج امیر احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ بھی تھے کامل اڑتیس سال تک درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی خدمات انتہائی محنت اور بیداری سے انجام دیتے رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ نے ابتداء تا انتہاء مظاہر العلوم میں پڑھا اور بعد فراغت تعلیم ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت رائپوری قدس سرہٗ کی تجویز سے مظاہر العلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ مستقل اہتمام کی طرف منتقل ہوئے اور ان کے متعلقہ اسباق میں سے جلالین تو مہتمم صاحب ہی کے پاس رہے مگر شرح وقایہ، اصول الشاشی، تہذیب مولانا عبد اللطیف صاحب کی طرف منتقل ہوئے اور اس کے بعد کتب متفرقہ ہوئیں اور شوال ۱۳۳۹ھ سے مولانا موصوف کے یہاں ترمذی اور بخاری پہلی مرتبہ درس میں ہوئی میں نے حضرت مولانا موصوف سے کئی اسباق پڑھے ہیں، موصوف کا مکان قاضی پورہ محلہ تھا لیکن آپ کا دستور یہ تھا کہ گھر سے چلتے وقت ایک دن غربی نالے پر کو آتے اور ایک دن شہر کے بیچ بازار سے آتے اور ایک دن مشرقی نالہ کی طرف سے آتے اور ان کے گھر مدرسہ تک تینوں سڑکوں پر جن جن چندہ دینے والوں کے گھر پڑتے چاہے تھوڑے فاصلے پر ہوتے

ان کے گھر جا کر بہت خوشامدانہ لہجے میں کہتے " بھائی تمہارا چندہ نہیں آیا تو وہ بہت شرمندہ ہو کر یا تو اسی وقت پیش کر دیتا یا تھوڑی دیر بعد خود دے کر مدرسہ آتا "

حضرت مولانا کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے وہ مدرسہ کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، مفتی و مدرس بھی تھے اور بڑے اوصاف و کمالات کے مالک تھے، ۱۳۲۲ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی ہمرکابی میں حج کو تشریف لے گئے۔ صفر ۱۳۴۸ھ کو دہلی میں بضرورت مدرسہ تشریف لے گئے تھے وہاں شیخ رشید احمد صاحب کی کوٹھی پر مرض ہیضہ ہو گیا۔ سب ڈاکٹروں نے اور طبیبوں نے جواب دے دیا، شیخ صاحب نے سو روپے پر ایک کار کر کے حضرت ناظم صاحب کو پچھلی سیٹ پر تکیوں کے سہارے لٹا لیا یہ ناکارہ اور چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ نیچے جوتوں کی جگہ بیٹھے کسی کو امید نہ تھی کہ جمنا بھی پار کر سکیں گے، بالکل آخری حالت تھی مگر جمنا کا پل پار کرنے کے بعد جب آپ کو افاقہ ہونا شروع ہوا تو قاضی پور کی سڑک پر پہنچ کر شدت سے اصرار فرمایا کہ میں گھر ہوتا آؤں ہم نے شدت سے انکار کیا مگر اللہ کی قدرت کے کرشمے کہ میں اور چچا جان ان کو سہارا دے کر مکان پر لے گئے جو سڑک کے قریب ہی ہے سہارنپور پہنچنے پر بحمد اللہ مرض میں بہت تخفیف تھی لیکن ضعف اور مرض کا کچھ اثر کئی ماہ رہا اس کے بعد ۲۲ صفر ۱۳۷۲ھ کو بضرورت مدرسہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں طبیعت ناساز ہوئی۔ ۲۰ جمادی الثانی کو واپسی ہوئی اور واپسی کے بعد سے مرض کی شدت بڑھتی چلی گئی اور بالآخر ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ دوشنبہ کی صبح ۱۰ بجے وصال ہو گیا ڈھائی بجے شام کو حاجی شاہ میں اس مجسمۂ اخلاق کو سپردِ خاک کر دیا گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

ساری زندگی درس و تدریس اور مدرسہ مظاہر العلوم کی خدمت میں گزار دی اور کئی مفید کتابیں بھی آپ نے تصنیف فرمائیں جن میں ترجیح درس نظامی، کسی صاحب نے درس نظامی پر کچھ اشکالات کر کے اس میں ترمیم و اصلاح کا مشورہ دیا تھا۔

حضرت مولانا کی طرف سے درس نظامی کے فوائد اور اس کی وجوہ ترجیح پہ یہ مکتوب لکھا گیا تھا جو بعد میں کتابی شکل اختیار کر گیا اس کے علاوہ کئی رسالے تحریر فرمائے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی اور حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ خاص طور پہ قابل ذکر ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ تاریخ مظاہر العلوم سہارنپور و)

(آپ بیتی مولانا زکریا کاندھلوی)

● ۔کسی اچھے کی صحبت میں رہ کر دین آتا ہے، میں بہ قسم عرض کرتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بِلا کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ جوتیاں کھائے نہیں آتا"

● ۔عُسر اور تنگی انبیاءؑ کی سُنّت ہے رزق جتنا مقدر میں ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں، ہاں جائز کوشش و سعی کے ساتھ دُعا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سکون دے دیں گے"

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۹۵ھ میں موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد صاحبؒ ایک نیک سیرت بزرگ تھے اور آپ کا خاندان ایک دینی و علمی خاندان تھا۔ آپ نے قرآن مجید اپنے تایا مولانا علیم اللہ کے پاس حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے بھی انہی سے پڑھے۔ صرف و نحو کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحب سے پڑھیں مولانا محمد رفیق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ تھے۔ اس کے بعد آپ تحصیل علم کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے ہندوستان میں مختلف مدارس عربیہ میں رہ کر درس نظامی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ پھر پانی پت، سہارنپور اور دہلی کے مقامات پر قیام کر کے درس نظامی کی تکمیل کی۔ اور منطق و فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ حدیث کی کتب مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلیؒ سے پڑھیں۔ مولانا عبدالعلی مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ دہلی کے قیام کے دوران ہی امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے درس میں حاضر ہو کر ترمذی شریف کے چند اسباق کی سماعت کی، آپ کی طبیعت بچپن ہی سے بہت قانع واقع ہوئی تھی۔ جہاں کہیں بھی رہے جو کچھ میسّر آگیا اسی پر قناعت کی۔ اساتذہ یا کسی اور دوست آشنا سے کبھی اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں آپ نے بڑی بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائیں خود فرمایا کرتے تھے۔ ”جب میں رامپور سے دہلی گیا تھا صرف ایک اکنی میرے پاس تھی۔ تمام راستہ پیدل طے کیا تھا۔ ٹکے کے چنے لے کر چبائے تھے

اور ٹکہ کشتی والوں کو دے کر دریا عبور کیا تھا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں کئی کئی وقت فاقہ
بھی برداشت کر لیتے تھے۔ لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے
منطق و فلسفہ اور فقہ و حدیث کی تکمیل کے بعد آپ نے طبِّ یونانی کی باقاعدہ تحقیل
کی اور ضلع بجنور کے ایک قصبہ افضل گڑھ میں مطب بھی کیا۔ کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے
مقامات پر رہ کر قرآن و حدیث کا درس بھی دیا۔ لیکن آپ کی بے چین طبیعت کسی
حال میں بھی مطمئن نہ ہوئی۔ فرماتے تھے میرے والد ماجد چاہتے تھے کہ میں ایک
بڑا مولوی اور واعظ ہوں۔ لیکن میری طبیعت اس طرف نہیں چلتی تھی اور طبیعت
میں ایک خلش تھی جو کہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔" آخر عنایت ربانی نے دستگیری
فرمائی اور درس و تدریس کے مشاغل کو چھوڑ کر تلاش حق میں دیوانہ وار نکل کھڑے
ہوئے اور ایک عرصہ تک سرگرداں رہے۔ حتیٰ کہ شیخ العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم
رائپوری رح کی خدمت میں پہنچے، اور پہلی ہی ملاقات میں اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ ہمیشہ
کے لئے انہیں کا ہو رہنے کی تمنا کا اظہار کیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی۔
اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہٗ حیات تھے۔ حضرت اقدس رائپوری نے آپ کو
گنگوہ حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ نے عرض کیا۔ کہ مجھے جناب ہی سے پوری
مناسبت ہے۔ میں اور کہیں جانا نہیں چاہتا۔ فرمایا اچھا اتنی کیا جلدی ہے۔ استخارہ
کر کے اپنی طبیعت کا اطمینان کر لیں۔ چنانچہ ذکر وغیرہ بتلا کر آپ کو رخصت فرما دیا۔
آپ اپنے وطن تشریف لے آئے اور چند روز وطن میں قیام کر کے دوبارہ ہندوستان
کا سفر کیا۔ خانقاہ رائپور حاضر خدمت ہو گئے، اس کے بعد حضرت اقدس مولانا
شاہ عبدالرحیم رائپوری رح نے بیعت فرما لیا اور ذکر و اذکار کی تلقین فرمائی۔ آپ
فرماتے تھے۔ ایک روز میرے حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہارا پیچھے بھی
کوئی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میرے والدین ہیں۔ بھائی بہن اور

رشتہ دار موجود ہیں۔ فرمایا ، اوہو ! میں تو چاہتا تھا کہ زندگی کے دن اکھٹے ہی گزار دیں گے"۔ عرض کیا حضرت ! میں ایسے ہی ہوں ۔ جیسے کسی کا کوئی نہ ہو، اگرچہ میرے سب رشتہ دار موجود ہیں لیکن میں نے سب سے یکسو ہو کر حضرتؒ ہی کا ہو رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ یہ سُن کر حضرتؒ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا"۔

اس کے بعد آپ زندگی بھر یادِ حق اور خدمت شیخ میں مصروف رہے ۔ ہمیشہ صبر و استقامت کے ساتھ ذکر و اذکار اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے اور ہر تکلیف و پریشانی کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے رہے آپ کے شیخ معظم آپ سے آخر دم تک راضی رہے ۔ اور بوقتِ وصال آپ ہی کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور رائپور قیام رکھنے کی تلقین فرمائی ۔ اسی نسبت سے آپ رائپوری کہلائے ۔ اپنے شیخ کی رحلت کے بعد مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے پینتالیس سال تک رشد و تلقین و ارشاد کا باعث بنے رہے ۔ اپنے عمل و اخلاص سے خلقِ محمدیؐ کو دنیا میں عام کیا اور اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کرائیں ، لاکھوں مسلمانوں کو فسق و فجور اور بدعات سے توبہ کرائی علاوہ ازیں ہر طبقہ کے لوگوں ، کاروباریوں ، ملازموں ، ادیبوں ، شاعروں ، مقرروں اور سیاستدانوں کو اپنے اخلاق و محبت سے اپنا گرویدہ بنائے رکھا اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق سب کی اصلاح و تربیت فرماتے رہے ۔ آپ نہایت متواضع ، خوش اخلاق اور سادہ طبیعت تھے فنائیت کا اعلیٰ مقام حاصل تھا آپ کے کسی قول و فعل سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ آپ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں ۔ تمام عمر میں کبھی بھولے سے بھی اپنی کسی خوبی یا وصف کا ذکر نہیں فرمایا ۔ حتیٰ کہ تحدیثِ نعمت کے طور پر بھی کبھی کوئی بات بیان نہیں فرمائی ۔ جیسا کہ بعض بزرگ ، بعض مصالح کے پیش نظر اپنے خصوصی حالات بیان فرما دیا کرتے

ہیں۔ جاننے اور پرکھنے والے بخوبی جانتے ہیں۔ کہ دل ودماغ کے ایک ایک گوشہ سے حُبّ وجاہ کو نکال کر آپ نے صدیقین کے مقام میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

آپ نے ہزاروں افراد کی اصلاح وتربیّت فرمائی اور بہت سے حضرات کو خلافت سے نوازا جن میں سے چند حضرات کے اسماءِ گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز گمتھلوی، سرگودھا، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد خلیل سرگودھا، حضرت مولانا محمد عبداللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ، حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس لاہور، حضرت مولانا سیّد عبدالمنعم ابوذر بخاری ملتان، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ فیصل آباد اور حضرت مولانا سیّد نیاز احمد گیلانیؒ وغیرہ حضرات آپ کے خلفاء میں شامل ہیں۔

ساری زندگی طالبین حق کی اصلاح وتربیّت اور گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کی رہنمائی کے بعد یہ آفتاب حکمت وہدایت زندگی کی لوتے منزلیں طے کر کے ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ڈھڈیاں شریف سرگودھا کی مسجد کے پہلو میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔

حضرت مولانا محمد اسحاق بردوانی

آپ کا اصل نام محمد اسحاق ہے سلسلۂ نسب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار قاضی لطف الہدیٰ ایک نہایت ہی باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ولادت ربیع الاوّل ۱۲۸۲ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۵ء میں اپنے نانا کے گھر ہوئی۔ ساڑھے چار برس کی عمر میں ابتدائی تعلیم شروع ہوئی۔ ۹ برس کی عمر میں گلستان بوستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا، پندنامہ سکندرنامہ اور دیگر فارسی کتب کے علاوہ قرآن مجید ناظرہ ختم کر ڈالا۔ پھر اپنے قصبہ کے قریب منگل کوٹ کے مشہور عالم مولانا محمد صاحبؒ اور مولانا نذیر الحق کے پاس شرف تلمذ حاصل کرنے کو تشریف لے گئے یہاں عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر کافیہ کامل، شافیہ نصف اور منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد آپ نے آرہ (بہار) میں مولانا قاضی محمد حنیف سے شرح جامی، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ یہاں دو سال کے قیام کے بعد جولانی طبیعت نے مرکز رشد و ہدایت یعنی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت اقدس جامع العلوم کانپور میں سعادت باریابی و تلمذ سے بہرہ یاب کر دیا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تمام کتابوں کا آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے فیض درس حاصل کیا۔ سوائے مشکوٰۃ المصابیح اور نور الانوار کے جن کا درس مولانا عبد الغفار کانپوریؒ سے حاصل کیا۔ ۱۳۰۹ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی جلسہ کی صدارت علی گڑھ کے مولانا لطف اللہ صاحبؒ نے کی تھی۔ آپ کی ذہانت فطانت کا رنگ دیکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے زیر سایہ مدرس

دوم مقرر فرمادیا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں نہایت اہم ذمہ داریاں یعنی تفسیر قرآن و احادیث عربی ادب و فلسفہ کی تدریس کے ساتھ دارالافتاء کی سربراہی بھی آپ ہی کے سپرد کی گئی اسی دوران تدریس آپ کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا اور آپ نے صرف سات دن چار گھنٹوں میں حفظ کلام مجید کو انجام تک پہنچایا جس سے آپ کے حافظ اور ظہور کرامت پر تمام شہر کانپور میں ہلچل مچ گئی۔ حضرت حکیم الامت اپنے مواعظ میں ذکر فرماتے تھے کہ ہمارے ایک دوست مولانا محمد اسحاق بردوانی کا انداز حفظ کلام مجید بھی معجزات کلام الٰہی میں سے ایک ہے، غرض آپ کی قابلیت و ذہانت کو دیکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت نے آپکو جامع العلوم کا مدرس اوّل مقرر فرمایا یہاں تک کہ بعض انتظامی امور بھی آپ کے سپرد کردیئے آپ نے جامع العلوم میں رہ کر سینکڑوں طالبان علم کو فیضیاب کیا اور مدرسہ کو چار چاند لگادیئے۔ ۱۹۱۰ء میں آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے آئے۔ یہاں بھی بفضل تعالیٰ آپ کی جودت طبیعت اور غیرت ایمانی نے اپنا جلوہ نمایاں کیا۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر جب انگریزوں کی طرف سے خلافت عثمانیہ ترکیہ کے خلاف ہر محاذ سے حملے ہو رہے تھے۔ اور خلافت عثمانیہ کو بن و بیخ سے اکھاڑنے میں ہندوستانی مسلمانوں کو ورغلا کر شرکت پر آمادہ کیا جارہا تھا۔ انہی دنوں مدرسہ کے انگریز پرنسپل نے آپ کو جواز خلافت کے خلاف فتویٰ دینے کے لئے بظاہر فرمائش کی اور درپردہ زور لگایا۔ لیکن آپ نے اس مکروہ استدعا کو یک قلم ٹھکرا کر اس کے ہاں سے فوراً مراجعت فرمائی۔ ۱۹۱۹ء میں ڈھاکہ میں آپ کی منتقلی ہوئی یہاں آپ کے دوران قیام میں ایک مرتبہ سر عبدالرحیم ڈھاکہ مدرسہ کے معائنہ کیلئے تشریف لائے اور آپکی عالمانہ گفتگو سے متأثر ہو کر واپس جاتے ہوئے پرنسپل سے یہ کہا کہ یہ تو بڑے غیر معمولی عالم اور نہایت ہی برگزیدہ ہستی معلوم ہوتے ہیں۔ انکو یہاں کے تعلیمی صیغہ سے علیحدہ نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اور کلکتہ واپس جاکر سر عبدالرحیم نے سرکاری طور پر آپ کے متعلق ضروری ہدایات فرمائیں ۱۹۲۶ء میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ وہاں سعودی عرب کے بہت بڑے عالم حافظ محمد وہبہ سے حرم پاک میں تعارف کرایا گیا۔

دوران گفتگو مختلف احادیث کی اسناد پر بات چلی حافظ وہبہ صاحب آپ کی قابلیت کا رنگ دیکھ کر حیران رہ گئے! ور آپ کی علمی عظمت کا اعتراف کیا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ آپ کے تبحرِ علمی کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ "اگر حضرت مولانا محمد اسحاق بردوانیؒ بجائے جامع العلوم کانپور کے دار العلوم دیوبند میں درس دیتے تو مولانا انور شاہ صاحبؒ کی طرح حفظ احادیث و روایات میں مشہور ہو جاتے، مولانا نے برسوں بخاری شریف کا درس اس طرح رکھا کہ روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتے تھے۔ میں نے وہ بخاری دیکھی ہے۔ جس پر مولانا نے اپنی ختم بخاری کی ابتداء اور انتہا کی تاریخیں ضبط کی ہیں۔ غالباً ستّر سے اوپر ختم کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور جو ختم اس سے پہلے کئے ہیں۔ ان کی شمار معلوم نہیں، اس لئے بخاری میں جو حدیث جتنی جگہ آتی ہے مولانا بے تکلّف بتلادیتے تھے سُنا ہے۔ کہ حج کے موقعہ پر کسی نجدی عالم نے ایک حدیث کے بارہ میں مولانا سے پوچھا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے، فرمایا چھ جگہ ہے وہ عالم حیران رہ گئے کہ ہندی علمائے دین بھی ایسے حافظ والے موجود ہیں۔ مولانا نے ایک زمانہ میں جب کہ جامع العلوم کانپور میں قیام کیا تھا تو موطأ امام مالکؒ کی شرح لکھنا شروع کی تھی۔ تو ایک جزو کی شرح ایک سو بیس صفحات میں لکھی تھی۔ پھر آگے نہ لکھی تھی۔ کہ اس طرح شرح طویل ہو جائیگی۔ کون چھاپے گا۔ حضرت حکیم الامّت تھانویؒ سے آپ کو اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، حضرت حکیم الامّتؒ فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحاق صاحبؒ کو اشغالِ صوفیاء نہیں بتلائے بلکہ تلاوتِ قرآن و حدیث ہی میں شغل بتلایا اسی سے ان کو مناسبت تھی۔ اور اسی سے ان کو نسبت باطنہ حاصل ہو گئی۔ لے

آپ ساری حیات درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے ڈھاکہ یونیورسٹی مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ اور مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں درسِ حدیث حسبتہً للہ

لے بزم اشرف کے چراغ۔

دیتے رہے۔ جس میں طالبان علم کے علاوہ اساتذہ اور دوسرے اہل ذوق حضرات بھی شامل ہوتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں دینی امور میں مرجع خاص و عام تھے ہر مسلک و مذہب کے افراد کو ان ہی کے مذہب کے مطابق فتوٰی دیا کرتے تھے۔ ڈھاکہ کے اہل حدیث بھی آپ ہی سے فتوٰی لیا کرتے تھے۔ ان کو آپ پر کامل اعتماد تھا۔ کیونکہ آپ انہیں مسلک اہل حدیث کے مطابق فتوٰی دیتے تھے، آپ ہر سال اپنے شیخ و اُستاذ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے اور جب حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں حاضر ہوتے تھے تو انہیں دیکھ کر وہ بہت خوشی کا اظہار کیا کرتے معانقہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور قبل اُٹھنے کے حاضرین مجلس کو خاص اہتمام سے بیٹھے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا نمونہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے دوسرے لوگ بھی اُن کے مواعظ کے بہت مشتاق اور مداح رہتے اور وعظ کے بعد حضرت تھانویؒ بہت مشفقانہ انداز میں بطور تعریف فرمایا کرتے تھے۔ کہ "ماشاء اللہ نظر بہت وسیع ہے۔"

بہرحال آپ ایک عظیم محدث عارف اور جیّد عالم تھے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۹ء کو رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمیؒ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمی صاحبؒ فتح پور تال نرجا کے ایک گاؤں میں ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دس بارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ گھر پر عربی اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۳۵ھ میں سندِ فراغ حاصل کی۔ علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے اساتذہ گرامی تھے۔ دوران تعلیم ہی اللہ تعالےٰ نے آپ کو اصلاحِ اعمال کی فکر اور ذوقِ عبادت عطا فرمائی تھی۔ اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے۔ خوش نصیبی سے طالبعلمی کے زمانہ ہی میں آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری اور تربیت باطنی کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور نصابِ تعلیم کو پورا کر کے خانقاہِ تھانہ بھون کے ہو رہے۔ آپ کی فطری قابلیت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تربیت سے چار چاند لگا دیئے اور بہت جلد باطنی تربیت مکمل کر کے حضرتؒ کے خلفاءِ مجاز میں شامل ہو گئے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد آپ کی ذات طالبین کا مرجع بن گئی۔ فتح پور کے زمانہ قیام میں قرب و جوار کے اضلاع کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لوگ آپ تک پہنچتے رہتے۔ اس کے بعد آپ گورکھپور تشریف لے آئے۔ اور گورکھپور ایک دینی اور روحانی مرکز بن گیا۔ پھر آپ نے یہاں سے الٰہ آباد منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں آپ کی مقبولیت کا اس پیمانہ پر ظہور ہوا جو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواص اولیاء کے لئے ہوتا ہے۔ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنے

مریدین کو تلاوت کلام پاک کے لئے سختی سے تاکید کرتے اور نفاق جیسے روحانی خبثہ سے بچنے کی تلقین فرماتے، اپنا محاسبہ کرنا ان کے ہر مرید پر لازم تھا۔ آپ کے انداز تربیّت میں حضرت حکیم الاّمت تھانوی رُ کے اسلوب اصلاح کی جھلک پائی جاتی تھی۔ جو اپنی اصلاح کے لئے آتا اس پر خود بھی کڑی نظر رکھتے۔ اور محاسبۂ نفس کی تاکید فرماتے مخاطبین میں وکلاء بیرسٹر جج اور اعلیٰ حکاّم سے لے کر غریب امیر سب موجود ہوتے مگر ہر شخص کا محاسبہ اس طرح کیا جاتا تھا۔ جو اس شخص کے خاص نفسیاتی حالات کے لحاظ سے مفید ہو، فرمایا کرتے تھے کہ" یہ نہ سمجھنا کہ میں صرف ڈانٹنا ہی جانتا ہوں۔ بلکہ ضرورت کی بناء پر خلوص کے ساتھ اس کو اختیار کرتا ہوں۔ ورنہ اگر خلوص نہ ہوتا۔ تو کیوں کہتا اور یہ سب کیوں خاموش رہتے"

صبح کی مجلس خاص میں منتہی طلباء اور علماء شریک ہوتے اور بعد نماز ظہر کی مجلس میں عام لوگوں کو شرکت کی اجازت ہوتی، متوسلین و مریدین کی اصلاح کی خاطر وصیۃ السالکین، وصیۃ الاخلاص، وصیۃ الاخلاق، توقیر العلماء جیسی معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کا شمار حضرت حکیم الاّمت تھانوی رح کے ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی آپ پر خاص عنایات تھیں، مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رح اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ، "۱۳۴۶ھ کی پہلی حاضری تھانہ بھون میں روزانہ مجلس خاص و عام میں شرکت ہوتی تھی۔ ایک روز مجلس میں حضرت حکیم الاّمت تھانوی رح نے مولانا وصی اللہ صاحب کا تذکرہ ایک خاص محبت و عنایت اور تحسین کے انداز میں فرمایا۔ اور مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ان کو جانتے ہیں۔؟ تھانہ بھون کے اس قیام نے میرے قلب میں اپنے ہم سبق (شاہ وصی اللہ) کی سبقت کو قابل رشک اور اپنی تاخیر کو قابلِ حسرت و افسوس بنادیا تھا۔ اس سوال پر بے ساختہ حضرت حکیم الاّمت قدس سرہٗ کے سامنے یہ شعر نکل گیا؎

ماء و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

اِس پر حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ نے ایک خاص لطف کے انداز میں ایک جملہ اِرشاد فرمایا۔ کہ ہاں یہاں یہی دستور ہے۔ کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کو جو کچھ عطا ہُوا ہے اس پر راضی رہنا چاہیئے" بات آئی گئی ہو گئی لیکن اپنے اِس صحرا نورد ہم سبق دوست کے کمالات کی عظمت ہمیشہ دل میں رہی، اِس وقت بھی میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ حضرت حکیم الاُمت رح کے خلفاء میں ایک خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے۔ جو اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہیں۔ اگر ان کی روشنی اس آفتاب عالمتاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی۔ ان میں خصوصیت سے شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب پر نظر جاتی تھی۔ اور حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ان آنکھوں نے اِس کا مشاہدہ کر لیا۔ کہ ان بزرگوں کی مجلس ایک کیمیا تاثیر رکھتی تھی"۔

آپ نے ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء کو رحلت فرمائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ کے والد گرامی کا نام عنایت الرحمٰن تھا والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی ضیاء الدین سنامی تک پہنچتا ہے جو دہلی کے مشہور قاضی اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے، کاندھلہ شروع سے ایک مردم خیز قصبہ رہا ہے۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، مولانا صدیق احمد کاندھلویؒ سے لے کر مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، محمد ذکریا کاندھلویؒ، مولانا محمد علی کاندھلویؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ تک اسی قصبہ کی مایہ ناز ہستیاں ہیں۔

حفظ قرآن کے بعد مولانا اشفاق الرحمٰن صاحبؒ نے کاندھلہ ہی میں مولانا عبید اللہ خلیفہ حضرت گنگوہیؒ سے فارسی و عربی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی حافظ فضل الرحمٰن آپ کو اپنے ساتھ بھوپال لے گئے۔ جہاں آپ نے مدرسہ سلیمانیہ میں داخلہ لیا۔ اور پیر ابو احمد سے چند کتابیں پڑھیں چونکہ بھوپال میں آپ کا دل نہیں لگا، اس لئے واپس کاندھلہ تشریف لے آئے۔ بھوپال سے جس چیز نے آپ کو کھینچا اور غیبی طور سے اس آفتاب رشد و ہدایت سے فیض یاب ہونا تھا۔ جس کے وجود سے خانقاہ امدادیہ کی زینت تھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا اصل دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جس نے آپ کی زندگی پر نہایت ہی گہرا اثر ڈالا، بعد میں آپ کی زندگی مستقلاً اسی شمع ہدایت کے زیر اثر ہو کر رہ گئی۔ خانقاہِ امدادیہ کے داخلہ کا واقعہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ آپ کے ماموں مولانا محمد اسمٰعیل جو حضرت حکیم الامت کے پیر بھائی تھے۔ آپ کو داخل کرانے کے لئے لے گئے۔ اور آپ سے فرمایا کہ میں اشفاق کو لے کر آیا ہوں، مجھے

آپ کی سب شرطیں منظور ہیں لیکن ایک شرط میری بھی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا وہ کیا، کہنے لگے۔ کہ معمولی سی بے قاعدگی پر آپ اسے یہاں سے نہیں نکالیں گے۔ حضرت تھانویؒ نے منظور فرمایا اور یوں آپ کی زندگی کا نہایت اہم دور شروع ہوا۔ خانقاہ تھانہ بھون میں ہدایہ مشکوٰۃ کے درجہ تک کی تمام کتابیں حضرت تھانویؒ سے پڑھیں۔ پھر حضرت تھانوی ہی کی منشاء سے مظاہر العلوم سہارنپور میں دورہ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ جہاں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سے حدیث پڑھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ خرجو تشریف لے گئے۔ اور کچھ زمانہ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ کیونکہ ابتدا ہی سے آپ کو افتاء اور حدیث سے خاص شغف تھا۔ آپ نے اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔ فن طبابت قدیم زمانہ سے شرفاء کا پیشہ رہا ہے۔ کاندھلہ میں بھی بہت نامی گرامی اطباء گزرے ہیں۔ آپ نے فن طب کی تکمیل مولانا صدیق احمد کاندھلویؒ اور مولانا رضی الحسن سے کی اور جلال آباد سہارنپور میں کئی سال تک مطب چلاتے رہے

آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے۔ اور حضرت حکیم الامت سے تعلق پیدا ہونے کا اصل سبب خانقاہ امدادیہ میں داخلہ ہے۔ جہاں آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت کا اصلی دور شروع ہوا۔ یہیں آکر آپ کے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل ہوئی۔ کیونکہ آپ نے اکثر کتابیں حضرت تھانویؒ یا آپ کے زیر تربیت حضرات سے پڑھی تھیں۔ جس سے تعلیمی دور ہی میں آپ کو حضرت تھانویؒ سے گہری عقیدت پیدا ہو گئی۔ جس نے آپ کی زندگی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اور یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ آپ کی نظر میں حضرت تھانویؒ سے تعلق اور آپ کے یہاں حاضری سے بڑھ کر کوئی چیز مہتم بالشان ہی نہیں تھی۔ بار بار حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونا اور وہاں قیام فرمانا آپ کا شیوہ اور حضرتؒ کی منشاء کے مطابق مراحل زندگی طے کرنا آپ کا خاصہ

بن گیا۔ آپ کے اس تعلق اور جذب وکیف علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی بناء پر آپ سے حضرت تھانویؒ کو بھی آپ سے کافی تعلق اور شفقت پیدا ہو گئی تھی، اسی تعلق کی بناء پر آپ کو حضرت تھانویؒ نے مجاز صحبت ہونے کا شرف بخشا، آپ حضرتؒ کی مجالس اور وعظ وتقریر میں شرکت فرمایا کرتے اور حضرت کے مواعظ بھی قلمبند کرتے۔ چنانچہ وعظ تاسیس البیان جو کاندھلہ میں اپنا مکان بنوانے پر افتتاح وبرکت کے لئے کرایا تھا۔ وہ بھی آپ ہی کا ضبط کردہ ہے۔ اور اسی طرح اعانۃ النافع بھی آپ نے ہی قلمبند کیا تھا۔ اس کے علاوہ خانقاہ میں افتاء اور دوسری متعدد نقل مواعظ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت تھانویؒ کے ایماء پر مدرسہ اشرفیہ دہلی تشریف لے گئے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دہلی ہی کے مدرسہ عالیہ فتح پوری چلے آئے۔ اور اپنی زندگی کے اٹھارہ سال اس مدرسہ میں گزارے پھر اکتوبر ۱۹۴۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر بھوپال تشریف لے گئے۔ جہاں جامع احمدیہ میں محدث اول کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ قیام بھوپال کے دوران میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ آپ کے نہایت گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ حضرت علامہ کو بھی آپ کے ساتھ خاص الفت و محبت تھی۔ جو آخر وقت تک باقی رہی، بھوپال میں شروع زمانہ میں روزانہ اور بعد میں ہر تیسرے روز دارالقضاء میں علامہ کے یہاں مجلس لازمی تھی۔ اور برسات وغیرہ کے موسم میں بھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے ہدایت المسلمین بھوپال کے زیر اہتمام پوری ریاست کے تبلیغی دورے کئے، فرمایا کرتے تھے کہ دہلی کے قیام میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے شدید اصرار کے باوجود میں اپنے درسی اور تصانیفی مشاغل پر تبلیغ کو ترجیح نہ دے سکا۔ لیکن اب تجربے نے مجھے اس کی ہم نوائی پر مجبور کر دیا ہے۔"

انجمن ہدایت المسلمین کے رسالہ نشانِ منزل کی ادارت بھی آپ کے ہی سپرد تھی۔ اس میں آپ تفسیر قرآن کریم کے زیر عنوان مسلسل مضمون تحریر فرمایا کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے یہاں دار القضاء میں درس قرآن کریم کا حلقہ ہوا کرتا تھا۔ جب علامہ حج کو تشریف لے جانے لگے۔ تو مولانا اشفاق سے فرمایا کہ میرے حلقے کو سنبھالئے فرمایا کہ میرے درس میں آپ کے لوگوں کو کیا لطف آئے گا۔ میں آپ جیسا درس تو نہیں دے سکتا، ہاں آپ کے لوگوں کو مصروف رکھوں گا۔ اور مثنوی کا درس دے دوں گا۔ چنانچہ مسجد مشکور خان میں درسِ مثنوی کا حلقہ قائم ہوا۔ اور علامہ ندوی کی واپسی کے بعد بھی یہ حلقہ قائم رہا۔

بہر حال آپ زندگی بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم فرما دیا۔ اور آخر دم تک یہی سلسلہ قائم رہا۔ تدریس کے علاوہ چند بلند پایہ کتب بھی تالیف فرمائیں۔ جن میں جامع ترمذی کی مفصل عربی شرح، شمائل ترمذی کی شرح، حاشیہ سنن نسائی "مراۃ التفسیر" "احسن البیان" فی مقدمۃ القرآن" تفسیر سورۃ فاتحہ"، احکام رمضان" وغیرہ شامل ہیں۔

جنوری ۱۹۵۸ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۹۳ھ کو اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے عمر میں تیرہ برس چھوٹے تھے، آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بہ چھاؤں کے رہنے والے تھے مگر چونکہ عمر کا بیشتر حصہ پھولپور میں گزارا تھا اس لئے پھولپوری کے نام سے مشہور ہو گئے، گاؤں ہی میں ایک پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ ابھی دو ہی روز گزر رہے تھے کہ آپ کے دادا نے آپ کی والدہ صاحبہ کو خواب میں ہدایت کی کہ وہ عبدالوہاب سے کہہ دیں کہ اس بچے کو دین کی تعلیم دلوائیں، آپ کے دادا صاحب نسبت بزرگ تھے اور مولانا عبد السبحان صاحب سے بیعت تھے جن کا سلسلۂ بیعت چار واسطوں کے بعد حضرت مرزا مظہر جاناں سے جا ملتا ہے، آپ کے والد صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے جونپور مولانا ابوالخیر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا جو مولانا سخاوت علی صاحب خلیفہ حضرت سید احمد شہید کے بیٹے تھے، آپ مولانا ابوالخیر مکیؒ سے دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا سید امین الدین نصیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے، اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی اسی دوران میں ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کانپور تشریف لائے تب ہی سے آپ کے دل میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی عقیدت اور محبت بیٹھ گئی اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ کر لیا، آپ کو چونکہ معقولات کا بہت شوق تھا اس لئے مدرسہ عالیہ رامپور تشریف لے گئے جو اس زمانہ میں منطق

اور فلسفہ کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ سیتاپور میں کچھ عرصہ کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر جونپور میں تقریباً پانچ سال تک صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے اس زمانہ میں آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے ہمراہ سرائے میر اعظم گڑھ تشریف لائے جہاں حضرت کا وعظ ہوا اور عیدگاہ ہی میں ۱۳۳۸ھ میں آپ نے حضرت حکیم الامت سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے، ۱۳۳۳ھ میں آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مشورہ سے پھولپور میں مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا جس کی بنیاد حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسہ کا نام پھولپور کی نسبت سے روضۃ العلوم رکھتا ہوں، ۱۳۴۹ھ میں حضرت پھولپوری نے قصبہ سرائے میر میں ایک اور مدرسہ بیت العلوم بھی قائم کیا اور حضرت تھانوی نے اس مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی اور اس مدرسہ کا نام بھی حضرت تھانوی ہی کا تجویز کردہ ہے اس کا نام سرائے کی نسبت سے بیت العلوم رکھا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دارالعلوم بنادیں، مولانا پھولپوری اس مدرسہ کے انتظام کی خاطر اپنے گھر پھولپوری سے پانچ میل دور قصبہ سرائے تشریف لے جایا کرتے اور اگر کبھی وہاں پورا دن ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا نمک گھی لے جاکر علیحدہ پکواتے اور تناول فرماتے، آپ نے مدرسہ سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ ہی کبھی تنخواہ لی، محض رضائے الٰہی کے لئے دس میل کا سفر اختیار کیا کرتے تھے، آپ کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت نے فرمایا:۔

"مولانا عبدالغنی ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں، پہلوان آدمی ہیں، پھر علمی و عملی کمال جدا، مگر وضع سے مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بھی کچھ ہیں یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے سب اصلاحیں اسی سے ہوتی ہیں مولوی عبدالغنی کس قدر سادہ ہیں کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں، ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا دیتا ہے، مولوی محمد عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں اور تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ

و یُحِبُّ الجمال اور یہ جب تک ہے حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جائے گی تو اللہ جمیل ویحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جائے گا" پھر کچھ عرصہ بعد فرمایا :۔کہ اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے ہیں، غریبوں کی سی وضع ہو گئی ہے یہ کیا ہے یہ سب کچھ ذکر کی برکت ہے ۔" (بزم اشرف کے چراغ)

حضرت مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو شروع ہی سے راہ خدا میں اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ ہر وقت بے چین رکھتا تھا اسی کیفیت کے تحت آپ نے ایک مشہور اُستاذ کو اپنے مدرسہ پھولپور میں ایک معتدبہ مشاہرہ پر دس برس تک رکھا اور ان سے فن سپاہ گری کے فنون کی تکمیل کی ،ایک استاذ سے کشتی بھی سیکھتے رہے اس لئے قوت جسمانی بہت قوی تھی، تھانہ بھون میں اپنے شیخ کے حکم سے بعض اہل علم حضرات کو آپ لاٹھی سکھاتے تھے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت تھانوی نے آپ کی فن سپاہ گری کو دیکھ کر فرمایا کہ جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھارہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا" ایک دفعہ اور موقعہ پر فرمایا کہ :۔

"ہمارے مولوی عبد الغنی ہزار آدمیوں کے مقابلہ کے لئے تنہا کافی ہیں اور اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت ہو تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے ۔"

آپ کے مزاج میں خلاف دین کاموں کو دیکھ کر سخت تغیر ہوتا اور جوشِ غضب میں مخالفین دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے، ایک بار ایک مولوی صاحب نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے آپ کے غصہ کے متعلق شکایت کی تو انہوں نے فرمایا :۔کہ

"اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے ورنہ دشمن کھا جائیں گے ۔"

حضرت پھولپوری کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ کپڑے ہمیشہ گھر میں دُھلوانے تھے اگر فرضاً

کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دیا گیا تو بعد میں دوبارہ اس کو گھر میں دھلوا کر استعمال فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے : کہ میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں حق تعالیٰ سے میرا خاص معاملہ ہے کہ اگر میں اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے اس لئے میں اپنے نفس کے لئے یہ اہتمام کرتا ہوں "۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کے یہاں آپ کا جو خاص مقام تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے :۔ کہ ایک مرتبہ مولانا پھولپوری نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی، تو حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا :۔ اے آمدنت باعث صد شادی ما "

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا :۔ اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق "

ایک مرتبہ آپ بلا اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوئے اس وقت حضرت تھانوی لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا "نعمتِ غیر مترقبہ"۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند نے حضرت تھانوی سے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے کے لئے ایک آدمی بھیج دیجئے، حضرت تھانوی نے مولانا پھولپوری سے دریافت کیا کہ میں آپ کو دیوبند بھیجتا ہوں آپ کیا تنخواہ لیں گے، آپ نے عرض کیا کہ حضرت چنے چبا کر پڑھاؤں گا "اس پر حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کریں گے "بہر حال حضرت پھولپوری کا مقام بہت بلند تھا اور اپنے شیخ سے خاص لگاؤ اور عشق تھا۔ آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے علاوہ کئی کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں " معرفتِ الٰہیہ " اور معیتِ الٰہیہ میں آپ نے اپنے شیخ کے ارشادات کی روشنی میں لکھی ہیں " صراطِ مستقیم " اللہ کی محبت پر ایک الہامی کتاب ہے " براہین قاطعہ " بھی حضرت کے ملفوظات ہیں حق تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرمائے، ۱۲ اگست ۱۹۶۳ء کو رحلت فرمائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

آپ کا اصل نام انیس الحسن اور کنیت ابو نجیب تھی بعد میں رنگون کے ایک تاجر سلیمان کے نام سے متأثر ہو کر آپ کے اہل خاندان نے آپ کا نام سلیمان رکھا۔ آپ نسب کے اعتبار سے دودھیال کی طرف سے "حسینی" اور ننھیال کی طرف سے "زیدی سادات" سے تعلق رکھتے ہیں آپ کا وطن بہار کے ضلع پٹنہ میں دیس کا علاقہ ہے، آپ ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء بروز جمعتہ المبارک صبح کے وقت حکیم ابوالحسن صاحب ندویؒ کے گھر پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولانا حکیم ابوالحسن صاحب ایک ممتاز عالم دین ایک بہترین طبیب اور سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ کامل تھے اُن کا ظاہر و باطن تقویٰ کا آئینہ دار تھا، حضرت علامہ ندویؒ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں اپنے والد ماجد اور اپنے برادر بزرگ ابوحبیب مجددی سے حاصل کی، آپ نے اپنے بڑے بھائی کے بارے میں فرمایا کہ میں اپنے بھائی صاحب کے فیض صحبت سے اپنے قلب میں پاکی محسوس کرتا تھا"۔ گویا یہ ابتداء تھی جس کی تکمیل بعد میں حضرت حکیم الامتؒ مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی، ابتدائی تعلیم کے بعد پھلواری ضلع پٹنہ کی خانقاہ میں مولانا محی الدین سجادہ نشین خانقاہ پھلواری سے کچھ اور کتابوں کی تکمیل فرمائی، پھلواری کے بعد مدرسہ امدادیہ بھنگہ میں ایک سال تک درس نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں اور پھر ۱۹۰۱ء میں ذہن و فکر کی آخری تربیت گاہ۔ "ندوۃ العلماء لکھنؤ" میں داخل ہوئے جہاں پانچ سال تک حصول تعلیم کے بعد ۱۹۰۶ء میں فراغ و تکمیل کی سند ملی، اسی ماحول میں آپ کو حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ جیسے مشہور

زمانہ ادیب، مؤرخ، متکلم، فلسفی، محقق اور مفکر کی تربیت و نگہداشت کا ماحول میسر آیا۔ اس دارالعلوم کے قیام کے دوران میں آپ نے جو کچھ حاصل کیا اس میں بعض دیگر اساتذہ کرام کا بھی حصہ قابل ذکر ہے، اس سلسلہ میں مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی، مولانا حفیظ اللہ، مفتی عبداللطیف اور مولانا عبدالحئی فرنگی محل خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حضرت علامہ کی ذہانت اور علمیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ:۔ جب ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کے سلسلہ میں مارچ ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ کے وسیع حال میں جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا، اس جلسے کی صدارت مولانا غلام محمد فاضل، ہوشیار پوری نے کی۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے ماہر فن علم و عمل شریک تھے، حضرت علامہ مرحوم کو عین وقت پر جلسۂ عام میں عربی میں تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے موضوع تقریر ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی" مقرر کیا، آپ نے اس موضوع پر عربی میں اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے ہر طرف سے احسنت اور آفرین کی صدائیں بار بار بلند ہو رہی تھیں اور تمام جلسہ محو حیرت تھا اس منظر کو دیکھ کر آپ کے استاذ محترم علامہ شبلی مرحوم نے جوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر علامہ ندوی کے سر پہ باندھ دیا جو آپ کے واسطے ہمیشہ کے لئے طرۂ افتخار بن گیا علامہ شبلی نے اپنے اس مایہ ناز شاگرد کے کرشمۂ علمی و لسانی کی اطلاع مولانا حبیب الرحمن شروانی مرحوم کو بھی دی۔ اس واقعہ سے علامہ سید سلیمان ندوی کی عظمت و فضیلت کا ایک ناقابل تردید ثبوت ثابت ہوا اور اس کے بعد خود علامہ شبلی کے دل میں اپنے اس شاگرد کی اہلیت و صلاحیت کے لئے بہت زیادہ اعتماد و اعتراف پیدا ہو گیا، آپ کی علمی گہرائی کا اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "زندگی کے آخری ایام میں حضرت علامہ شبلی نے علامہ ندوی کو تار دے کر بلوایا اور فرمایا کہ "سیرت النبی" میری تمام عمر کی کمائی ہے سب کام چھوڑ کر سیرت تیار کر دو"۔ حضرت علامہ ندوی نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ ضرور پوری ہو گی"۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت کا سہرا حضرت علامہ قدس سرہٗ کے سر رکھا اور آپ نے سیرت النبی کی باقی جلدیں لکھ کر

ایک بہت بڑا فریضہ سرانجام دے دیا۔ مختلف علوم کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد چالیس برس کی عمر تک حضرت علامہ مرحوم علمی، تحقیقی اور تصنیفی مشاغل میں مصروف رہے مختلف علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے ہی تھے، کہ آپ کو "الندوہ" جیسے بلند پایہ خالص علمی ماہنامے کا مدیر بنا دیا گیا، رسالہ کی ادارت تو برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبۂ تصنیف و تالیف تھا۔ اس رسالے کا معیار اس قدر اعلیٰ تھا کہ ملک کے چیدہ چیدہ اہل قلم کے مضامین ہی اس میں ترتیب اشاعت ہو سکتے تھے حضرت علامہ ندویؒ کے معاصر شہید مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ نگاہیں جس شوق اور بے تابی سے علامہ شبلیؒ کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں اس سے کچھ کم اشتیاق حضرت سلیمان ندویؒ کے بھی علمی افادات کا نہیں رہتا تھا۔" حضرت علامہ ندویؒ نے اس زمانے میں جس قسم کے مضامین سپرد قلم کئے اُن کی اہمیت وقت پسندی اور گوناگوئی کا اندازہ آپ ان چند مضامین کے عنوانات ہی سے کر سکیں گے۔

اشتراکیت اور اسلام، علم ہیئت اور مسلمان، اسلامی رسدخانے، مسئلہ ارتقاء، برنابا کی انجیل، مکررات القرآن، طبقات ابن سعد کا تعارف، قیامت، ایمان بالغیب وغیرہ حضرت علامہ ندویؒ کی علمی قابلیت و جامعیت کا اعتراف عظیم اہل علم اور اساتذہ نے کیا، علامہ شبلیؒ اس سلسلہ میں اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۲ء میں اپنے خطبہ میں برملا فرمایا کہ۔ ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا" صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے اس زمانے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جدید عربی اور علم کلام کے ایک اعلیٰ اُستاد کی ضرورت پیش آئی، علامہ شبلیؒ نے یہ اہم مسندِ درس اپنے اس جوان عمر لیکن پختہ علم شاگرد کے سپرد کردی اور وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب بلاشبہ لاجواب تھا۔ ۱۹۱۲ء میں برصغیر کی سیاست میں اسلامی اتحاد کی تحریک پیدا ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ سے اپنا شہرہ آفاق رسالہ ہفت وار "الہلال" نکال رہے تھے انہوں نے ان حالات میں حضرت علامہ صاحب کی معاونت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے الہلال کے ادارۂ تحریر میں شامل ہونے کے لئے زور دیا مولانا

آزاد کی اس خواہش و کوشش پر علامہ شبلی مرحوم نے خود سید صاحب کو یہی مشورہ دیا اور سید صاحب مرحوم مولانا آزاد کے ساتھ مل کر تحریر کے میدان میں علمی و ادبی اور سیاسی خدمات سرانجام دینے لگے، آج تک چار دانگ عالم میں "الہلال" کی علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کا جو شہرہ ہے بلاشبہ اس میں سید سلیمان ندوی کی کوششوں کا بھی ایک بڑا حصہ ہے۔ ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی کی وفات کے بعد آپ ہی کو اُن کا علمی جانشین مقرر کیا گیا اس کے بعد آپ اعظم گڑھ تشریف لائے اور دار المصنّفین کا قیام عمل میں آیا اور آپ کی علمی شہرت کا شہرہ دور دراز تک پھیل گیا۔ دار المصنّفین کے قیام کے بعد حضرت علامہ مرحوم کے روز و شب پہلے سے بھی بڑھ کر علمی مشاغل میں صرف ہونے لگے اس دور میں کچھ موقعوں پر بعض قومی رہنماؤں نے ملکی سیاسی سرگرمیوں کی طرف دعوت دی لیکن آپ سیاست میں آنے سے اجتناب کرتے تھے باوجود ان کے سیاست کے الگ تھلگ رہنے کے پھر بھی اکثر ہم عصر ان کی سیاسی بصیرت و فراست کے قائل و معترف تھے ایک بار مہاتما گاندھی نے ان کے بارے میں کہا تھا:۔ کہ

"یہ بڑا چاتر مولوی ہے"۔

حضرت ندوی نے سیاست میں باقاعدہ حصّہ نہ لینے کے باوجود اپنی زندگی میں بعض ایسے کارہائے نمایاں بھی انجام دیئے جن کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، سید صاحب مرحوم نے ۱۹۳۷ء میں مجلس علمائے بنگال کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرمائی اور اس میں انگریزی حکومت کے جبر و تشدد کے باوجود ایسا جرأت آموز خطبہ دیا جس سے لوگوں کے قلوب اور ذہنوں سے انگریز کی مرعوبیت اُٹھ گئی ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری فرنگی محل وغیرہ کے اطر یہ وفد تحریک خلافت کے ساتھ علماء ہند کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے یورپ تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

۱۹۴۷ء میں سید صاحب نے جمعیت علمائے ہند اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت کے فرائض انجام دیئے، اس اجلاس کے شرکاء میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ جیسے جلیل القدر علماء دین بھی شریک تھے، اس اجلاس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت دیا وہ مسلمانوں کی سیاست میں قابلِ یادگار ہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر عہدِ رسالتؐ میں اشاعتِ اسلام کے عنوان پر تقریر فرمائی، اس اجلاس میں دیگر علماء و فضلاء کے علاوہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم ایسے مشاہیر بھی شامل تھے جنہوں نے سید صاحب کی علمی فضیلت اور اہلیت و صلاحیت کا اعتراف فرمایا۔ ہندوستان کی آزاد اور متحدہ حکومت کی صورت میں جو مسائل پیدا ہو سکتے تھے اور جو خدشات پیش آ سکتے تھے انہیں اپنی خداداد بصیرت اور فراست سے بھانپ کر انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ سوراج قائم کرنے کے بعد مسلمانوں کے پیش نظر جو معاملات ہیں ان میں ایک مطالبہ یہ بھی ہو کہ آئندہ حکومت میں مسلمانوں کے خاص مذہبی اور شخصی قوانین کے تحفظ و ترقی اصلاح و استحکام کے لئے علیحدہ انتظام ہو جانا چاہیئے ان چند مثالوں سے ان کی قومی ملکی خدمات کے دائرہ کار اور ان کے مزاج و طبیعت کے مطابق اقدامات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تحریک پاکستان میں حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے ہم خیال اور ہم مسلک تھے اور پوری طرح پاکستان کے حامی اور خیر خواہ رہے، قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے ہم عصر علماء مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے شانہ بشانہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے کام کرتے رہے۔

۱۹۵۱ء میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا، علم ظاہری کے علاوہ علم باطنی میں بھی ایک بلند مقام پر فائز تھے روحانی سلسلہ وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ سے منسلک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فیض صحبت سے سید صاحب کی زندگی میں اس قدر واضح انقلاب رونما ہوا کہ وہ ایک طرح دنیائے علم سے دنیائے معرفت

کی طرف آگئے اور بقول مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مدیر معارف کہ علامہ سید صاحب حضرت تھانوی کے تعلق کے بعد صبغۃ اللہ میں بالکل رنگ گئے تھے وَمَن اَحْسَنُ مِنَ اللہِ صِبْغَۃً اور ان میں بڑا روحانی انقلاب پیدا ہو گیا تھا الغرض حکیم الامت تھانوی کی بیعت و خلافت کے بعد آپ پر جو اثر ہوا اس کا انداز آپکی تحریر و تقریر اور اشعار سے لگایا جا سکتا ہے آپ اپنے معاصرین میں بلند مقام رکھتے تھے اور آپکی جامع شخصیت کا آپ کے ہمعصر علماء نے اعتراف کیا ہے، مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ :۔

"مولانا سید سلیمان ندوی ایک جید عالم، محدث، مدبر، محقق تھے"۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"وہ اپنے اوصاف و کمالات میں آئمہ اسلاف کی یادگار تھے"۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی فرماتے ہیں کہ سید صاحب کے فاضل اجل اور عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے، دنیا کو مسلم ہے کہ فن تاریخ میں امام وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں :۔ کہ

"آپ قرآن و حدیث فقہ و کلام و تصوف اور تاریخ اسلامی کے جس جس عنوان پر آپ نے قلم اٹھایا وہ اپنی مثال آپ تھے عربی فارسی اور اردو کے ادیب شاعر تھے"۔

بہر حال آپ ایک تاریخ ساز شخصیت ہونے کے باوجود نہایت متواضع، منکسر المزاج، خندہ جبین اور لطیف الروح تھے عزم استقلال کا پیکر اور حق و صداقت کے علمبردار تھے اخلاق و عادات میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی کے عین نمونہ تھے اور وقت کے شیخ کامل تھے اور عارف باللہ تھے ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے برابر اسلامیہ کالج کراچی میں محو آرام ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (تفصیل کے لئے "تذکرہ سلیمان" ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

آپ ۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہو گئے، جونپور میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مشہور طبیب مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی سے حاصل کی اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی اور مولانا ہدایت اللہ خان تلمیذ خاص مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے پڑھیں، دینیات کی تعلیم کے لئے مولانا عبدالغفار کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جو حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ میں تھے، ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر اولاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے، تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال میں مدرسہ عالیہ فتح پوری کے مدرس دوم بنائے گئے پھر عمری ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۲۷ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا، ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک مدرسہ دارالعلوم موضع اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں صدارتِ تدریس کی خدمات انجام دیں، ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا، ۱۳۶۴ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسندِ صدارت کو رونق بخشی، وہاں کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتح پوری میں صدارتِ تدریس کی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں بنگالی میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند آ گئے، ۱۳۷۷ھ میں مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ دارالعلوم کی مسندِ صدارت

تدریس پر فائز ہوئے اور تادم واپسیں اس پر متمکن رہے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو برصغیر کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت مولانا بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم وفن خصوصًا علم کلام وعقائد میں یگانۂ روزگار تھے، آپ نے تفسیر وحدیث، عقائد وکلام اور دوسرے علوم کی نمایاں خدمات انجام دیں، آپ کے درس وتدریس کی مدت ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ساٹھ سال ہوتی ہے، طلباء آپ کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے اور آپ کے افاداتِ عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی، درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ لطائف وظرائف کے پیرائے میں دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے کا خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا، قصص وحکایات کو مسائل پر اس طرح منطبق کر دیتے تھے کہ مسئلے کے تمام پہلو واضح اور منقح ہوجاتے تھے آپ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری مناسبت پیدا ہوجاتی تھی اور ان پر علم ودانش کی راہیں کھل جاتی تھیں وہ اپنے عہد میں عقائد وکلام، منطق وفلسفہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا، آپ کے اوصاف وکمالات کے متعلق حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحبؒ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:-

> حضرت مولانا بلیاویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، درسیات کے مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور اُستاذ تھے، اپنی حیات طیبہ کا بہت حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس وتعلیم میں ہی صرف کیا اور پورے

ساٹھ برس تک تدریسِ علومِ دینیہ کی خدمت انجام دی، ذکاوت
قوتِ حافظہ ، اور حسنِ تعبیر میں خصوصاً معقول و منقول کے
مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور ہندو
پاک کے تقریباً تمام علماء کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ
تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے
سلف کی یادگار تھے۔[1]

بہرحال آپ کی ساری عمر درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں گزری، تدریس کے ساتھ ساتھ چند مفید رسائل بھی تالیف فرمائے جن میں رسالہ "مصافحہ" اور رسالہ تراویح اردو میں ہیں۔ ایک رسالہ انوار الحکمۃ فارسی میں ہے یہ رسالہ منطق و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے، "سلم العلوم" پر آپ کا حاشیہ عربی میں "ضیاء النجوم" ہے، آخر میں جامع ترمذی پر حاشیہ لکھ رہے تھے جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی اور صحت خراب ہوتی چلی گئی، آخر کار ۲۴ رمضان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء بروز چہار شنبہ عالمِ آخرت کو تشریف لے گئے، قبرستانِ قاسمی دیوبند میں محوِ آرام ہیں۔
حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

[1] ماہنامہ بینات کراچی۔ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ

حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

حضرت مولانا گیلانیؒ بہار کی مردم خیز سرزمین کے دُرِّ شاہوار تھے، ۹ ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ کو اپنی ننھیال استھانواں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن گیلان میں اپنے چچا حکیم سیّد ابو النصر مرحوم سے پائی، ۱۳۲۴ھ میں مزید تعلیم کے لئے مولانا برکات احمد صاحب مرحوم کے ہاں ٹونک گئے، مولانا برکات احمد معقولات کے ایک نامور عالم تھے سات سال تک اُن سے معقولات کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں پھر مرکز علومِ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۳۱ھ میں آپ نے دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث میں شریک رہ کر دارالعلوم سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی، دارالعلوم میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے اساتذہ کے علمی اور روحانی فیضان و تربیت سے مالا مال ہوئے، مولانا گیلانیؒ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ مدت تک رسالہ "القاسم" اور "الرشید" میں معاونِ مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اس زمانے میں آپ نے اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرزِ نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا "سوانح ابوذر غفاری اور" کائنات روحانی" دونوں کتابیں اُن کے اُسی دور کی یادگار ہیں۔ پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی سفارش سے مولانا گیلانیؒ کا حیدرآباد دکن کے جامعہ عثمانیہ میں تقرر ہو گیا جہاں جلد ہی شعبۂ دینیات کے صدر منتخب ہو گئے اور تقریباً ۲۵ برس تک حیدرآباد میں علمی خدمات انجام دیتے رہے اس دوران ہزاروں افراد نے آپ کے درس و تربیت سے فیض حاصل کیا؛ "النبی الخاتم" "الدین القیم" "تدوین

حدیث، ہزار سال پہلے، نظامِ تعلیم و تربیت آپ کے علمی شاہکار ہیں، آپ کی سب سے آخری تصنیف "سوانح قاسمی" ہے جو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کمالات پر مکمل و مفصل تالیف ہے اِن کے علاوہ سینکڑوں مقالات و مضامین آپ کے قلم سے نکلے، اور ملک کے بلند پایہ رسائل و جرائد میں شائع ہوئے، آپ کا جو والہانہ اسلوب تحریر میں پایا جاتا تھا، وہی والہانہ رنگ تقریر میں بھی تھا، آپ اپنے علم و فضل، وسعتِ مطالعہ، دقّت نظر، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں نادرۂ روزگار تھے،

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ: "حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند میں سے تھے، صاحب طرز مصنّف، ذہین و ذکا اور طبّاعی میں منفرد تھے، تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند کے رسالہ "القاسم" کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کئے گئے اور عرصہ دراز تک علمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے، اس کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے، اس دوران میں بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں جن میں "کائناتِ روحانی" "سوانح ابوذر غفاری" "النبی الخاتم" "اسلامی معاشیات" "رحمۃ اللعالمین" اور امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی وغیرہ آپ کی مخصوص اور مشہور تصانیف ہیں، آخر زندگی میں احقر کی فرمائش پر "سوانح قاسمی" تین جلدوں میں مرتب کی جو آپ کی تصانیف میں ایک شاہکار تصنیف ہے، اس کے بارے میں جب احقر نے ان سے فرمائش کی۔ تو بہت خوشی اور امنگ سے اُسے قبول کرتے ہوئے کہا:۔ کہ

میری علمی زندگی کی ابتداء "القاسم" ہی سے ہوئی تھی اور انتہا بھی شاید "القاسم" یعنی حضرت نانوتویؒ کی زندگی ہی پر ہوگی،

چنانچہ یہی ہوا کہ سوانح قاسمی کی چوتھی جلد آپ نے شروع کی پانچ صفحے لکھنے پائے تھے کہ عمر فانی نے جواب دیدیا اور "القاسم" ہی پر انتہا ہوگئی"۔ [۱]

---

[۱] تاریخ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ آپ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حُسن ظاہر اور حُسن باطن سے خوب نوازا تھا، ان کی شیریں گفتاری، شگفتہ بیانی اور اس کے ساتھ ان کی نورانی صورت اور خندہ پیشانی نے اُن کی شخصیت میں عجب دل آویزی اور دلکشی پیدا کر دی تھی وہ اپنے حلقۂ احباب میں بڑے محبوب اور اپنے حلقۂ تلامذہ میں بڑے مقبول تھے اور جو اُنؑ کی صحبت میں ایک مرتبہ بیٹھ جاتا وہ یہ کہتا ہوا اٹھتا تھا کہ "

ع بہت جی لگتا ہے صحبت میں اُن کی

مولانا کی قرأت میں بڑا سوز اور حلاوت تھی قلب پر اس کا اثر پڑتا اور جی چاہتا کہ قرأت طویل ہو، مولانا کی مجلس میں بڑا انبساط تھا اور علمی و درسی اصطلاح میں تنزل بھی تھا، لطائف بھی تھے، واقعات بھی تھے اور چیدہ و منتخب اشعار بھی، وہ بھی ترنم کے ساتھ، دلنوازی اور شفقت بھی تھی اور علمی و تحقیقی شان بھی اور یہ سب اسی لطائفِ روح اور سبک جانی کا نتیجہ تھا جو اُن کو عطا ہوئی تھی، مولانا مرحوم عالموں میں عالم تھے، ادیبوں میں ادیب، مورخوں میں مؤرخ، فقیہوں میں فقیہہ، محدثوں میں محدث، مفسروں میں مفسر، غرضیکہ فارسی اردو ان کا یکساں مذاق تھا اور وہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے اور بلا مبالغہ وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت ملنی مشکل ہے، والغیب عنداللہ تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنف تھے اور حقیقت میں اسلاف کی یادگار تھے "[1]

بہر حال آپ کے مقام علمی و عرفانی کے اندازہ کے لئے آپ کے شیخ و مربی حکیم الامت

[1] پرانے چراغ مولفہ سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا یہ ارشاد گرامی ہی کافی ہے کہ :-

"مناظر احسن کے سارے مناظر احسن ہیں"۔

آپ کی ساری زندگی درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد اور خدمتِ اسلام میں گزری، قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طلبی پر پاکستان تشریف لائے تھے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ مل کر اسلامی آئین کی ترتیب و تدوین میں حصہ لیا اور مسودہ آئین تیار کر کے واپس وطن تشریف لے گئے، اور طویل علالت کے بعد اپنے وطن گیلانی ہی میں ۵؍شوال المکرم ۱۳۷۵ھ مطابق ۵؍جون ۱۹۵۶ء کو وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

● ۔ ہر گناہ سے بچنا چاہیئے یہ مہلک زہر ہے گناہ کرنا ایسا ہے جیسے سنکھیا کھانا ایک شخص ہے، پلاؤ بھی کھاتا ہے، مرغ بھی اور دوسرے عمدہ عمدہ کھانے بھی کھاتا ہے لیکن ساتھ ہی سنکھیا بھی کھاتا ہے دوسرا شخص ہے کہ وہ صرف مکئی کی خشک روٹی کھاتا ہے بغیر سالن کے لیکن سنکھیا نہیں کھاتا تو یہ دوسرا شخص پہلے سے بہت اچھا ہے اسی لئے کہتا ہوں کہ خواہ اعمالِ حسنہ کم ہی کرے یعنی فرائض و واجبات کے علاوہ کچھ نہ کرے لیکن سنکھیا نہ کھائے یعنی گناہ نہ کرے، یہ اس سے اچھا ہے جو تہجد بھی پڑھتا ہے، تلاوت بھی بہت کرتا ہے ذکر وغیرہ میں بھی مصروف رہتا ہے لیکن ساتھ ہی سنکھیا بھی کھاتا ہے یعنی گناہ بھی کرتا ہے جو ان تمام اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔"

(مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

حضرت مولانا عثمانیؒ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور کے مشہور زمیندار اور رئیس شیخ لطیف احمد عثمانی کے گھر پیدا ہوئے آپ کے دادا شیخ نہال احمد عثمانیؒ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند والی زمین ان ہی کی عطیہ کردہ ہے، مولانا عثمانیؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حقیقی بھانجے تھے اور بچپن ہی سے ان کے زیر تربیت رہے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ پھر اپنے ماموں حکیم الامت مولانا اشرف تھانویؒ کی خدمت میں چلے گئے، ان کے بعد ان ہی کے حکم پہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جہاں شیخِ وقت محدّث عصر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور فیض علمی کے ساتھ فیضِ روحانی بھی حاصل کیا اور جلد ہی خود بھی ایک عظیم محدّث، مفسّر، محقق اور شیخ کامل ثابت ہوئے، فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے سات سال کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بلانے پر تھانہ بھون چلے گئے جہاں آئندہ سات برس تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے اسی دوران آپ نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب "اعلاءُ السنن" بیس ضخیم جلدوں میں علم حدیث پر عربی زبان میں تالیف فرمائی، جس کے بارے میں مشاہیر علماء نے اپنے جس حُسنِ ظن کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابلِ غور ہے۔

مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:۔ کہ

"اعلاءُ السنن" کے مؤلف علامہ ظفر احمد عثمانی جو اس دور کے عظیم

محدّث ، مفسّر ، محقق ، مدبّر ، مدقّق ، فقیہہ ، اور عارف کامل ہیں ان کی علمی قابلیت و مہارت کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا یہ کتاب فن حدیث پر ایک قابل دید کتاب اور قابلِ رشک ہے جو اسی عزت مند عالم کا کارنامہ ہے اور کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔"

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رح اس عظیم تالیف کے متعلق اپنی رائے عالی کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ : "حضرت مولانا عثمانی رح کی تصانیف میں " اعلاءُ السُّنن " کے علاوہ اگر کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات ، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور نکتہ و تحقیق کے ذوق ، محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے۔" اعلاءُ السنن " کے ذریعے حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے ، جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے ، حضرت عثمانی نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسانِ عظیم کیا ہے وہاں عُلماءِ حنفیہ قیامت تک اُن کے مرہُونِ منت رہیں گے۔"

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ :-

" حضرت عثمانی ایسے زبردست عالمِ دین اور شیخ کامل تھے جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہوا تھا اس زمانے میں ان کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ، دوسری بیشمار تصانیف کے علاوہ اُن کی دو کتابیں ان کے علوم و معارف کے لئے زندہ دلیلیں ہیں ، ایک احکام القرآن اول کی دو منزلیں اور " اعلاءُ السنن " بیس جلدوں میں تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ گذشتہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آسکی تھی۔"

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ :-

حق تعالیٰ نے حضرت عثمانی رح کو حدیث رسُول کی خدمات جلیلہ سے نوازا تھا اور پھر حضرت

حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ جیسے مرشد و ہادی کی رہنمائی میں علمی خدمات انجام دینے کا حق تعالیٰ نے موقع نصیب فرمایا، اور آپ نے اپنی ذہانت، تبحر علمی کے بدولت حدیث مبارکہ سے مذہبِ حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاءُ السنن" جیسی شہرہ آفاق تالیف کی شکل میں انجام دیا۔ جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشادِ گرامی ہے:۔ کہ

"اِس کتاب کے علاوہ مولانا ظفر احمد صاحب کی اگر کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تب بھی اپنی فضیلت و کرامت کے اعتبار سے یہی ایک اُن کے علمی مقام کے لئے بڑی دلیل ہے۔"

بہرحال حضرت مولانا عثمانیؒ نے کم و بیش پچیس برس تک حضرت حکیم الامتؒ کی رفاقت میں تصنیف و تالیف کا کام کیا اور سینکڑوں کتابیں ان کے قلمِ فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ جن میں "اعلاءُ السنن" کے علاوہ "احکام القرآن" "تلخیص البیان" "القول المیسور فی تسہیل" "ثبات المنشور" "امداد الاحکام" "القول الماضی فی نصب القاضی" "کشف الدجی عن وجہ الربوٰا" "فتح الظفر" "اسباب المحمود" "البیان المشیر" "مرام الخاص" "انکشاف الحقیقت" "القول المنصور" "حقیقت معرفت" "الظفر الجلی بالشرف العلی" "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین" "تردید پرویزیت" "براءۃ عثمان" "فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام" "معاویہؓ ابن سفیان و فضائل جہاد" "فضائل قرآن" "فضائل سید مرسلین" "ولادت محمدیہ کا راز" "حوائج البشریہ اور تعلیم نبوت" "انجاء الوطن" "سفر نامہ حجاز اور انوار النظر فی آثار الظفر" وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کی علمی اور روحانی صلاحیتوں سے اس قدر متاثر اور مطمئن تھے کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: کہ

"مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جو میرے بھانجے بھی ہیں اس دور کے امام محمدؒ اور علومِ دین کا سرچشمہ ہیں۔"

اسی طرح آپ کے استاد و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:۔ مولانا ظفر احمد صاحب اس وقت علم و عمل میں بہت آگے ہیں اور اپنے ماموں حکیم الامت تھانوی کا عین نمونہ ہیں۔"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ رئیس التبلیغ دہلی والوں سے فرمایا کرتے تھے:۔ کہ

"جب بھی مولانا ظفر احمد صاحب دہلی تشریف لایا کریں تو تم لوگ ان کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا کرو، ان کی مجلسوں میں بیٹھا کرو ان سے تقریریں کرایا کرو، اور خوب خوب فائدہ اٹھایا کرو۔"

اسی طرح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے اکابر بھی آپ کی جامع شخصیت کے معترف تھے اور آپ کا بیحد احترام کرتے تھے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک دفعہ آپ کی خدمات کو دیکھ کر فرمایا کہ:۔

"مولانا ظفر احمد صاحب حقیقت میں نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر رہے ہیں۔"

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرمایا کرتے تھے:۔ کہ

"مولانا عثمانی کی تحریر سلف صالحین جیسی ہوتی ہے اور تحریر و تقریر اور کردار و عمل سے قدیم اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہیں۔"

الغرض عہد حاضر میں حضرت عثمانی قدس سرہٗ کا شمار ان علماء کے حق میں ہوتا تھا، جن پر عرب و عجم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا، اور بلا شبہ آپ کا نام برصغیر کے ان مشاہیر علم و عمل کے سلسلہ میں سرِ فہرست آتا تھا۔ بلکہ آپ ان کے صدر نشین تھے۔ جن کے تبحر علمی، تقدس بزرگی، دینی علوم میں کمال جامعیت بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ آپ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے، بلکہ علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی، علوم ظاہری

اور علومِ باطنی دونوں کا مخزن تھی اور بقول مولانا سید عبد الشکور ترمذی مدظلہ کہ علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ مولانا عثمانی کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا، آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقویٰ و طہارت خشیت و للّٰہیت، سادگی و تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔"

آپ کے علمی و روحانی مقام کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں ایسے جید علماء بھی شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی احترام سے گردنیں جھک جاتی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی دین محمد خان بنگالی، حضرت مولانا شمس الحق فریدپوریؒ، مولانا محمود داؤد ہاشم مفتی اعظم برما، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، اور مولانا سید عبد الشکور ترمذی جیسے مشاہیر علم و فضل آپ کے تلامذہ اور خلفاء ہیں، ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین ملک و بیرون ملک دینی و علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں، غرضیکہ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہوا ہے، اور بالخصوص مشرقی پاکستان کے تو چپہ چپہ پر آپ کے جلائے ہوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں، درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد آپ کا اصل مشن رہا، اور مختلف دینی مراکز میں علمی خدمات انجام دیتے رہے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون کے علاوہ ایک طویل عرصہ تک ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے بھی وابستہ رہے اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔

دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی سیاسی و ملی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں اور مسلم لیگ کی جدوجہد آزادی قیام پاکستان کے سلسلہ میں آپ کی خدمات جلیلہ بڑی قابل قدر اور ناقابل فراموش ہیں، آپ کی سیاسی جدوجہد کا آغاز ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ سیشن سے ہوا جہاں مولانا تھانویؒ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے آپ نے حضرت تھانویؒ کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ اور قائد اعظم اور دیگر اکابرین مسلم لیگ کے سامنے حضرت تھانوی

قدس سرہ کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی فرمائی تھی اس کے بعد مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن انتخابات کے سلسلہ میں آپ نے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کے نظریۂ متحدہ قومیت کا اثر تھا، ان مقامات پر پہنچ کر اس کے باطل اثرات کو مٹایا اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس الیکشن کی کامیابی میں مولانا عثمانی قدس سرہٗ کے اس دورہ کا بہت بڑا دخل تھا جس کا برملا اعتراف قائداعظم اور قائد ملت خان لیاقت علی خان مرحوم نے کیا ہے اسی طرح سلہٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت معرکہ آراء مہم تھی اس کی فتح کا سہرا بھی مولانا عثمانیؒ کے سر تھا۔

ملکی سیاسیات میں آپ شروع سے دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے اور آپ نے کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی اور ہر زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور ان کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان کی حمایت میں اکابر علماء کی ایک تنظیم "جمعیت علماء اسلام" قائم کی جس کے پہلے مرکزی صدر علامہ شبیر احمد عثمانی منتخب ہوئے اور جس کے اراکین عاملہ میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی مولانا اطہر علی سلہٹی، مولانا محمد طاہر قاسمی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ حضرات شامل تھے، آپ اس جمعیت کے نائب صدر مقرر ہوئے اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کے موقع پر اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے انتھک جدوجہد کرتے رہے، اور ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کے نام سے دستور اسلامی کا ایک خاکہ علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے ساتھ مل کر قومی اسمبلی میں پاس کرایا پھر خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کے ہمراہ حکومت پاکستان کی طرف سے حکومت سعودی عرب کے

لئے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی، اور میدان عرفات میں سلطان ابن سعود کی درخواست پر مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا، قیام پاکستان کے بعد اردو کو سرکاری زبان کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائد اعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائد اعظم نے اردو کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا۔

جب حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تو آپ کو ایک اعزازی رکن کی حیثیت سے شامل کیا اور آپ نے اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کے اجلاس میں جو مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا اس میں شرکت فرمائی اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا اور ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کرتے رہے الغرض جب بھی آپ نے یہ محسوس کیا کہ اب عملی سیاست میں حصہ لینا مسلمانوں کے مفاد میں ہے تو دوسرے دینی مشاغل علمیہ کے ساتھ ملکی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

۱۹۶۹ء میں جب ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے ملکی سیاسیات میں عملی طور پر حصہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو انتہائی ضعف پیرانی سالی کے باوجود میدان عمل میں نکل آئے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے امیر اعلیٰ کی حیثیت سے ملک کے دونوں حصوں میں مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ فرماتے رہے،

بہرحال آپ ساری زندگی علمی، دینی، تبلیغی، اصلاحی، سیاسی اور ملی خدمات میں مصروف رہے اور اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منور کرتے رہے اور آخر کار ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی، اور مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی ۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا:- کہ
مولانا عثمانی کی وفات سے تمام دینی و علمی حلقے یتیم ہو گئے ہیں، اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے آپ کے علم و فضل، خلوص و عمل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اِن کی صحبت کی برکت سے ہزار ہا بندگانِ خدا کو یقین و معرفت کی دولت میسّر آئی تھی ساری زندگی ذکر و اذکار درس و تدریس، تبلیغ و اصلاح اور خدمتِ اسلام میں گزری، اور آخر میں ۱۹۵۴ء میں میری دعوت پر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں بطور شیخ الحدیث تشریف لائے اور آخر عمر تک اپنے علمی و روحانی فیض سے ایک جہان کو منور کیا اور اپنے علم ظاہر اور علم باطن کے ذریعے ایک جہان کو فیض یاب کیا اللہ تعالیٰ اُن کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ:- حضرت عثمانی کی رحلت سے مسند علم و تحقیق، مسندِ تصنیف و تالیف، مسند تعلیم و تدریس، مسندِ بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں، اور اب ان کو پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا،

مولانا شمس الحق افغانی فرماتے ہیں کہ:- مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو گا وہ اس وقت پورے عالم اسلام میں اسلاف کی یادگار تھے"

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:- حضرت مولانا عثمانی کے سانحہ ارتحال کے ساتھ ہی وہ موجودہ صدی کی پوری تاریخ رخصت ہو گئی ہے حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے ✿ سبزہ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

(تفصیل کے لئے تذکرۃ الظفر، مؤلفہ عبد الشکور ترمذی اور سیرت عثمانی مرتبہ احقر بخاری عفی لہٗ دیکھئے)

ناقمر احمد عثمانی اور مولانا محمد مرتضیٰ عثمانی جید عالم و فاضل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ کا شمار ایسے علمائے حق میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے صرف فرمائی، وہ نہ صرف مفسر عہد مدبر عصر، عالم بے بدل، فاضل اجل، فقیہہ دوراں اور محقق اعظم تھے، بلکہ راہ سلوک و تصوف کے بے مثل امام تھے اور شیخ کامل تھے، عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے اور حقیقت میں ہمارے عظیم اسلاف کی یادگار تھے ان کی زندگی ہم سب کے لئے مشعلِ راہ اور نمونۂ ہدایت تھی،

آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، خاندانی اعتبار سے آپ عثمانیؒ تھے آپ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندیؒ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت مفتی اعظمؒ نے ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی، فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں حساب و فنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحب سے حاصل کی، سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے، اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے جن عظیم المرتبت علمائے امت سے حضرت مفتی اعظمؒ نے شرف تلمذ حاصل کیا، ان میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، عارف باللہ

مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، استاذ العلماء مولانا رسول خان ہزارویؒ اور فخر العلماء مولانا حبیب الرحمن عثمانی جیسے اکابرین شامل ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

زمانہ طالب علمی میں حضرت مفتی اعظمؒ کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا اور امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے، اسی لئے اساتذہ آپ سے بے حد شفقت اور محبت کا سلوک کرتے تھے ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ نے انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لئے استاذ مقرر فرما دیا پھر بہت جلد درجہ علیا کے استاذ ہو گئے، اور تقریباً ہر علم و فن کی جماعتوں کو پڑھایا ان کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا، مگر دورہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ملکوں کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہونا سعادت سمجھتے تھے دار العلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۳۷ سال کے عرصہ میں انڈونیشیا، ملائشیا، سنگاپور، برما، برصغیر، افغانستان، بخارا، سمرقند، وغیرہ کے تقریباً انیس ہزار طلباء نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا، ان میں سے ہزاروں اب بھی مختلف ملکوں میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں، دار العلوم دیوبند میں تدریس کے دوران مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ نے فتویٰ کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے اور اصلاح و تصدیق کے بعد یہ روانہ کر دیئے جاتے ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے، ارباب دار العلوم نے مختلف صورتوں سے دار الافتاء کا کام چلایا، مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل آپ کے سپرد کر دیا گیا، آپ کو اس عظیم کام کی اہمیت کا بہت احساس تھا کیونکہ دار العلوم میں نہ صرف برصغیر کے کونے کونے سے استفسار موصول ہوتے تھے بلکہ دنیا بھر کے ملکوں سے مسلمان مختلف مشکل فقہی مسائل کے بارے میں آخری فیصلوں کے لئے دار العلوم دیوبند سے رجوع کیا کرتے تھے حضرت مفتی صاحب اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صدر مفتی کے منصب کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکیں گے

تاہم حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سرپرستی امداد اور راہنمائی کے وعدے پر انہوں نے یہ عظیم منصب قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ صدر مفتی کے عظیم منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے اور قیام پاکستان تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک و تصوف میں بھی بلند مقام پایا تھا ابتداء میں آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے ۱۹۲۰ء میں بیعت ہوئے پھر ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے، جنہوں نے آپ کی علمی اور روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بیعت قرار دے دیا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء مجازین میں حضرت مفتی اعظم کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور حضرت حکیم الامت آپ پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے آپ تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامت کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تالیفات اپنے قلم سے تصنیف فرمائیں۔ جیسے احکام القرآن اور حیلہ ناجزہ وغیرہ بہرحال آپ پر حضرت حکیم الامتؒ کو ایک خاص اعتماد تھا، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو آپ کی علمی و فقہی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیتے اور فتویٰ طلب فرماتے اور اس پر عمل فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیع کی عمر دراز کرے مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں ایک تو یہ ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں"

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ، فرماتے ہیں: کہ

"کہ حضرت مفتی اعظمؒ ہمارے شیخ حضرت حکیم الامت کے علمی اور روحانی ترجمان اور صحیح جانشین تھے، ہمارے قدیم اسلاف کی یادگار تھے۔ فقہ و تفسیر میں امامت کا

مرتبہ حاصل تھا، ایک مایہ ناز مصنف، ادیب اور شاعر تھے، ایک شیخ کامل تھے اور عارف عارف کامل تھے، الغرض آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور اکابرین امت کو آپ کی ذات پر مکمل اعتماد تھا، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، اور مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے مشاہیر بھی آپ سے رائے لیتے تھے اور آپ کو وقت کا محقق، مفسر، مدبر، اور فقیہہ تسلیم کرتے تھے درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا اور آپ کے قلم فیض رقم سے تین سو سے زائد تالیفات منصۂ شہود پر آئیں جن میں اسلام کا نظام اراضی، ختم نبوت کامل اور سیرت خاتم الانبیاء، کشکول، جواہر الفقہ، مقام صحابہ رضہ مجالس حکیم الامتؒ، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ اور تفسیر معارف القرآن، علمی دنیا کا شاہکار ہیں۔ تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے اور اس دور کا زبردست کارنامہ ہے، جس کے متعلق شیخ الاسلام حضرت ظفر احمد عثمانیؒ کی رائے ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس تفسیر کو لکھ کر تمام علماء اور مفسرین پر احسان عظیم کیا ہے۔"

حضرت مفتی اعظمؒ نے دینی و علمی خدمات کے علاوہ سیاسی و ملی خدمات بھی انجام دی ہیں، آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایماء پر تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا، اور کھلم کھلا مسلم لیگ کی حمایت فرماتے رہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ اور علمائے دیوبند کے شیخ و مربی تھے انہوں نے اپنے متوسلین اور خلفاء کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً قائداعظم محمد علی جناح کی اصلاح اور دینی تربیت کا فیصلہ کیا اور اپنے خلفاء و تلامذہ میں سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضیٰ احسن چاندپوریؒ، مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا جلیل احمد شروانی، مولانا

خیر محمدؒ جالندھریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کو ان کی اصلاح اور تبلیغ کے لئے مقرر کیا، ان حضرات نے زعماء مسلم لیگ کی اصلاح کے لئے تبلیغ دین کا خوب حق ادا کیا جس سے قائداعظم بہت متاثر ہوئے، پھر ان عُلمائے حق نے باقاعدہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور ایک تنظیم "جمعیت علمائے اسلام" کے نام سے تشکیل دی، جس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے اور حضرت مفتی اعظمؒ پاکستان اس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے، حضرت مفتی اعظمؒ نے ۱۹۴۵ء میں لیاقت علی خان مرحوم کے حلقۂ انتخاب میں جہاں کانگریس کا زبردست اثر تھا، مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا، جس کی بدولت ہوا کا رخ بدل گیا اور لیاقت علی خان کامیاب ہوئے اور لیاقت علی خان نے کھلے الفاظ میں یہ اعتراف کیا کہ یہ کامیابی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ کی بدولت ہوئی ہے۔ اسی طرح سرحد ریفرنڈم میں کامیابی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب کے دوروں کی بدولت ہوئی اور اس کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے، اس کا اعتراف خود قائداعظم نے بھی کیا ہے قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے حکم پر دیوبند سے کراچی کو ہجرت کی اور پھر یہاں آکر ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ اور دینی تعلیم کے لئے جدوجہد کی، قرارداد مقاصد کی ترتیب و تدوین اور اس کی منظوری میں آپ کا بڑا حصہ ہے ۱۹۴۹ء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے مرکزی صدر منتخب ہوئے اور آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔ آپ دستور یہ کے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے ایک اہم رکن رہے، بعد میں قانون کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے، ۱۹۵۳ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۵۸ء تک یہ خدمت انجام دیتے رہے ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ پر ہونے والے جید علماء کے اجلاس کی صدارت فرماتے رہے، اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا، اس کے ساتھ دینی تعلیم کے فروغ کا بڑا احساس رہا، ۱۳۷۰ھ

میں نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کراچی میں قائم کیا۔ جو صرف چند ماہ کے بعد ایک مرکزی دار العلوم کی شکل اختیار کر گیا جس میں دو ہزار سے زائد طلباء تحصیل علم میں مصروف ہیں اور ملک بھر میں جس کی شاخیں موجود ہیں اور آپ کا یہ دارالعلوم پاکستان میں دار العلوم دیوبند کی مثال ہے دار العلوم سے ایک دینی جریدہ" ماہنامہ البلاغ" نکلتا ہے جو دنیا بھر میں ایک امتیازی شان حاصل کئے ہوئے ہے آج کل دار العلوم کراچی کے سربراہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔی مدظلہٗ ہیں جو حضرت مفتی اعظمؒ کے قریبی دوست اور پیر بھائی ہیں، دارالعلومؒ کی نظامت حضرت مفتی اعظمؒ کے صاحبزادوں خصوصًا مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی سنبھالے ہوئے ہیں جو اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں حضرت مفتی اعظمؒ کے صحیح طور پر وارث ہیں اور بقول مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند کہ مولانا محمد تقی عثمانی اِس وقت حضرت مفتی اعظمؒ کے صحیح جانشین علمی ہیں،، مولانا موصوف اسلامی نظریاتی کونسل میں بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تمام مسودہ قانون مولانا تقی عثمانی صاحب نے ہی ترتیب دیا ہے اللہ تعالےٰ ان کی عمر دراز کرے اور ان سے زیادہ سے زیادہ دینی و علمی خدمات لیتا رہے آمین!

بہر حال حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی خدمتِ اسلام اور خدمتِ مسلمین میں مصروف رہے اور آخری دم تک درس و تدریس، فقہ و افتاء اور تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے، اتنے بڑے عالم اور مفتی اعظمؒ ہونے کے باوجود منکسر المزاج تھے بڑے خوش اخلاق خندہ جبیں اور لطیف الروح تھے نہایت سادہ اور صاف ستھرا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے تحریر و تقریر میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ حافظہ بڑا غضب کا تھا اور عربی ادب کے شاعر تھے اور پاکستان میں تمام علماء دیوبند کے امام تھے اور سرپرست اعلیٰ تھے ۱۰،۹ اور ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۵/۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔی صاحب عارفی مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی، بڑے بڑے علماء کرام نے آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار

کیا، دینی اور حکومتی اداروں میں تعزیتی قرار دادیں منظور کی گئیں، تعزیتی جلسے منعقد کیے گئے اور اس معمارِ پاکستان دینی، روحانی پیشوا کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ ممتاز عالم دین حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ:-

"آپ سے دار العلوم دیوبند کی پوری تاریخ وابستہ تھی اور ہمارے اسلاف کی آپ آخری یادگار تھے"۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا کہ:-

آپ کی وفات سے تمام علمائے کرام یتیم ہو گئے ہیں"۔

مولانا مفتی محمود صاحب نے فرمایا کہ:-

اب ایسا جید عالم دین اور فقیہہ دین مشکل ہی پیدا ہوگا"،

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے فرمایا کہ:-

"ان کی وفات تمام عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے وہ بہت بڑے محقق، مدبر، مفسر اور فقیہہ تھے"۔

اللہ تعالےٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے آمین۔ علامہ اقبالؒ نے ایسی ہی عظیم شخصیت کے لئے فرمایا تھا کہ"

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اُن علمائے حق میں سے تھے جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ اپنے دور کے عظیم محدث، جلیل القدر مفسّر، بہترین محقق اور بلند پایہ عالم دین تھے، ایک عارف کامل اور مایہ ناز مصنّف تھے آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلۂ نسب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ملتا ہے، آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز علاقہ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر ہے، آپ کے والد ماجد حافظ محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ ایک ممتاز عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ، سے بیعت تھے آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والدِ محترم محکمۂ جنگلات کے آفیسر تھے، نو سال کی عمر میں آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا پھر آپ کے والد محترم ابتدائی دینی تعلیم کے لئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کو لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ:۔

”میں ادریس کو خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں داخل کرنے آیا ہوں اور اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں۔“

اس پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے برجستہ فرمایا کہ:۔

”یوں نہ کہیئے کہ خانقاہ میں داخل کرنے آیا ہوں بلکہ یوں

کھیئے کہ خانقاہ کے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کرنے آیا ہوں ۔"

"سبحان اللہ ، یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی کا نورِ بصیرت اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ مولانا حافظ اسماعیل صاحب کا بیٹا خانقاہی نظام کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے تو قدرت قرآن و سنت کے علوم کی ایسی خدمت لے گی جو صدیوں میں کسی مردِ مومن کا نصیبہ ہوتی ہے ۔"

بہرحال حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر آپ کو خانقاہ اشرفیہ کے بجائے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کردیا گیا اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں خود حکیم الامت تھانوی نے پڑھائیں ، اس کے بعد ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت حکیم الامت آپ کو ساتھ لے کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت میں لے گئے جہاں حدیث و تفسیر ، فقہ ، کلام ، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تکمیل کی ، یہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ، حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب حضرت مولانا ثابت علی صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے اکابر علماء سے استفادہ کیا ۔ اور انیس برس کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم سے فراغت حاصل کی پھر مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے ، جہاں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن عثمانی ، فخر العلماء مولانا حبیب الرحمن عثمانی ، اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندی ، جیسے مایہ ناز اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور دوبارہ دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی ،

فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۲۱ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دہلی سے تعلق قائم ہوا ، مدرسہ امینیہ دہلی کا یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی مدرسہ کی روحِ رواں تھے ، مدرسہ امینیہ سے ایک سال کا تعلق رہنے کے بعد دار العلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی ، اور خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف بخشا۔

کہ اپنے عظیم اساتذہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، جیسے اکابر کے پہلو بہ پہلو مسندِ درس و تدریس پہ فائز ہوئے اور تقریباً نو برس تک دارالعلوم دیوبند سے وابستگی رہی، اس کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر آپ حیدر آباد دکن چلے گئے جہاں کم و بیش نو برس تک دارالعلوم دیوبند سے وابستگی رہی اس کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر آپ حیدر آباد دکن چلے گئے جہاں کم و بیش نو برس تک ہی قیام رہا، اگرچہ نہ وہاں دارالعلوم سے وابستگی جیسی نعمت تھی اور نہ علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانی جیسے علم و حکمت کے سرچشموں سے قرب حاصل تھا، مگر اس اعتبار سے حیدر آباد دکن کا زمانۂ قیام آپ کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ گردانا جا سکتا ہے کہ تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جیسی مایہ ناز کتاب کی تالیف کا موقع ملا اور اس کی ابتدائی چار جلدیں اسی قیام کے دوران دمشق جا کر طبع کرائیں، ۱۹۳۹ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بلانے پر پاکستان تشریف لائے اور دو برس جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے قیام فرمایا اور پھر جب لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہٗ کی سعی و کاوش سے جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ:-

"مولانا میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں۔"

اس پر آپ نے فوراً فرمایا کہ:-

"حضرت! خدمتِ دین کی خاطر مجھے منظور ہے۔"

اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث والتفسیر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اور آخر دم تک اسی جامعہ سے وابستہ رہے اور جامعہ اشرفیہ ہی آپ کی تدریس و تبلیغ کا مرکز رہا۔ ہزاروں طالبانِ علم اسی چشمۂ علم و عمل سے سیراب و شاداب ہوئے، کراچی سے خیبر تک آپ نے تبلیغی دورے کیے اور اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا، لاکھوں

مسلمانوں کی اصلاح فرمائی - آپ کی نورانی مجالس میں ہر قسم کے افراد شریک ہوتے امراء و غرباء زعماء طلباء علماء سب ہی آپ کے درس و مجالس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، آپ جب تقریر فرماتے تو معلوم ہوتا تھا کہ علم و عمل کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور بڑے بڑے علمی نکات چٹکیوں میں حل فرماتے تھے، سامعین پر آپ کی تقریر کا بےحد اثر ہوتا تھا بڑے سادہ اور علمی انداز میں وعظ فرماتے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ خطاب فرما رہے تھے بڑے بڑے علماء اور خطباء تشریف فرما تھے سامعین بڑے ذوق و شوق سے تقریر سن رہے تھے، دوران تقریر کسی علمی نکات پر مدلّلانہ دلیل بیان فرما رہے تھے کہ آپ کی علمی قابلیت اور دینی بصیرت سے متاثر ہو کر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوران تقریر مجمع کے سامنے کھڑے ہو گئے اور شدتِ جذبات میں فرمانے لگے کہ:- لوگو! دیکھ لو! یہ ہیں ہمارے اکابر جس کا علم و تقویٰ بے مثل ہے لوگو! خوب دیکھ لو اور سُن لو! یہ دار العلوم دیوبند کے قابلِ فخر فرزند ہیں اور اس دور کے محدث اعظم اور محقق اعظم ہیں"

ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ مسرت و جذبات میں جھوم رہے تھے۔ اسی طرح استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

مولانا محمد ادریس صاحب کا علمی مقام بہت بلند ہے وہ علم و عمل کا گہرا سمندر ہیں"

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:-

"مولانا ادریس صاحب صرف عالم ہی نہیں بلکہ ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں اور اپنے زمانہ کے محدث، مفسر، محقق، ادیب و متکلم ہیں"

آپ شیخ المحدثین والمفسرین تو تھے ہی، مگر اپنے زمانہ کے مایۂ ناز مصنّف بھی تھے اور آپ کے قلم فیض رقم سے سینکڑوں تالیفات منصّہ شہود پر آئیں جن میں تفسیر معارف القرآن شرح

مشکواۃ، سیرت مصطفےؐ، شرح بخاری، عقائد اسلام، اصول اسلام، خلافت راشدہ، ختم نبوت اور اسلام و نصرانیت علمی شاہکار ہیں، آپ کی تالیف "سیرت مصطفےؐ" کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

"مولانا حافظ محمد ادریس صاحب جو علمی و عملی کمالات کے جامع ہیں اُن کی "سیرت مصطفےؐ" تالیف قلب پر بے حد اثر کرتی ہے اور قلب کو سکون بخشتی ہے"

ایک اور مایہ ناز تصنیف تعلیق الصبیح شرح مشکواۃ المصابیح" کے بارے میں آپ کے استاد محترم علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی شرح مشکواۃ کی مانند کوئی شرح روئے زمین پر موجود نہیں ہے"

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا محمد ادریس صاحب ایک عالم با عمل تھے اور اُن کے اساتذہ کو بھی ان پر فخر ہے انہوں نے عربی میں جو شرح مشکواۃ لکھی ہے وہ ہمیشہ اُن کا نام روشن رکھے گی"

آپ کے علمی مقام کے بارے میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"جی چاہتا ہے کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا علم چُرا لوں"

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا کاندھلوی کا مقام بہت بلند تھا وہ علماء اولیاء اور اتقیاء کی صف میں بلند مقام رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری و باطنی خوبیوں سے خوب نوازا تھا وہ اپنے علمی و عملی کمالات میں بے نظیر تھے"

بہرحال آپ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند تھا۔ اور وہ اپنے دور کے علماء محدثین کے امام مانے جاتے تھے، اخلاق و عادات میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے، نہایت متواضع منکسر المزاج اور مہمان نواز تھے، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں:۔ کہ آپ دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے سارے اوقات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور رہتے تھے، کتابوں کے عاشق تھے جو نئی کتاب شائع ہوتی فوراً خرید لیتے تھے متبع سنت اور حق و صداقت کے پیکر تھے، اہل علم کے قدر دان تھے اور بڑی قابل قدر شخصیت کے مالک تھے"!

آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے منسلک تھا اور آپ کا سیاسی مسلک بھی اپنے شیخ کے عین مطابق تھا، نظریۂ پاکستان کے دل سے حامی تھے، اور آخر دم تک پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے، تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے قادیانیت کی تردید کرتے رہے، اپنے ہمعصر علماء و اکابر کے محبوب و محبوب رہے، خصوصاً علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانوی، اور مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ سے گہرے تعلقات تھے اور یہ حضرات ایک دوسرے کا حد سے زیادہ احترام و اکرام فرماتے اور دینی و ملی معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ فرماتے رہتے تھے، غرضیکہ آپ کی ساری حیات طلبۂ اسلام کی خدمت میں گزری، آپ ایک سچے عاشق رسول اور ولیٔ کامل تھے، کئی بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور ۷، رجب المرجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی جو آپ کے صحیح علمی اور روحانی جانشین ہیں اور حدیث و تفسیر کے مایۂ ناز عالم ہیں انہوں نماز جنازہ کی امامت فرمائی، حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

(تفصیل کے لئے "تذکرہ ادریس" ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

آپ کا وطن میرٹھ تھا اور آپ ایک نہایت شریف سید گھرانے کے چشم و چراغ تھے،
۱۳۱۶ھ کو شہر بدایوں میں آپ پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد حاجی تہور علی صاحبؒ محکمۂ
پولیس میں انسپکٹر تھے، ابتدائی تعلیم الہ آباد کے انگریزی اسکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم حضرت
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا ایک وعظ سننے کے بعد آپ کو علوم دینیہ کی
طرف توجہ ہوئی تو والد صاحبؒ نے ۱۳۳۳ھ میں آپ کو حضرت الشیخ مولانا خلیل احمد
صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں سہارنپور مظاہر العلوم میں داخل کر دیا۔ یہاں حضرت مولانا ظفر
احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ اور
حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے تمام علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۳۶ھ میں دورۂ حدیث
پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی اور پھر وہیں ۱۳۳۷ھ میں معین مدرس مقرر ہوگئے، مگر جلد ہی
مدرسی چھوڑ کر مزید تعلیم اور مکرر دورۂ حدیث کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور یہاں
دورۂ حدیث میں شریک ہو کر ۱۳۳۹ھ میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی
عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ
جیسے اکابر علماء سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سندِ فراغتِ تعلیم حاصل کی، پھر ۱۳۴۰ھ
میں دار العلوم دیوبند ہی میں اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو مسندِ تدریس پر فائز ہوئے، ۱۳۴۶ھ
کے وسط میں اپنے استاذ مکرم علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
چلے گئے وہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ پانچ سال تک حضرت علامہ کشمیریؒ کے درس

صحیح بخاری میں پورے التزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے، ۱۷ سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علم حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیں آخر میں صدر مدرس منتخب ہوئے پھر صحت کی خرابی کی وجہ سے ڈابھیل سے بہاولپور چلے آئے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے استاذ کے علوم و معارف کو "فیض الباری علی الصحیح البخاری" کے نام سے چار جلدوں میں مرتب فرمایا جس میں اپنے استاذ حضرت علامہ کشمیریؒ کی نادر علمی تحقیقات اور تفردات کو پیش کر کے آپ نے ایک عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ۱۳۶۲ھ میں آپ ندوۃ المصنفین سے وابستہ ہو گئے جہاں آپ کو ترجمان السنۃ کے نام سے اردو زبان میں حدیث کی ایک جامع کتاب کی ترتیب کا کام سپرد ہوا، جسے آپ نے بڑی شان سے شروع فرمایا چار جلدیں لکھ چکے تھے کہ حیاتِ مستعار کی مدت پوری ہو گئی۔ آپ نے اولاً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کو تھاما اور آخر میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی سے وابستہ ہو گئے تھے اور انہیں سے خلافت حاصل کی ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے، اور یہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قائم کردہ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر اُستاذ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، یہاں درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے ساتھ ساتھ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور اپنے ہمعصر علماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے شانہ بشانہ دستور اسلامی کی ترتیب و تدوین میں مصروف رہے، ۱۹۵۱ء میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام کے اجلاس میں شریک رہے، جس میں بائیس نکات پر مشتمل دستور اسلامی کا خاکہ حکومت کو پیش کیا گیا تھا اسی طرح تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے ردِ قادیانیت فرماتے رہے۔

محدّث عصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری آپ کی علمی، تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات اور اوصاف و کمالات کے بارے میں اپنے تفصیلی تاثرات میں فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ اُن ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم دین کی ساکھ قائم ہے جن سے مدرسے آباد ہیں، ممبر بارونق ہیں، موصُوف قابل مدرس، فاضل مقرّر، کامیاب و مقبول مصنّف تھے: اردو، عربی کے ادیب و شاعر تھے، موثر اسلوب، شگفتہ طرز ادا کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں جو اُن کی نوک زبان سے بکھرتی تھیں۔ موثر تعبیر دل نشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق و صفا کے مجسمہ تھے، ورع و تقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے نصیحت و خیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے نہایت زیرک و مدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے، پاک و ہند اور جنوبی و مشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگانِ خدا ان کی تربیت و تزکیہ اور بیعت و ارشاد سے فیضیاب ہوئے اور شریعت کی پابندی و استقامت ان کو نصیب ہوئی، قوی عالم تھے، صاحبِ فراست بزرگ تھے، مدینہ طیّبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی اُن کی سرشت و طبیعت میں بہت کارگر اور موثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار و برکات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اُن کے فطری جوہر کھُلے، کرم گستری، مہمانوازی، مروّت، جوانمردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے ابتدائی دورِ طالب علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کے برکات سے بہرہ اندوز ہوئے، اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہٗ کے ارشد خلفاء عارف باللہ فقیہہ و محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے مرکز توجہات والطاف رہے اور اُن کے آغوشِ شفقت میں تربیت نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃ من آیات امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ کے آغوش تربیت میں پہنچے، دیوبند میں اُن کے فیض اور انوارِ علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصۂ دراز تک ان انفاس قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے برکات سے مالامال ہوتے رہے، انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار و اشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحبؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا، الغرض اس طرح علمی و عرفانی سرچشموں سے کما حقہٗ سیرابی کا موقع نصیب ہوا، اور اپنے عہد کے ممتاز اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیضیاب اور ان کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات و انفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی، خاک پاک مدینہ نے اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابل رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے "فیض الباری" شرح بخاری چار ضخیم جلدوں میں جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے، بزبان عربی میں ہے اور "ترجمان السنۃ" اردو میں خدمتِ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم و دین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے۔"

"جواہر الحکم" کے نام سے احادیثِ نبویہؐ کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمات کے طور پر انتہائی دلنشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے تین حصّوں میں شائع ہو چکا ہے یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کی شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے، ان کے علاوہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، زبدۃ المناسک، آوازِ حق" ترجمہ الحزب الاعظم" "شانِ حضور" "قسمت کا ستارہ اور محبوب الارث وغیرہ تالیفات آپ کے قلمِ فیض رقم سے نکلیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغتِ تحصیل علوم کے بعد دار العلوم دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دار العلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز رہے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً رد قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے۔

سنہ ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے قافلہ کے ہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے "مہاجر" اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاولپور اور بہاولنگر آپ کا مرکزِ فیض رہا اور آخر میں دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار (سندھ) میں استاذِ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ زادھا اللہ نوراً کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا، چنانچہ البدر الساری تعلیقات فیض الباری میں انتہائی والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا،

رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرفِ قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوارِ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا نے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی، عبادت و استقامت، ادب و سکون، ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبویؐ کی حاضری نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ علالت نے صاحبِ فراش بنا دیا، پورے چار سال صاحبِ فراش رہے، اس دور میں صبر و شکر و رضا بالقضاء کے جو منازل طے کئے اور

جو نعمتیں اُن کو نصیب ہوئیں قابلِ صد رشک ہیں -

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کے خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالم تاب سے زیادہ بانور ہے اس خادم علم دین، اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا، یعنی یوم جمعہ ۲ رجب ۱۳۸۵ھ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو واصل بحق ہو گئے،

الغرض ذوق و وجدان، بصیرت و عرفان، علم و عمل، ورع و تقویٰ کا یہ پیکر نوری، تقریر و تحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت و شگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب و اقرباء و مخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا،

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادمِ علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوان الٰہی سے سرفراز فرمائے، آمین ::

★ "ہمارے اکابر اپنے متعلقین و احباب کو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ - کی تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اس دعا کو صبح و شام کم از کم سو بار پڑھا کریں اس سے زیادہ جتنی ہمت ہو۔"

(شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رح)

★

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ؒ

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اُن جلیل القدر علمائے میں سے ہیں جن کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ مسلّم ہے آپ کی ولادت باسعادت اپنی ننھیال میں بمقام عمروال بلبہ، تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۸۹۵ء کو ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا، آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں جناب میاں شاہ محمد صاحبؒ کے زیر تربیت رہے جو قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت اور بے حد متقی اور صالح بزرگ تھے، قرآن بھی انہی سے پڑھا، ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ لیا اور دو سال تک وہاں مکتبی تعلیم حاصل کی بعد ازاں مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مولانا فضل احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی فقیر اللہ جالندھریؒ سے صرف و نحو فقہ و اصول، فلسفہ و منطق اور ادب کی کتابیں پڑھیں، کچھ عرصہ مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے اکتسابِ فیض کیا بعد ازاں مدرسہ منبع علوم گلاؤٹھی میں مولانا غلام نبی، مولانا کریم بخش پنجابی اور مولانا محی الدین سے علوم و فنون اخذ کئے پھر اعلیٰ تعلیم مولانا محمد یٰسین سرہندی، مولانا سلطان احمد پشاوری، مولانا سلطان احمد بریلوی اور مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری سے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حاصل کی اور سندِ حدیث حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندیؒ سے حاصل کی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ مہتمم (دار العلوم) دیوبند کے دستِ مبارک سے سندِ فراغ عطا ہوئی، سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ کو اسی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں اساتذہ نے تدریس پر مامور کیا، قریباً ایک سال

تک وہاں قیام رہا۔ ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ عربیہ منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا، اور وہاں ایک عرصہ تک درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں بعدازاں اساتذہ رائپور کے ایماء سے مدرسہ عربیہ فیض محمدی جالندھر میں درس و تعلیم اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ علماء دیوبند کی سب سے اہم خصوصیت ہی ان کی ظاہر و باطن کی جامعیت ہے وہ بیک وقت حال و قال کا مجمع البحرین رہے ہیں، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد اصلاح باطن کی تکمیل ان کے یہاں ناگزیر ہے اور جب تک کسی شخص میں مدرسہ و خانقاہ بہم یکجا نہ ہوں تب تک اس کی شخصیت نامکمل اور ادھوری رہتی ہے۔ حضرت مولانا جالندھری نے تربیتِ باطنی اور تکمیل سیرت کے لئے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو منتخب کیا جہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے اور جہاں انسان سازی کا کام بڑی باقاعدگی اور سلیقہ سے ہو رہا تھا۔ آپ کی تھانہ بھون سب سے پہلی حاضری ۱۳۴۲ھ میں ہوئی اور ایک سال تک اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد آپ کی درخواست پر حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے بتاریخ ۹ ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بعد نماز مغرب مسجد خانقاہِ اشرفیہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا اور خلافت سے بھی نوازا۔ اسی دوران آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ایک معیاری مدرسہ کے قیام کا داعیہ ہوا، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے آپ نے اس تجویز کا ذکر کیا، حضرت حکیم الامتؒ نے اس کی تحسین فرمائی تو توکلاً علی اللہ مسجد عالمگیر اٹاری بازار جالندھر میں مورخہ ۱۹ ر شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ ر مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا آغاز کر دیا گیا، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس کا نام "مدرسہ عربیہ خیر المدارس" تجویز فرمایا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کے علم و فضل اخلاص و تقویٰ اور حسنِ انتظام اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی کی بدولت "خیر المدارس" کو بہت جلد مقبولیتِ عامہ نصیب ہوئی اور پنجاب کے

طلباء کا مرجع بن گیا پھر یہ مدرسہ ۱۹۴۷ء تک جالندھر میں تعلیمی خدمات انجام دیتا رہا اور قیام پاکستان کے بعد آپ نے ملتان شہر کے وجود کو جو دورِ قدیم سے اکابر اہل اللہ کا مہبط رہا ہے شرف بخشا اور ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گیان تھلہ بیرون دہلی دروازہ ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور حضرت مولانا جالندھری قدس سرہٗ کے علاوہ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری، حضرت مولانا عبدالشکور کاملپوری، حضرت مولانا عبدالشکور کاملپوری، حضرت مولانا محمد شریف کشمیری اور حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ اور دیگر اکابر علما کی تدریسی خدمات نے "خیر المدارس" کو اسم بامسمّٰی بنا دیا، اور ہزاروں طالبان علم اس چشمۂ فیض سے سیراب و شاداب ہو کر ملک و بیرون ملک دینی علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں۔

مدرسہ خیر المدارس اپنی چند منفرد خصوصیات کی بناء پر ہمیشہ اکابر امت کا ممدوح رہا ہے ذیل میں چند حضراتِ اکابر کی آراء گرامی درج کی جاتی ہیں۔ جن سے مدرسہ اور اس کے بانی کا مقام بخوبی واضح ہو جاتا ہے، حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔ "یہ مدرسہ خیر المدارس ابتدائے تعمیر ہی سے

> حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی سرپرستی میں اہلِ حق کا ایک اچھا مرکز رہا ہے اس کے سالانہ جلسوں سے بھی صحیح تبلیغ کا بہت نفع پہنچتا رہا ہے اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت تھانوی اور بانی و مہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ہمیشہ پاکستان کے حامی رہے اور اب پاکستان میں آنے کے بعد جہاں تک میرا علم ہے اس کے اساتذہ ملازمین پاکستان کی بقاء اور استحکام کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں۔"

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی خیر المدارس کے متعلق فرماتے ہیں:۔ کہ

"یہ مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اور یہ مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔"

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ :-

"یہ مدرسہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذاتِ گرامی کے اہتمام اور خوبیٔ انتظام کا بہترین ضامن ہے اور مدرسین میں علم و عمل کے انوار نمایاں ہیں۔"

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نامِ نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہو گیا اُن کا مدرسہ پہلے جالندھر اور پھر پاکستان کے شہر ملتان میں ایک مرکزی مدرسہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے جہاں سے سینکڑوں علماء و فضلاء صلحاء اور قراء فارغ ہو کر ملک کے مختلف طبقوں میں دینی و علمی خدمات میں مشغول ہیں۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

یہ مدرسہ خیر المدارس تقسیم ہند سے پہلے جالندھر میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی سرپرستی میں جاری تھا اور یہ نام خیر المدارس بھی حضرت حکیم الامتؒ ہی کا تجویز کردہ ہے اور تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی سرپرستی میں دینی و علمی خدمات انجام دیتا رہا ہے اس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ہیں جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ اور شریعت و طریقت کے زبردست عالم ہیں میرے علم میں اب تک پاکستان میں

اس شان کی کوئی درسگاہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس خیر کثیرہ کے چشمۂ فیض کو قیامت تک جاری رکھے۔ آمین۔

بہرحال یہ مدرسہ خیر المدارس بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، کہ:۔

"حضرت مولانا جالندھریؒ کے حسنِ انتظام عمق علم اور حسنِ نیت و اخلاص کی اساس ہے اور آپ کی محنت و مقبولیت کا ثمرہ ہے"

حضرت اقدس مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم و تدریس اور اصلاح و تربیت کے لئے وقف تھیں، سیاست سے عملاً ہمیشہ بے تعلق رہے، مگر مسلمانوں کی صلاح و بہبود کے لئے ہر طرح کوشاں رہے، تحریک پاکستان میں آپ کا موقف اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے موافق تھا، قیام پاکستان کے بعد قرار دادِ مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دست راست تھے، ۱۹۵۱ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اسلامی دستوری خاکہ (۲۲ نکات) مرتب کرنے کے لئے اکابر علماء کا جو اجتماع کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا اس میں شرکت فرمائی، ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جن ممتاز علما کو دعوت دی گئی ان میں آپ بھی شامل تھے، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور تعاون فرمایا۔ اور زندگی کے آخری لمحے تک مجلسِ تحفظ ختم نبوت کے سرپرست، مشیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین رہے، اور آخر تک حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ اکابر علماء کے ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے

حضرت مولانا جالندھری قدس سرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مختلف ذوق اور نظریات کے حضرات آپ کے حسنِ تدبر، اخلاص اور معاملہ فہمی پر مکمل اعتماد کرتے تھے اسی بناء پر مختلف حلقوں کو جوڑنے اور ان کے مابین پیدا شدہ غلط فہمیاں رفع کرنے میں بڑا مؤثر

کردار ادا کرتے تھے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد جب جمعیت علماء اسلام کے بزرگوں میں اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے اتحاد و اتفاق کرانے کے لئے بڑی محنت کی اور متعدد بار لاہور و کراچی کا سفر کیا بالآخر ۱۹۵۴ء میں کراچی میں اکابر جمعیت کا اجلاس طلب کیا جس میں بالاتفاق حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ جمعیت کے صدر منتخب ہوئے، اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو نائب صدر منتخب کیا گیا، ۱۹۶۹ء میں پھر نا اتفاقی ہوئی تو آپ نے بستر علالت پر اتفاق و اتحاد کی کوششیں کیں الغرض اخلاق و اوصاف میں آپ اپنی نظیر آپ تھے، حق تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت جالندھریؒ کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی جب وفاق المدارس کے اجتماعات میں اُن سے مصاحبت و ہم نشینی کے مواقع میسر آئے تو انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش و غضب سے پاک دیکھا، عقل و دانش اور حلم و تدبر اُن کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور سبک روح تھے اور بڑی قابل قدر ہستی تھی اور مولانا جالندھریؒ اپنے دور کے جید عالم دین تھے، بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و للّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے اُن کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمّٰی ہے اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفوس اصلاحِ اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی اور صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا[1]"

[1] :- ماہنامہ بینات کراچی دسمبر ۱۹۷۰ء

الغرض آپ ایک عظیم محدث، مدبر، محقق اور عارفِ کامل تھے، متبع سنت اور حق وصداقت کا پیکر تھے، درس و تدریس اور وعظ وارشاد آپ کی زندگی کا اصل محور تھا، اور تصنیف و تالیف کا شغل بہت ہی کم تھا تاہم چند مفید رسائل تالیف فرمائے "خیر الاصول" "خیر التنقید فی اثبات التقلید" "خیر الوسیلہ" "تیسر الابواب" "خیر المصابیح فی اثبات التراویح" "نماز حنفی مترجم" آخری عمر میں صحیح بخاری کی ایک مختصر سی شرح بھی تحریر فرمائی اور اپنے کچھ حالات بھی قلمبند کئے۔

آپ کے مقام علمی و روحانی کے متعلق حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب بڑے عالم اور بزرگ تھے، علم کے پرکھنے کے لئے تو ان کی تالیفات، درس و تدریس، خیر المدارس کی بنیاد، مناظرے تبلیغ اسلام کے مواعظ، مجلسی گفتگو حاضر و بعید سب کے لئے شاہد عدل ہیں مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے، اس لئے اہل علم ہی ان کے علمی مرتبے کو پہچان سکتے ہیں۔ جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے، پہچان لیتے ہیں ورنہ دوسروں کے لئے تو سب یکساں ہی معلوم ہُوا کرتے ہیں یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی علمی مہارت اہل علم میں معروف و مشہور ہے مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا، اس تک ہر اہل علم بھی نہیں پہنچ سکتا "ولی را ولی می شناسد" ایک صحیح قاعدہ ہے باطن میں کیا درجہ ہے اس کو اہل باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں دوسروں کے بس کا کام نہیں ہے، اس کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں ان کا بیعت و تربیت کی اجازت نامہ اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب تربیت مجمع فرما کر اعلان فرما دیا

تھا جو "اشرف السوانح" میں درج ہے اِس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نامِ نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا تھا:۔ کہ "انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے" چونکہ حضرت مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت و فوقیت کو انجن کی زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے، حضرت حکیم الامت کی اُن دو شہادتوں کے سامنے اور کسی کی تعریف و ستائش پر کتاب کی کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔" ۲ ؎

بہر حال آپ کی عالمانہ رفعت و عظمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، آپ اپنے ہمعصر اکابر علماء کے محب و محبوب تھے بالخصوص علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ آپ کے بڑے قدر دان تھے اور مرتبہ شناس تھے۔

آپ کی پوری زندگی تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور دعوت و تبلیغ میں بسر ہوئی لاکھوں افراد آپ کے فیضِ علمی و روحانی سے مستفیض ہوئے۔ اور آخر کار یہ مردِ مومن ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اور مولانا شمس الحق افغانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور خیر المدارس کے دار الحدیث کے عقب میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ بڑے بڑے علماء و زعماء نے اظہار تعزیت کیا، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ:۔

(۲ ؎ مکتوب گرامی بنام احقر بخاری عفرلہٗ)

"مولانا کی وفات کے بعد عُلماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں وہ اس زمانہ میں عُلماء سلف کی یادگار تھے اور تمام علماء میں افضل اور قابل احترام تھے"

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں :- کہ

"حضرت جالندھری کی موت عقل و دانش، علم و وقار، تدبر و تنتظم اور مکارمِ اخلاق کی موت ہے اُن کے وجُود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی محفلیں آباد و با رونق تھیں"

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے یہ تاریخ وفات لکھی تھی ؎

وفات جس کی ہے بیشک وفات علم و عمل
یہ کیسی ہستیٔ بے مثل کھو گئی تاریخ
سرِ الم سے پکارا جو آج ہاتف نے
ا
وفات خیر محمد ہی ہو گئی تاریخ !!

۱۳۸۹
۱
۱۳۹۰

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ

محدث کبیر، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جو ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت اور تبلیغ و ارشاد میں گزارتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے آپ کے آباد واجداد شرافت و دیانت پاکیزگی عمل اور دینداری میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب اپنے وقت کے مشہور طبیب ایک سنجیدہ عالم دین، نہایت متقی اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی پیدائش ۷، اگست ۱۸۷۲ء کو ضلع کیمبل پور میں ہوئی۔ آبائی وطن کیمبل پور ہونے کی وجہ سے نسبت کامل پوری ہونی چاہیئے تھی، مگر یہ نسبت آپ کے نام سے مناسبت نہیں رکھتی تھی اس لئے کمال تقویٰ و علم کی وجہ سے کاملپوری نسبت مشہور ہوئی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور لطافت طبع مشہور ہے اس لئے آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں۔"

آپ بچپن ہی سے خدا ترس، رحم دل، خوش اخلاق اور سنجیدہ طبیعت تھے۔ بچپن سے تعلیم کا شوق تھا قرآن مجید اپنے وطن ہی میں پڑھا۔ پھر ابتدائی تعلیم عربی اور فارسی شمس آباد میں پڑھی، اس کے بعد مکھڈ تشریف لائے۔ اور مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب سے شرح جامی اور ملا حسن تک کتابیں پڑھیں پھر آپ نے ہندوستان کا عزم کیا اور ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں مظاہر العلوم میں حضرت اقدس مولانا خلیل

احمد سہارنپوریؒ اور مولانا عبداللطیفؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا عنایت علیؒ اور مولانا عبدالوحیدؒ جیسے اکابر مدرسین موجود تھے اور اپنے فیضِ علمی سے دنیا کو سیراب کر رہے تھے آپ نے مظاہر العلوم میں داخلہ لے کر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عبداللطیفؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، جیسے اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ اور ۱۳۳۱ھ میں سندِ فراغت تعلیم حاصل کی۔ پھر مکرر دورۂ حدیث کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد احمد قاسمیؒ سے کتب احادیث پڑھیں، اور مظاہر العلوم سہارنپور کی طرح دار العلوم دیوبند سے بھی نمایاں کامیابی حاصل کی، فراغتِ تعلیم کے بعد اپنے استاذ کرم حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے حکم پر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور اپنے استاذ مکرم کے لگائے ہوئے باغ علم کے مستقل باغبان بنے اور قیام پاکستان تک آبیاری کرتے رہے،

۱۳۴۴ھ میں مظاہر العلوم کی تاریخ میں یہ انقلاب آیا کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا، مظاہر العلوم سے حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی روانگی واقعی بڑی حیران کن واقعہ اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔ مگر آپ نے تلامذہ کی ایک ایسی پاکیزہ اور قابل و لائق جماعت تیار کر لی تھی، کہ آپ کو یقین کامل تھا کہ میرے جانے کے بعد اس چمنستانِ علم کی رکھوالی اور اس گلستان چمن کی شرافت کی نگہبانی کی پوری صلاحیت ان میں موجود ہے، چنانچہ آپ عازم مدینہ منورہ ہوئے، اور آپ کی جگہ آپ کے قابل و لائق شاگرد حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ صدر مدرس مقرر ہوئے اور قیام پاکستان تک علمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اس عرصہ میں ہزاروں طالبان علم فیضیاب ہوئے۔ اور علوم دینیہ سے اپنے سینوں کو منور کیا، تقسیم ملک کے بعد آپ بھیووی تشریف لائے اور وہاں سے استاد العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے، جہاں تین سال قیام فرمایا اور سینکڑوں علماء آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور

کی طرف سے شیخ الفقہ کے عہدہ کے لئے آپ کو دعوت دی گئی، مگر آپ نے وہاں جانے سے انکار کردیا۔ پھر شوال ۱۳۶۹ھ میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے عہدۂ شیخ الحدیث کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاں تین سال شعبان ۱۳۷۲ھ تک حدیثِ رسولؐ کے چراغ جلاتے رہے۔

آپ ایک جیّد عالم، قابل مدرس، محقق، محدث، اور فقیہ ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے ایک شیخ طریقت اور آسمانِ روحانیت کے آفتاب بھی تھے آپ نے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دستِ حق پر بیعت کی، اور پھر وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مسلسل کئی برس سلوک و تصوّف کے منازل طے کرنے کے بعد ان کے خلیفۂ مجاز مقرر ہوئے، آپ کی روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ آپ کو کامل پوری نہیں بلکہ کامل پورے فرمایا کرتے تھے۔

آپ کو اپنے شیخ سے از حد محبّت تھی اور ساری زندگی اُن کے بتائے ہوئے اصولوں پر گزار دی، اپنے ہم عصر علماء و اکابرین کا بھی بیحد احترام کرتے تھے خصوصًا مولانا ظفر احمد عثمانیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، اور مولانا شمس الحق افغانی کے محب و محبوب تھے مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے بھی گہرے تعلقات اور مراسم تھے اور ان حضرات کا بے حد احترام فرماتے تھے اسی طرح آپ کے ہمعصر علماء بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے، اور آپ کی شخصیت کا کھلا اعتراف کرتے تھے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک مرتبہ خیر المدارس ملتان کے قیام کے دوران فرمایا:۔ کہ قیامت کے روز اتنا کہہ دینا اپنے لئے کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کو دیکھا ہے"
علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا کہ:۔ مولانا عبدالرحمٰن کی شان کا کیا کہنا

ایک ایک خط مکاتیب عبادۃ الرحمٰن میں ایک ایک مقام پایا ہے"۔

مولانا عبدالباری ندویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

مولانا کی قدر تو وہ آدمی جانے گا جسے صحابہؓ کرامؓ کی زندگی پسند ہو"۔

مولانا مفتی محمدؒ شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا۔ اور زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر مولانا عبدالرحمن صاحب کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا"

محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:۔ کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کاملپوری علوم اسلامیہ و دینیہ اور عقلی و نقلی فنون کے جامع ترین عالم تھے۔ اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں وہ عالم و عارف تھے صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے علم اصول و کلام کے ایک ماہر اصول اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے، کوہ وقار و تمکنت، پیکر علم و عمل، تواضع و انکساری اور اصلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، تواضع خاموشی اور کم گوئی آپ کی ایک فطری کرامت تھی، بڑے قابل قدر بزرگ تھے"۔

(تجلیات رحمانی مؤلفہ سعید الرحمٰن)

بہرحال آپ کا مقام بہت بلند تھا، اور اپنے وقت کے عظیم محدث، فقیہ اور شیخ کامل تھے، آپ کے تلامذہ میں بڑے جلیل القدر علماء بھی شامل ہیں جن کے اسمائے گرامی سے آپ کی عظیم شخصیت اور علمی مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، مولانا اسعداللہ سہارنپوریؒ، مولانا شمس الحق فریدپوریؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، مولانا غلام غوث ہزاروی،

مولانا محمد احمد تھانوی؂، اور مولانا ابرار الحق صاحبؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، یہ تمام علماء بھی اپنے اپنے وقت کے جیّد ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں،

الغرض آپ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے اور آخر کار ۲۷ر شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۵ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے نمازِ جنازہ پڑھی، اور حضرت مولانا نصیر الدین نے امامت کے فرائض انجام دیئے، اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تفصیل کے لئے "تجلیاتِ رحمانیؒ" ملاحظہ فرمایئے)

● "حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ یہ دونوں قلب کی ایسی بیماریاں ہیں جن کے باعث انسان کی دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی تاریخ میں اب تک جتنی انسانیت سوز لڑائیاں لڑی گئیں اور جو فساد برپا ہوئے اُن میں سے اکثر و بیشتر کو انہی دو بیماریوں نے جنم دیا تھا۔"

(مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ)

حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ

مخدوم العلماء والصلحا حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان کے اُن علماء حق میں سے تھے، جنہوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر کام کیا، آپ مشرقی پاکستان میں دیوبندی مسلک کا سب سے پہلا نمونہ تھے آپ نے نصف صدی سے زائد بے غرضی اور لگن کے ساتھ احیاءِ دین و شریعت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کیا، آپ کی زندگی جذبۂ خدمت دین اور شوقِ حریت کا حسین امتزاج تھی۔

آپ ضلع سلہٹ مشرقی پاکستان کے ایک شریف، معزز اور دیندار گھرانے میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا اور ابتدائی تعلیم مدرسہ بڑولیس تھانہ بیانی بازار میں حاصل کی، ثانوی تعلیم مدرسہ قاسمیہ مراد آباد میں حاصل کی، پھر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اور امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ جیسے آفتاب علم وعمل اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا،

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ جھگاباڑی میں مدرس ہوئے، کچھ عرصہ ضلع کملا میں مدرسہ قاسمیہ کے صدر مدرس رہے بحیثیت مدرس آپ کی کامیابی اور مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلہٹ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی، کہ جو شخص آپ کے درس میں بیٹھے اور پھر بھی سبق نہ سمجھے، اس کو پڑھنا ہی ترک کر دینا چاہیئے، تعلیمی و تدریسی خدمات کے ساتھ ہمیشہ تبلیغی واصلاحی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور اس سلسلہ میں لولائی ضلع کشور

گنج کے ایک رئیس کی درخواست پر وہاں تشریف لے گئے، اور کئی سال تک تبلیغی و اصلاحی خدمات میں مصروف رہے اور دینی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی مرجع عوام و خواص بن گئے بعد میں کچھ دینی مصلحت کی وجہ سے ہیبت نگر چھوڑ کر پورن تھانہ میں مقیم ہو گئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی، آپ کی کوششوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت آج اس مسجد کا شمار مشرقی پاکستان کی عظیم مساجد میں ہوتا ہے اور اس مسجد کا پانچ منزلہ مینار دہلی کے قطب مینار کی یاد دلاتا ہے، یہاں قیام کے دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم سے درس و تدریس کے ساتھ عقیدتمندوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح میں مصروف رہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحریر کردہ تنظیم المسلمین اور تعلیم المسلمین کی اشاعت کے بعد دعوت و تبلیغ کے کاموں میں پہلے سے زیادہ وقت گزارنے لگے، ۱۹۴۵ء میں مدرسہ امداد العلوم کے نام ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جو کچھ عرصہ بعد عظیم الشان دینی ادارہ "جامعہ امدادیہ کشور گنج کی شکل اختیار کر گیا جس میں اب تک ہزاروں طالبان علم حدیث حاصل کر چکے ہیں اور آپ کے ہزاروں طالبان علم اور فیض یافتہ حضرات اندرون و بیرون ملک دینی و ملی خدمات میں مصروف ہیں۔

تعلیمی و تدریسی کاموں کے علاوہ آپ نے اس وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ساتھ روحانی تعلق قائم رکھا، اور ان کے دست حق پر بیعت کی اور پھر اپنے شیخ کی ہدایات و احکامات پر عامل رہ کر مسلسل سلوک و تصوف کے مدارج طے کرتے رہے اور تین سال کے مختصر عرصہ میں شعبان ۱۳۲۸ھ میں خلافت و اجازت کے شرف سے مشرف ہوئے حکیم الامت سے تعلق کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے:۔کہ

"مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جتنا بھی میں نے علم حاصل کیا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ محض زبانی تھا حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد حقیقت سمجھ میں آئی اور ان پر حقیقی معنوں میں عمل کرنے کی توفیق ہوئی"

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو سلوک کے اس اصول کے تحت کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے حوالے اس طرح کردے جیسے میّت کو غسال کے حوالے کردیا جاتا ہے آپ نے واقعی اپنے آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے تابع کر رکھا تھا اور جیسے وہ حکم فرماتے، اسی پر عمل کرتے تھے،

علمی، دینی، تبلیغی و اصلاحی خدماتِ جلیلہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور اپنے ہمعصر علماء شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے شانہ بشانہ تحریکِ پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں بھرپور عملی حصّہ لیا اور وہ خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔ جنہیں تاریخ پاکستان کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ حضرت مولانا اطہر علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کا آغاز سلہٹ ہی سے ہوا۔ جہاں سرحد کی طرح سے مسلم لیگ ریفرنڈم کرا رہی تھی اور آسام کے ساتھ یہ علاقہ کانگرس کا مضبوط اڈا تھا لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی کی دن رات کوشش اور جدوجہد سے سلہٹ کا علاقہ پاکستان کی سرحد میں شامل ہوگیا، پاکستان بن جانے کے بعد تحریک پاکستان میں شامل علماء نے مشرقی و مغربی پاکستان میں یہ فیصلہ کیا کہ اب ہمیں پاکستان تو حاصل ہوگیا ہے، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ملک میں نظریۂ پاکستان اور قائداعظم کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اسلامی نظام کے قیام کی کوشش تیز کردی جائے چنانچہ اس کے لئے قومی اسمبلی کے اندر نظامِ اسلام کے روحِ رواں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ایک مضبوط ترجمان بن کر کام کر رہے تھے اور ان کے رفقاء جمعیت علماء اسلام میں رہ کر پورے پاکستان میں سرگرم عمل تھے۔ چنانچہ دائیں بازو مشرقی پاکستان میں اس تحریک کی قیادت حضرت مولانا اطہر علی صاحب، مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری اور مولانا دین محمد وغیرہ فرمارہے تھے اور بائیں بازو مغربی پاکستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد حسن امرتسری، مولانا خیر محمد جالندھری، اور

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اسی تحریک نظام اسلامی کو پروان چڑھا رہے تھے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی جب پاکستان بننے کے بعد ڈھاکہ جب پہلی مرتبہ جمعیت علماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس میں شریک ہوئے۔ تو مولانا اطہر علی سلہٹی مرحوم نے ہی خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جو آج بھی مطبوعہ موجود ہے جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کو زندگی بسر کرانے کے لئے مولانا مرحوم کے دل و دماغ میں کس قدر عزم و استقلال کی پختگی موجزن تھی، غرض کہ آپ ساری زندگی پاکستان میں نظامِ اسلام کے لئے جدّوجہد کرتے رہے اور اس مقصد کے لئے مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، اس کے بعد قرارداد مقاصد کی ترتیب و تدوین میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کے دستِ راست رہے، پھر ۱۹۵۱ء کے ہر مکتبۂ فکر کے جیّد علماء کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لائے اور ۲۲ نکات کی ترتیب و تدوین میں علماء کا ہاتھ بٹایا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے دستوری تجاویز میں ضروری ترامیم کے سلسلے میں جن علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی ان میں مولانا اطہر علی صاحب بھی شامل تھے اسی طرح اردو کو سرکاری زبان بنانے والی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے ہمراہ اس سلسلہ میں بھی قائد اعظم سے ملاقات کی۔ اور ہمیشہ آپ نے ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمۂ حق ادا کیا۔ تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ اور اس لادینی نظام کے سیلاب کو روکنے کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے شانہ بشانہ ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود زبردست تحریک چلائی اور پاکستان کے اہم شہروں میں دورہ فرماتے رہے اور عوام کو اس لادینی فتنے سے آگاہ کرتے رہے،

الغرض حضرت مولانا مرحوم کی ذات گرامی مشرقی و مغربی پاکستان میں احیاء دینی،

روحانی، اخلاقی تعلیم وتربیت اور نشرواشاعتِ علوم ومعارف قرآنیہ کے لئے وقف تھی آپ کی تقریر وتحریر مؤثر اور دلپذیر ہوتی تھی۔ زندگی بڑی سادہ تھی، تکلف، تصنع اور مادی آرائش وزیبائش سے نفرت تھی۔ اُن خوبیوں کے علاوہ مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اعلائے کلمۃ الحق سے کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ اس کی سزا بھی بھگتنی پڑی اور مجیب الرحمٰن کے ظالمانہ دورِ حکومت میں آپ کو کلمۃ الحق کی پاداش میں قیدی بنایا گیا۔ یہاں تک کہ قیدخانہ ہی میں آپ کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے۔ رہائی کے بعد آپ پر فالج کا زبردست حملہ ہُوا اور میمن سنگھ ہسپتال میں ۵ار اکتوبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۰ ار شوال ۱۳۹۶ھ کو رات دس بجے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جامعہ امدادیہ کشور گنج میں آپ کی تدفین ہوئی جو آپ ہی کی جاری کردہ ایک عظیم الشان درسگاہ ہے، آپ کی وفات پر ملک کے ممتاز علمائے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ آپ کی علمی، دینی، روحانی اور سیاسی کارناموں کا اعتراف کیا۔ ذیل میں چند مشاہیر علماء کے مختصر تاثرات درج کئے جاتے ہیں،

مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا اطہر علی صاحب سابق مشرقی پاکستان کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی و سیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے آپ بنگلہ دیش کے علماء و فضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم تھے۔ فاضل تھے، صوفی تھے، درویش تھے، دیوبند کے فاضل تھے اور حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔"

مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"مولانا اطہر علی صاحب کی شخصیت اس دور میں چراغِ راہ

کی حیثیت رکھتی تھی۔ اُن کی زندگی سلف الصالحین کا نمونہ تھی اور اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور بے لوث خدمتِ دین کی وجہ سے عوام و خواص میں بے حد مقبول تھے، اُن کی وفات علمی حلقوں کا عظیم نقصان ہے"۔

مولانا محمد تقی عثمانی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا مرحوم پوری اُمت مسلمہ کی گرانقدر متاع تھے۔ اُن کی وفات پوری دنیائے اسلام کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے"۔

مولانا محمد متین خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا کی ذاتِ بابرکات کی وفات سے پوری قوم یتیم ہوگئی ہے اور علماء کی روشن شمع بُجھ گئی، کشور گنج مشرقی پاکستان میں جامعہ امدادیہ، آپ کی عظیم دینی درسگاہ ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ نے لاکھوں روپے خرچ کئے تھے، اس جامعہ کی عظیم الشان مسجد شہداء کے ممبر و محراب آج بھی آپ کے مواعظ حسنہ اور ذکر اللہ کی صدائیں یاد دلاتے ہیں اور آج بھی ذکر اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتی رہیں گی۔

اللہ تعالٰے درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین،

شیخ عالم، قطب ملت حضرت اطہر علیؒ
وارثِ علم نبوتؐ! حضرت اطہر علیؒ
جانشین تھانویؒ مرد حق روشن ضمیر
ہادیٔ راہِ ہدیٰ حق کی رحمت حضرت اطہر علیؒ

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے حق میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر گوشہ رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے، آپ اپنے دور کے محقق عالم، بے مثال مفسر، مدبر، اور عارفِ کامل تھے، آپ گوجرانوالہ میں گکھڑ ریلوے اسٹیشن سے مشرق کی جانب قصبہ جلال میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ماہِ نزولِ قرآن کے دوران پیدا ہوئے، ماہ نزولِ قرآن کے دوران پیدا ہونے والا یہ نیر تاباں عمر بھر اسی نورِ ہدایت کی ضیا پاشی کرتا رہا، آپ کے والدِ محترم شیخ حبیب اللہ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے، اور صاحب درد بزرگ تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی والدہ مکرمہ نے تعلیم و تدریس شروع کردی اس کے بعد ایک درویش صفت مردِ قلندر مولانا عبدالحق صاحب کے سایۂ عاطفت میں دے دیئے گئے انہوں نے بکمال شفقت و محبت تربیت فرمائی، پھر امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی آغوش شفقت میں چلے گئے انہوں نے اپنے پیرِ طریقت مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے سپرد کر دیا پھر تحریک آزادی ہند کے جانباز سپاہی مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے جذبہ جہاد و جانبازی سے سرشار ہوئے، اس کے بعد جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحریک پہ گوٹھ پیر جھنڈا میں مدرسہ دارالرشاد کا قیام عمل میں آیا تو حضرت لاہوریؒ کو حضرت سندھیؒ نے وہاں داخل کرا دیا، یہاں پہ آپ نے نہایت محنت و شوق سے چھ سال تک علومِ دینیہ کی تکمیل کی، ۱۹۲۷ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے اور حضرت سندھیؒ نے اپنی صاحبزادی آپ کے حبالۂ عقد میں دے

دی، آپ گوٹھ پیر جھنڈا میں تقریباً تین سال تک نہایت محنت و جانفشانی سے تدریس و تعلیم میں مشغول رہے پھر جب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے "جمعیت الانصار" قائم کی تو مدرسہ دارالرشاد سے مولانا لاہوریؒ کو اپنے پاس بلالیا، اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام پر علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جس کا مقصد حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانا تھا۔ حضرت لاہوریؒ نے اس جماعت کی تنظیم میں حضرت سندھیؒ کا پورا پورا ساتھ دیا، اس کے بعد حضرت سندھیؒ کے حسب ارشاد آپ نواب شاہ کے ایک مدرسہ میں آ گئے اور تدریس و تعلیم کا مشغلہ جاری رکھا، اس کے بعد مولانا سندھیؒ کے حکم پر علی گڑھ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر جب مولانا سندھیؒ کو افغانستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی تو اپنے پیچھے آپ کو جمعیت الانصار کا نگران مقرر فرمایا، اور حضرت سندھیؒ نے کابل کے قیام کے دوران اپنی تنظیم اور سرگرمیوں کے بارے میں آپ کو کچھ خطوط ارسال کئے تھے، چونکہ چند ہم خیال حضرات کو پہنچانے تھے خطوط تو مکتوب الیہم کو پہنچا دیئے گئے، لیکن بعد میں پکڑے گئے،

حکومت ہند برطانیہ نے اس تحریک کو کچلنے کا کام شروع کر دیا، اگر حضرت سندھیؒ کی وہ تحریک کامیاب ہو جاتی جس کا مقصد التخلاص وطن کے سوا کچھ نہ تھا تو پاکستان ۱۹۴۷ء سے کئی سال قبل معرض وجود میں آ چکا ہوتا۔ ان خطوط کے پکڑے جانے کے بعد حضرت لاہوریؒ کو بھی گرفتار کر لیا گیا، دہلی سے شملہ لایا گیا۔ اور وہاں حوالات میں نبد کر دیا گیا۔ حوالات کا نگران آپ کی حسنِ سیرت اور محاسن سے اس قدر متأثر ہوا کہ آپ کو اپنی بساط کے مطابق ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات پہنچانے میں لگ گیا آپ کو نماز کے وضو کے لئے صاف پانی مہیا کرتا۔ کبھی کبھی مٹھائیوں سے تواضع کرتا اسی طرح بستر وغیرہ بھی اپنے گھر سے لایا کرتا۔ شملہ سے آپ کو لاہور لایا گیا اور پھر جالندھر وہاں پر حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ بھی پابہ زنجیر لائے گئے ان کو بھی اسی جرم کی پاداش میں لایا گیا تھا جس جرم کی پاداش میں آپ سنتِ یوسفی

ادا کر رہے تھے جالندھر میں آپ کو قصبہ راہون میں نظر بند کر دیا گیا، اس کے بعد آپ کو راہوں سے لاہور لایا گیا۔ سی آئی ڈی پولیس کے افسر نے ایک مسلمان افسر کے سامنے آپ سے یوں خطاب کیا کہ حکومت آپ کو صوبہ سندھ یا دہلی واپس بھیجنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اس کا یقین ہے کہ سندھ یا دہلی میں آپ کی واپسی کسی لحاظ سے مناسب نہیں لہذا آپ کو لاہور ہی میں رہنا ہوگا لیکن آپ کو اس سلسلے میں دو ضامن پیش کرنے ہوں گے جو ہزار ہزار روپے کی ضمانتیں دیں تب گورنمنٹ آپ کو رہا کرے گی۔

آپ نے فرمایا:- کہ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں ہے اگر آپ مانیں تو میں دہلی یا سندھ سے ضامن لا دیتا ہوں"

لیکن حکومت نہ مانی۔ بہزار دقت قاضی ضیاالدین مرحوم فاضل دیوبند ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا نام نامی یاد آیا جو ان دنوں لاہور میں قیام پذیر تھے ان سے ملے تو انہوں نے ملک لال خان منیجر انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کا نام تجویز کیا چنانچہ اس طرح نہایت محنت و جانفشانی کے بعد آپ کو دو ضامن ملے۔ لاہور میں رہائش پذیر ہونے کے بعد آپ نے درس قرآن مجید شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ احباب کی امداد و اعانت پر اشاعت قرآن اور اسلام کی ترقی کے لئے انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا گیا اور انجمن کے آپ ہی امیر منتخب ہوئے بعد میں انجمن کی طرف سے خدام الدین کے نام سے ایک ہفت روزہ دینی رسالہ نکالنا شروع کیا جو اب تک ملک و ملت کی دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے اس کے ساتھ آپ نے مدرسہ قاسم العلوم قائم کر دیا اس کی ابتدا ایک عربی مدرسہ سے ہوئی جو بعد میں قاسم العلوم کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس میں عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء اور علماء حضرات آکر تفسیر قرآن پڑھنے لگے رفتہ رفتہ اس چشمۂ فیض میں دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی مدرسہ شاہی مرادآباد سے فارغ علماء کی جماعتیں آنے لگیں اور یہاں پر یکم رمضان سے آخر ذیقعد تک یہ خاص کلاس ہوا کرتی تھی جو کہ آپ کے آخر دم تک جاری رہی ان کی سندات پر امام العصر علامہ محمد انور شاہ

کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دستخط ہوتے تھے اب یہ مدرسہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کی زیر نگرانی چل رہا ہے۔ مدرسہ کے اقامت پذیر طلباء کے لئے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا لیکن جگہ کی قلت کی وجہ سے ان کو سخت دقت پیش آتی تھی۔ اس کے پیشِ نظر انجمن نے مدرسہ کی عمارت بنانے کا فیصلہ کیا اور لاٹن سبحان خان میں ایک قطعہ اراضی خرید کر مسجد و مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا سنگِ بنیاد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا۔

بہر حال آپ پون صدی کی داستانِ تحریک آزادیٔ ہند کے امین تھے، ہر ملی مصیبت میں قوم کا ساتھ دیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن اس مردِ آزاد نے ہر موقع پر اعلائے کلمۃ الحق کہا، قرآن مجید اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہمیشہ زور دیتے رہے، اور اگر ملتِ بیضا میں کسی طاغوتی طاقت نے کوئی فتنہ اُٹھایا۔ تو اس کا ڈٹ کر دندان شکن جواب دیتے۔ تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اگر حکومت وقت نے دین کے بارے میں کوئی خلاف شرع کام کیا تو اس پر ارباب اختیار کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے باز نہ آتے، اِس سلسلے میں کئی بار آپ کی زبان بندی بھی ہوئی، چنانچہ ۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کئے آپ نے جرأت رندانہ سے کام لے کر اس کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا اور آپ کو اِس سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں اربابِ حکومت کو اپنی ضیافت سے تائب ہونا پڑا اور آپ کو باعزت طور پر رہا کر دیا گیا۔

الغرض آپ ساری زندگی اسلام کی خدمت میں مصروف رہے اور ساری عمر تفسیر کتاب و سنت اور تزکیۂ باطنی کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآنِ پاک کا رواں دواں اُردو ترجمہ کیا اس کے علاوہ چونتیس چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف فرمائے، جن میں تذکرہ رسوم الاسلامیہ، اسلام میں نکاح بیوگان، ضرورۃ القرآن۔ اہلِ حنفیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف، میراث میں حکم شریعت، ترجمہ مقبول" فوٹو کا شرعی فیصلہ

صدا احادیث کا گلدستہ اور فلسفہ روزہ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ذیل میں آپ کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں"۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱ :- ہر کام میں حصولِ رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

۲ :- قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ؐ کی تشریح دو جملوں میں ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو عبادات سے اور خلقِ خدا کو خدمت سے راضی رکھئے۔

۳ :- دل کتنا ہی سخت ہو مگر ذکر الٰہیہ کی متواتر ضربوں سے نرم ہو جاتا ہے جس طرح سخت پتھر میں پانی کے ٹپکنے سے نشیب پڑ جاتا ہے۔

۴ :- دین پر استقامت طلب کرو، کرامت طلب نہ کرو۔ کیونکہ استقامت کا درجہ کرامت سے بڑھ کر ہے۔

۵ :- جو موتی اللہ والوں کی جوتیوں میں ملتے ہیں۔ بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتے !

آخر کار یہ مردِ درویش ۷ ار رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے"

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

لاکھوں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور میانی قبرستان میں آپ کی آخری آرامگاہ بنائی گئی۔ کافی عرصہ تک آپ کے مزار مبارک سے شمیم جنت کی خوشبو آتی رہی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ے آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

(تفصیل کے لئے "مردِ مومن" دیکھئے)

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ

رئیس العلماء حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ اُن علمائے حق میں سے تھے، جنہوں نے تحریک پاکستان میں عملی طور پر کام کیا۔ اور جن کی جد وجہد و کاوشں سے یہ ملک معرض وجود میں آیا، آپ اپنے وقت کے عالمِ باعمل اور مدبر و منتظم تھے، آپ ماہ رمضان ۱۳۱۲ھ میں بالنس بریلی یا شاہجہان پور میں پیدا ہوئے، جہاں آپ کے والد محترم جناب اکبر علی صاحب مرحوم کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھے آپ نسباً فاروقی تھے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کا اصل وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے اور ایک زمیندار، دیندار اور علمی خاندان کے فرد تھے: بچپن ہی سے اپنے چچا حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون آ گئے۔ اور ان ہی کی نگرانی میں آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حکم سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ یہاں دوسرے مشاہیر علماء کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ اور حضرت مولانا الشیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ جیسے بزرگوں سے خصوصی استفادہ کیا اور ان کے فیض علمی و روحانی سے خوب سیراب و شاداب ہوئے، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی آپ پر خصوصی توجہ تھی اور بہت ہی عنایت فرماتے تھے اسی لئے فراغتِ تعلیم کی سند خود اپنے دستِ مبارک سے عطا کی اس کے بعد آپ مکرر دورۂ حدیث کے لئے دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے درسِ حدیث میں شرکت کی اور وہاں سے بھی دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ تھانہ بھون ہی میں قیام پذیر ہو گئے اور کتابوں کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد "امداد المطابع" کے نام سے ایک پریس جاری کیا اور تھانہ بھون سے ایک ماہنامہ "الامداد" شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی یاد میں جاری کیا پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ "تخلیص البیان" کے نام سے شائع کیا اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی "کلید مثنوی" کے کچھ بقایا حصے مکمل کر کے "شرح شبیری" کے نام سے شائع کئے اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ کی بہت سی تصانیف، مواعظ و ملفوظات اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی شہرہ آفاق تالیف "اعلاء السنن" بیس ضخیم جلدوں کی کتاب اور "احکام القرآن" وغیرہ کتاب کی پہلی طباعت کا مکمل انتظام آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ علاوہ ازیں حضرت تھانویؒ کے قلمی مسودات جن میں بکثرت عبارتیں قلم زد ہو کر حواشی پر پیچ در پیچ صورت میں لکھی ہوتی تھیں اور ان کو صحیح پڑھنا بھی ہر ایک کا کام نہ تھا پھر کاتب سے اس کی کتابت کرانا اور تصحیح کا انتہائی اہتمام کر کے چھپوانا صرف آپ ہی خصوصیت تھی۔ بقول مفتی اعظمؒ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت حکیم الامتؒ کی تصانیف و مواعظ سے جو عظیم فائدہ پہنچایا ہے اس میں حضرت مولانا شبیر علیؒ صاحب کا ایک خاص حصہ ہے۔" (ماہنامہ البلاغ - کراچی)

ان دینی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ آپ نے مدرسہ امداد العلوم اشرفیہ تھانہ بھون میں تدریسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ پھر جب مولانا احمد حسن سنبھلیؒ سے مدرسہ اور خانقاہ کا انتظام اچھا نہ چل سکا تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کی ذہانت و قابلیت کے پیش نظر ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ اشرفیہ اور خانقاہ اشرفیہ کا اہتمام و انتظام آپ کے سپرد کر دیا جسے آپ نے احسن طریقے سے انجام دیا۔ اور بقول حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کہ "برادرم مولانا شبیر علی تھانوی نے خانقاہ اشرفیہ کا انتظام بہت اچھا کیا،"

اس کے علاوہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور جو دار العلوم دیوبند کے بعد ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز ہے اس کی مجلس شوریٰ نے بھی حضرت حکیم الامت تھانوی کی وفات کے بعد جس شخصیت کو مظاہر العلوم کا سرپرست منتخب کیا وہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کی ہی ذات گرامی تھی جس کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ :۔

مولانا شبیر علی صاحب ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سرپرست مقرر ہوئے اور شوال ۱۳۶۹ھ میں حج کو چلے گئے اور وہاں سے مستقل پاکستان چلے گئے"

بہرحال آپ ایک عظیم مدبر، محقق اور منتظم تھے اور دینی و علمی حلقوں میں بے حد مقبول اور امتیازی شان کے حامل تھے آپ کے اخلاق و عادات نہایت اعلیٰ تھے۔ ہر کام میں اتباع سنت کا خاص خیال رکھتے تھے، نہایت سادہ، متواضع اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اپنے رفیق خاص حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند سے ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لے گئے، دوران قیام حضرت قاری صاحب اور آپ دفتر دار العلوم دیوبند میں مصروف گفتگو تھے اس وقت دار العلوم کا پنکھا چل رہا تھا آپ نے فوراً تھانہ بھون کی روایات کے تحت یہ محسوس کیا کہ کئی گھنٹے سے یہ دار العلوم کا پنکھا چلتا رہا ہے اور صرف ہماری وجہ سے چلتا رہا ہے۔ دار العلوم کا کوئی کام نہیں ہے اس لئے اس کا خرچہ ہمیں ادا کرنا چاہیئے۔

چنانچہ آپ نے فوراً ایک روپیہ حضرت قاری صاحب کے حوالے کیا اور کہا کہ یہ دار العلوم کے فنڈ میں جمع کر دیا جائے۔ حالانکہ آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اور حضرت مہتمم صاحب کے رفیقِ خاص بھی، مگر آپ کے زہد و تقویٰ نے اتنی سی بات کی بھی اجازت نہیں دی جو خلاف شرع ہو۔ (بحوالہ ذکر مجذوب)

دینی، علمی اور تدریسی خدمات کے علاوہ تحریک پاکستان میں بھی آپ کی خدمات کے علاوہ تحریک پاکستان میں بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ایک تنظیم "مجلس دعوت الحق" کے نام سے جاری کی گئی جس کے مرکزی صدر حضرت مولانا شبیر علی تھانوی منتخب ہوئے۔ انہوں نے بڑی تندہی سے اور جانفشانی سے اس مجلس کے پروگرام کو پورے ہندوستان میں پھیلایا اس مجلس کا اصل مقصد یہ تھا کہ سرکاری ملازمین اور مسلم لیگ کے زعماء میں پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ دینی جذبات پیدا کئے جائیں۔ تاکہ آئندہ ایک اسلامی مملکت کی تشکیل اور اس کے قیام میں سہولت پیدا ہو۔ اسی پروگرام کے مطابق آپ نے جو اہم کردار ادا کیا وہ کسی ذی علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور جب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے ارباب مسلم لیگ کو تبلیغ کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اپنے خدام اور خلفاء کو وفود کی صورت میں قائداعظم کی خدمت میں بھیجا تو آپ اکثر وفود میں قیادت فرماتے تھے۔ وفود میں باقی جو حضرات اکثر شریک ہوتے تھے ان میں علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری۔ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی مولانا اطہر علی سلہٹی اور مولانا مفتی محمد حسن امرتسری وغیرہ اکابر علماء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس سلسلہ میں منشی عبدالرحمٰن خان صاحب فرماتے ہیں کہ

> دربار اشرفیہ کی طرف سے مولانا شبیر علی تھانوی بطور سفیر تبلیغ قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور حقیقت یہ تھی کہ قائداعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت حکیم الامت تھانوی کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت تھانوی ہی کی بدولت تھا مگر حضرت تھانوی کے قریب لانے میں مولانا شبیر علی صاحب کا بڑا حصہ ہے اور قائداعظم اتنا متاثر ہوئے کہ فرماتے تھے :۔ کہ "ہمیں ایسی مرد حق کی دعاؤں کی ضرورت ہے جو ایک

چھوٹے سے قصبہ میں رہتے ہیں مگر ان کا علم و عمل
اور زہد و تقویٰ ہندوستان کے تمام علماء سے زیادہ ہے"

واقعی حضرت حکیم الامت تھانویؒ تمام عالم اسلام کے لئے سرمایۂ حیات تھے اور تمام علمائے امت کے امام اور اس صدی کے مجدد اعظم تھے ان کی دعاؤں کے طفیل ہی یہ ملک معرض وجود میں آیا ورنہ بڑا مشکل تھا۔

بہر حال آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں جس کی تفصیل "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن میں ملاحظہ فرمائیے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ ناظم آباد کراچی میں مقیم ہو گئے اور ایک کتب خانہ کھولا پھر "بہشتی زیور" مکمل و مدلل طبع کرائی اور ساری زندگی حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کو شائع کراتے رہے، دوسرے علماء کے ساتھ پاکستان میں نظام اسلام کے لئے بھی کوشاں رہے عمر کے آخری حصہ میں علالت و کمزوری کے باعث اکثر گھر ہی پر رہتے اور ذکر و اذکار میں ہر وقت مشغول رہتے آخر کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد ۲۸ رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو بعد مغرب اپنے مکان واقع ناظم آباد کراچی میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اِس حادثہ فاجعہ سے تمام ہی علمی و دینی حلقے متاثر ہوئے اور دینی مدارس میں ختم قرآن اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا ہزاروں عقیدتمندوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے پہلو میں پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا۔

"حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ ہمارے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کی خاص نشانی اور ان کی بہت سی خصوصیات کے تنہا وارث تھے ان کی وفات سے تھانویؒ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے حضرات آج اپنے ایک امام امیر کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے"

اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین ؛؛

حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ یوم جمعہ بوقت سحر ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۱۰ھ کو پٹنہ صوبہ بہار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حافظ ضیاء الدین اور دادا کا نام سید نور الدین احمد تھا، آپ کا سلسلۂ نسب چھتیسویں پشت میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے نانا سے حاصل کی۔ اور قرآن کریم بھی اُن ہی سے حفظ کیا، قرأت قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی، پٹنہ سے پنجاب منتقل ہوئے تو راجو وال میں قاضی عطا محمد صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے رہے، اس کے بعد سنہ ۱۹۱۴ء میں امرتسر آ گئے۔ اور وہاں مولانا نور احمد امرتسری سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حضرت مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی سے حاصل کی، اور حدیث کی تعلیم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے حاصل کی۔ آپ سب سے پہلے حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف والوں سے بیعت ہوئے۔ پیر صاحب نے قرآن و وظائف پڑھنے کی تلقین فرمائی، حضرت پیر صاحب کی وفات کے موقعہ پر جب آپ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا! حضرت، کوئی نصیحت فرمائیے" اس وقت پیر صاحب عالم جذب میں تھے فرمایا: "اتباع شریعت"۔

ان کے وصال کے بعد آپ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ کے خلیفہ اول جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری سے دوبارہ بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے، حضرت رائپوری آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب شاہ جی کے انتقال کی خبر

حضرت رائپوریؒ کو پہنچی تو بے اختیار رو پڑے اور رونے میں آواز تک نکل گئی، مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہٗ کے الفاظ میں ؛۔

"جس کا شیخ اپنے مرید کی وفات پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اس کی محبوبیت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیفتگی مرید کی اعلیٰ قابلیت کا نشان ہوتی ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بیمثال صاحب لسان خطیب ہی نہ تھے بلکہ ایک بے نظیر صاحب دل عارف بھی تھے۔"

آپ ہندوستان کے شعلہ بیان مقرر، عظیم مجاہد اور تحریک آزادی کے نامور کارکن تھے،۔ ہندوستان و پاکستان کا کوئی شہر ہو جہاں آپ نے اپنی سحر آفرین خطابت اور ہنگامہ خیز تقریر سے سوتے ہوئے جذبات کو جگا نہ دیا ہو۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا تو ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اسی غم و غصہ کا نتیجہ جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی شکل میں رونما ہوا۔ ان حالات نے آپ کو سیاست کے میدان میں لا کھڑا کیا تحریک عدم تعاون نے جب شدت اختیار کی تو آپ نے برصغیر کے کونہ کونہ میں اپنی سحر انگیز خطابت کے موتی بکھیر دیئے، اسی طرح آپ مذہبی واعظ سے سیاسی مقرر بن گئے۔ پھر حضرت مولانا داؤد غزنویؒ کی تحریک پر خلافت کی تحریک میں شامل ہو گئے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ "الہلال" اور مولانا ظفر علی خان کی کتاب "ستارہ صبح" کے مطالعہ نے شاہ جی کے دل پر گہرا اثر کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے شاہ جی ملک و ملت کے ایک عظیم خطیب اور قائد بن گئے شاہ جی نے چالیس برس تک تنہا شرک و بدعات، رسومات اور تمام سماجی برائیوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا، انگریزوں کو ناک چنے چبوائے اور مرزائیت کو شکست فاش دی، ان کے علاوہ دریدہ دہن آریہ سماجیوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ فرنگی کے خلاف شاہ جی کی زبان

سے الفاظ نہیں شعلے برستے تھے، ان کی آنکھیں گہری سرخ ہوتیں اور سننے والے ہر لب پر صدائے تحسین اور ہر آنکھ میں آنسو ہوتے، اُن کی تقریر نہ ہوتی تھی بلکہ ساحرانہ فن کاری کا مخلصانہ گہوارہ ہوتی تھی، حلقۂ احرار کی تاریخ اگر مرتب کی جائے تو اس کی مجموعی قربانی کا نام "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" ہوگا۔

بہر حال آپ بلند مرتبہ اجتہادی شان اور مقبولیت عوام کے اُونچے اُونچے معیار کے باوجود عجز و انکساری کا دامن سنبھالے درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور دنیا کی کوئی نقرئی دلفریب کاری انہیں متأثر نہ کر سکی۔

آزادئ وطن کے حصول اور ختم نبوّت کی حفاظت کے لئے جو شاہراہ کار انہوں نے متعیّن کر لی تھی آخری سانس تک اُسے نبھاتے رہے۔ اور بالآخر یہ مردِ حق ۹ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱ اگست سنہ ۱۹۶۱ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

اولاد میں چار فرزند ایک دختر یادگار چھوڑیں۔ بڑے فرزند مولانا سید عطاء المنعم بخاری آپ کے صحیح جانشین ہیں۔

میں
خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ اگر ہم اپنی اصلاح کریں تو تمام دنیا سُدھر
سکتی ہے اور بغیر کسی ظاہری تبلیغ کے بھی بہت کچھ سُدھر سکتی ہے،
ہمارے اسلاف نے الفاظ سے زیادہ کردار سے اسلام کی
تبلیغ کی ہے۔"
(مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب)

حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو قصبہ رام پور ضلع سہارنپور میں ہوئی آپ کا تاریخی نام مرعوب اللہ اور اصلی نام اسعد اللہ رکھا گیا۔ آپ کے والد ماجد مولوی رشید اللہ بن مفتی بشارت اللہ ایک اچھے عالم دین اور متقی بزرگ تھے، قرآن شریف کی تعلیم آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی، پھر عربی کی ابتدائی تعلیم رام پور ہی میں حاصل کر کے ایک سرکاری اسکول میں کچھ عرصہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۳۲۹ھ کے آخر میں اپنے چچا مولانا محمد فضل اللہ صاحبؒ کے ساتھ رام پور سے تھانہ بھون چلے آئے اور وہاں پہنچ کر حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ سے عربی کی ابتدائی کتب سے توسطات تک کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ شریف کے بھی کچھ اسباق ان ہی سے پڑھے نیز اسی زمانے میں کچھ اسباق ترجمہ قرآن پاک اور مشکوٰۃ شریف کے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھے۔ اس کے بعد ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ "مظاہر العلوم" سہارنپور میں داخل ہوئے۔ اور یہاں مشکوٰۃ شریف ہدایہ اولین مختصر المعانی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور ۱۳۳۴ھ میں سند فراغ تعلیم حاصل کی حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالوحید صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری شامل ہیں۔ دستار فضیلت

حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے دست مبارک سے عطا ہوئی جو آپ کے بڑے اُستاذ تھے۔

تعلیم کی فراغت کے بعد آپ نے ایک سال کُتب فنون پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں قائم شدہ انجمن ہدایت آلرشید کے ناظم مقرر ہوئے۔ پھر ۱۳۳۷ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں اپنے اساتذہ کی زیرِ نگرانی معین مدرس اور شوال ۱۳۳۸ھ میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا اور درسِ نظامی کی ہر کتاب کو پڑھایا اور پھر مستقل مشغلۂ زندگی وعظ و تبلیغ، مناظرہ اور درس و تدریس۔ نیز ابتدائے ایّام میں کچھ دنوں اردو، فارسی میں شعر گوئی بھی مشغلہ رہا اور ہمیشہ آخر دم تک درسِ حدیث پڑھاتے رہے۔ ۱۳۳۶ھ تا ۱۳۳۷ھ رنگون بحیثیت ناظم مدرسہ راندیر میں قیام رہا۔ یکم صفر ۱۳۶۵ھ سے مظاہر العلوم میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ نائب ناظم مقرر ہوئے۔ اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے بعد یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ سے مظاہر العلوم کے ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے، اور آخر وقت تک مدرسہ آپ ہی کی نظامت میں چلتا رہا۔ اس زمانے میں مظاہر العلوم نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے اور دار العلوم دیوبند کے بعد ہندوستان میں واحد عظیم دینی درسگاہ ہے جس نے عالمی شہرت حاصل کی ہے۔ غرض یہ کہ حضرت مولانا مرحوم نے ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گزار دی اور ہزاروں تلامذہ ایسے ہیں جو اپنے وقت کے خود بھی بڑے محدث، مفسر، فقیہہ، مصنف اور متکلم ہوئے ہیں آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رح، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوری رح، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین راجڑدی، حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رح حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی رح اور حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی شامل ہیں۔

آپ کا روحانی سلسلہ وقت کے مجدّدِ اعظم حکیم الاّمت حضرتِ مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ، سے منسلک تھا اور زمانہ طالبعلمی ہی میں آپ حکیم الاّمت حضرت تھانویؒ کے دستِ حق پر بیعت ہو گئے تھے اور حضرت کی طرف سے بہت جلد چاروں سلسلوں میں خلافت و اجازت سے بھی نواز دیئے گئے تھے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے تعلّق کے بارے میں آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ :-

حضرت حکیم الاّمتؒ سے اس طرح تعلق پیدا ہوا کہ مولانا فضل اللہ صاحبؒ جو کہ میرے چچا اور خُسر بھی تھے، انہوں نے حضرت سے ملاقات کروائی، ان کا قیام اکثر تھانہ بھون ہی میں رہتا تھا۔ میں جس وقت خانقاہِ امدادیہ کے مدرسہ میں پڑھتا تھا اور طالبعلمی کے زمانہ ہی میں تھا کہ میرے چچا کی درخواست پر حضرتؒ نے مجھے بیعت کر لیا، حالانکہ حضرتؒ طلباء کو بیعت نہیں فرماتے تھے مگر بندے کو بیعت فرما لیا تھا۔ پھر خاص توجّہ فرمانے لگے۔ اور حضرتؒ سے تعلق بڑھتا گیا اور گناہوں میں کمی ہونے لگی، حضرتؒ کے تعلّق نے بڑا کام کیا۔" [۱]

الغرض حضرت حکیم الاّمتؒ کے تعلّق کے بعد آپ کی دنیا ہی بدل گئی، حضرت حکیم الاّمتؒ نے بہت جلد خلافت سے نوازنے کے بعد آپ کو رشد و ہدائت کے کام پر لگا دیا تھا۔ آپ نے بھی پھر بہت سارے علماء اہلِ علم اور دوسرے حضرات کو بیعت کیا اور بہت سے خلعتِ خلافت سے نوازے گئے جن میں پاکستان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور خلوص و للّٰہیت میں اپنی مثال آپ ہیں اور فقہ و حدیث میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، اس وقت

[۱] دیکھیئے بزمِ اشرف کے چراغ مولفہ پروفیسر احمد سعید تھانوی۔ ایم اے

جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مفتی ہیں اور پورے برصغیر میں اسلاف کی عظیم یادگار ہیں حق تعالیٰ عمر میں برکت دے اور ان کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے آمین

درس و تدریس اور مدرسہ کے انتظام و اہتمام کی مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جن میں سے چند تالیفات یہ ہیں :-

* اسعاد النحو شرح نحو میر اردو - کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے -
* التحفۃ الحقیرۃ فی لنسبت سبع العشیرۃ - اس کتاب میں ہیئت کے ایک مشہور مبحث لنسبۃ ارتفاع اعظم الجبال الی قطر الارض" کا بڑے عمدہ پیرائے میں حل ہے -
* القطائف من اللطائف - اس رسالے میں لطائفِ ستہ کے متعلق مفید بحث ہے -
* ایک فیصلہ - حکیم الامت تھانوی کے ایک ملفوظ کی شرح ہے جو بوادر النوادر میں طبع ہو چکا ہے
* رسالۃ المتالمۃ فی شرح المکالمۃ یہ امکانِ کذب کے متعلق ایک بحث ہے جو بوادر میں طبع ہوئی ہے - * صرف پر کچھ آٹھ صفحے اسباق
* ہفت اختر حضرت تھانوی کے چھ مواعظ اور ملفوظات جو بچپن کے لکھے ہوئے ہیں اس میں حضرت تھانوی کی اصلاحات بھی ہیں -
* تکمیل الایمان فی شرح حفظ الایمان * شرح التقصیر فی التفسیر * تقریر طحاوی
* حاشیہ بر طحاوی * اشکالات طحاوی کے جوابات * شرح حماسہ
* عروض یا قافیہ یہ مفتی سعد اللہ صاحب کے رسالہ کی شرح ہے -
* فتنہ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض یہ رسالہ شدھی تحریک کے زمانہ میں بار با طبع ہوا ہے
* صحائفِ اسعد یہ حضرت تسکینؔ کے نام مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مکاتیبِ جگرؔ کے ساتھ طبع ہوا ہے -
* کلام اسعد حصہ اول و دوم - یہ آپ کا مجموعۂ کلام منظوم وغیرہ ہے - ان کے علاوہ بہت سے مضامین مختلف موضوعات پر پاک و ہند کے مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع

ہوتے رہتے تھے جو نہایت مفید ہوتے تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام بھی مختلف رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہتا تھا، کیونکہ ادب اور شعر و شاعری سے آپ کو بڑی مناسبت تھی اور اردو فارسی اور عربی کے بہت اچھے اشعار اور نعتیں وغیرہ لکھتے تھے۔ ایک سچے عاشقِ رسول ؐ اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے، کئی بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ اخلاق و عادات میں اپنے اسلاف کا عین نمونہ تھے اور ساری عمر اپنے اکابر کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔ آپ جوانی میں مناظرہ اور تقریر میں بہت مشہور تھے اور اپنے وقت کے ممتاز محدّث، مفسّر، فقیہ اور عارف تھے۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خندہ جبیں تھے جو بھی آپ سے ملتا اس کے حق میں دعائیں کرتے ملنے والا ان سے مل کر بہت خوش ہوتا تھا۔ اپنے اوراد و وظائف و نماز کے پورے طور پر پابند تھے آپ کی زبان نہایت سلیس و شگفتہ تھی، فقہ و ادب کی اونچی کتابوں کے مدرس اور مصنّف تھے حدیث کا ذوق بھی بڑا عمدہ تھا۔ بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے۔

درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے علاوہ مدرسہ کے اہتمام کی مصروفیات سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور چند ماہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اور عموماً غفلت سی طاری رہتی تھی، آخر میں تو سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے، مگر تعلق مع اللہ کا یہ عالم تھا کہ خادم آپ کو اٹھا کر لاتا اور جماعت کی صف میں کھڑا کر دیتا، حضرت مرحوم پوری نماز قیام و تعود اور رکوع و سجود کے ساتھ ادا فرماتے اور سلام پھیرتے ہی پھر دوسرے کے اٹھانے کے محتاج ہو جاتے۔ بہر حال کئی سال صاحبِ فراش رہنے کے بعد ۱۴ر ۱۵ر رجب المرجب ۱۳۹۹ھ۔ مطابق ۱۰ر ۱۱ جون ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دوسرے دن ½۱۱ بجے دارالطلبہ جدید میں نمازِ جنازہ ہوئی جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی خلیفہ حکیم الامت تھانویؒ مرکزِ تبلیغ یعنی نظام الدین

کے حضرات کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور اکابر مدرسین شریک جنازہ ہوئے، اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر العلومؒ سہارنپور کے قریب تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی اولادِ صالحہ میں مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا محمد اللہ صاحب، ارشد اللہ صاحب، اجود اللہ صاحب اور امجد اللہ صاحب شامل ہیں۔ اُن میں اوّل الذکر دو حضرات ممتاز علماءِ دین میں شمار ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں معروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے آمین۔

آپ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں بہت ممتاز تھی اور برصغیر کے ہزاروں علماء کے آپ استاذ تھے اس لئے آپ کی رحلت تمام اہلِ دین اور اہلِ قلوب کے لئے ایک عظیم سانحہ تھی اور خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ، کے لئے تو بڑا صدمہ ہے کیونکہ حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دست راست تھے اور معتمد علیہ ساتھیوں میں سے تھے۔ ذیل میں چند مشاہیر علماء کے مختصر تاثرات درج کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کی علمی فضیلت و قابلیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکے :-

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، فرماتے ہیں کہ :-

> "حضرت مولانا کی رحلت سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے وہ ہمارے مشفق اُستاذ اور شیخ و مربی تھے اور اسلاف کی یادگار تھے"

حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ، فرماتے ہیں۔ کہ

> حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم اپنے وقت کے عظیم محدث، مفسر، فقیہ اور محقق تھے۔ تحریر و تقریر اور

مناظرے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے"۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدیر "بینات" لکھتے ہیں کہ:۔

"مولانا مرحوم کے ساتھ مظاہر العلوم کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ وابستہ ہے موصوف کو فرقِ باطلہ کے رد اور مباحثہ و مناظرہ کا بھی خاص ذوق تھا۔ انہوں نے آریوں قادیانیوں اور دیگر گمراہوں کے ساتھ بڑے کامیاب مناظرے کئے اور اپنے حریفوں کو ہمیشہ شکست دی۔ شعر و سخن اور ادب و انشاء سے بھی مولانا کو خصوصی شغف تھا اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں وہ برجستہ اور فی البدیہہ شعر کہا کرتے تھے۔ مزاح میں مزاح و انبساط بھی خوب تھا۔ وہ طلبہ کو لطیفے اور چٹکلے بھی خوب سناتے تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفۂ خاص تھے اور ان کی خدمت میں حاضری کے بعد آپ کی کایا پلٹ ہو گئی۔ اور صوفی صافی، عارف و مرشد بن گئے حق تعالیٰ شانہٗ حضرت مرحوم کو اپنے قرب و رضا اور درجاتِ عالیہ سے نوازے آمین

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور ایک باصلاحیت منتظم، حدیث کے بلند پایہ استاذ، ایک عظیم شیخ طریقت اور متبحر عالم دین تھے مولانا مرحوم نے عمر بھر دین اور طلبۂ دین کی خدمت کی آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کے دیرینہ رفیق اور معتمد رفیق تھے حق تعالیٰ ان کے فیوضات و برکات کو جاری و ساری رکھے آمین؛

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ؛؛ سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

حضرت مولانا شمس الحق فریدپوری رح

مجاہدِ اسلام حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری رحمۃ اللہ علیہ ان علماءِ حق میں سے تھے جن کا علم وعمل اور تقویٰ وطہارت ایک امرِ مسلمہ کی حیثیت رکھتے تھے آپ مشرقی پاکستان کے ان مجاہدین اسلام میں سے تھے جن کے اخلاص وللّٰہیت، مجاہدانہ عزم وعمل اور پرخلوص خدمات کی ایک دنیا قائل ہے اور اسی لئے آپ تمام علمی اور دینی حلقوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔

غیر منقسم ہندوستان میں علم دین کے دو بڑے مرکز تھے ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا مظاہر العلوم سہارنپور، آپ نے ان دونوں مرکزوں سے اکتسابِ فیض کیا تھا اور ان دونوں اداروں میں آپ کو اکابر اہل اللہ کی صحبت اٹھانے کا موقعہ ملا۔ پھر ان مرکزوں سے تحصیل علم کے بعد تھانہ بھون میں وقت کے مجددِ اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چشمۂ فیض سے بھی سیراب وشاداب ہوئے۔ جہاں علم کی حقیقت کے سامنے قلب کو سوز وگداز نصیب ہوا آپ مشرقی پاکستان کے شہر فریدپور کے رہنے والے تھے اور یہیں ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آخر وقت تک وطن وہی رہا لیکن تعلیمی اور تبلیغی خدمات کے لئے ڈھاکہ کو بھی اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح اور حضرت مولانا عبداللطیف سہارنپوری رح جیسے یگانۂ روزگار مشاہیر علماء سے فیض حاصل کیا اور سندِ فراغت تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رح اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح جیسے آفتاب

علم و عمل اساتذہ سے مکرر دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی پھر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں تھانہ بھون تشریف لائے اور فیض علمی کے ساتھ فیض روحانی سے بھی سرسبز و شاداب ہوئے، اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہنے کا موقع نصیب ہُوا۔ پھر ان کے حکم پر ڈھاکہ شہر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور وہیں پر قلعہ لال باغ کے پاس جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو ڈھاکہ کے مشہور اور مرکزی دینی اداروں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اکثر آپ یہیں پر قیام فرماتے کبھی کبھی چھٹیاں گزارنے کے لئے یا خرابیٔ صحت کی بناء پر اپنے اہل و عیال کے پاس فریدپور چلے جاتے تھے ورنہ مدرسہ کے انتظام کے علاوہ مُلک کی دینی اور کسی حد تک ملّی اور سیاسی سرگرمیوں میں مؤثر حصہ لینے کی وجہ سے سال کے بیشتر اوقات یہیں پر گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص اور دینی لگن کی وجہ سے آپ کو عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت اور وجاہت عطا ہوئی تھی، وہ چاہتے تو اپنے لئے بہتر کوٹھی بنگلے بنوا سکتے تھے لیکن آپ نے اپنے قیام کے لئے جامعہ قرآنیہ کا ایک ایسا تنگ و تاریک حجرہ منتخب کیا جسے دیکھ کر کن فی الدنیا کانک غریب (دنیا میں ایسے رہو، جیسے ایک پردیسی) کی عملی تفسیر سامنے آجاتی تھی۔

مولانا مرحوم بنگلہ زبان کے بڑے اچھے مصنف تھے۔ بنگال کے عوام کو دینی تعلیمات سے روشناس کرانے کے سلسلے میں اُن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ "بہشتی زیور" حکیم الامت حضرت تھانوی رحؒ کی وہ مقبول عام کتاب ہے جس نے لاکھوں بلکہ شاید کروڑوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس سے متعلق ایک مسلمان کی ضروریات کو اس میں جمع نہ کردیا گیا ہو۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم الشان کتاب کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے جو ان اطراف میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانوی کی اور بھی بہت سی تصانیف کو بنگلہ زبان میں منتقل کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ حق گوئی اور بیباکی آپ کی خاص صفت تھی، وقت کے

حکمرانوں کے ساتھ آپ کے بڑے اچھے تعلقات تھے اور عام طور پر وہ اُن میں گھُلے ملے رہتے تھے لیکن جہاں کہیں دین کا معاملہ آجاتا اور حدود اللہ میں کوئی رخنہ پڑتا نظر آتا تو آپ پوری صفائی و بیباکی اور جرأت و عزیمت کے ساتھ اپنی بات کہنے سے نہ چوکتے تھے اس صاف گوئی کے صلے میں آپ کو بعض حکمرانوں کا معتوب بھی بننا پڑا لیکن چونکہ آپ کا عفتہ عم اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا اس لئے عام طور سے حکمران اس کا احساس کرتے تھے کہ اُن کی حمایت و مخالفت میں کوئی ذاتی مفاد یا گندی سیاست کا کوئی داعیہ شامل نہیں ہوتا وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے لئے کہتے ہیں۔ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ سینکڑوں معاملات میں حکمرانوں کی مخالفت کے باوجود کوئی اُن کے درپئے آزار نہیں ہوا۔ اور کسی نے انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھا۔

آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے منسلک تھا اور درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے ساتھ ساتھ حضرت حکیم الامتؒ سے سلوک و تصوف کے منازل طے کرتے رہے اور ان کے دست حق پر بیعت کی اور پھر ساری زندگی اُن کے مسلک و مشرب پر سختی سے ڈٹے رہے اور ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رہے پھر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلق قائم کیا اور تجدید بیعت کی پھر ان کے ارشادات عالیہ پر عمل پیرا رہے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے اپنی کتاب "انوار النظر فی آثار الظفر" میں آپ کا اسم گرامی اپنے خلفاء عظام میں لکھا ہے۔ مولانا عثمانی آپ کی علمی و روحانی صلاحیتوں سے بحد متاثر اور مطمئن رہے۔ آپ کو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے ایک خاص عشق اور لگاؤ تھا کوئی کام حضرت عثمانیؒ کے مشورہ اور صلاح کے بغیر نہیں کیا اور پوری طرح اُن کے مسلک پر قائم رہے کئی بار آپ نے شیخ حضرت عثمانیؒ کی معیت میں حج و زیارت کا سفر طے کیا اور تحریک پاکستان میں حضرت عثمانیؒ کے دست راست رہے سلہٹ ریفرنڈم میں

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ کے ساتھ پورے مشرقی پاکستان میں دورہ فرماتے رہے اور آخرکار کامیابی حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے شانہ بشانہ مشرقی و مغربی پاکستان میں تحریک نظام اسلام میں بھرپور حصہ لیتے رہے، ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سرپرستی میں ہونے والے اجلاس میں کراچی تشریف لائے جو مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا اس میں بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لیتے رہے اور مشرقی پاکستان میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحب کے ساتھ مل کر قادیانیوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد جب بھی کسی لادینی تحریک نے سر اٹھایا تو آپ بغیر کسی خوف و خطر کے کلمۂ حق بلند کرتے رہے غرضیکہ آپ نے ساری زندگی درس و تدریس، تبلیغ وارشاد اور خدمت اسلام میں بسر کی اور مشرقی پاکستان میں ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفید کیا اور لاکھوں بندگان خدا کی اصلاح کا ذریعہ بنے بہر حال آپ ایک عظیم محدث، مفسر، محقق، مدبر، مقرر، مصنف اور عارف کامل تھے، نہایت متواضع منکسر المزاج اور لطیف الروح تھے، اخلاق و کردار میں اکابرین دیوبند کا کامل نمونہ تھے اکابر کے حد درجہ قدر دان اور محب و محبوب تھے۔ خصوصاً حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے تو عاشق صادق تھے، نہایت زیرک، مدبر

اور منتظم تھے، متبع سنت اور عشق رسول ﷺ میں سرشار تھے۔

بہرحال ایک مخلص دینی و روحانی پیشوا تھے، آپ نے کوئی زیادہ عمر نہیں پائی بمشکل ساٹھ کے قریب پہنچے ہوں گے اکثر آپ کو بیماریوں نے گھیرا ہوا تھا مگر باوجود ضعف و علالت کے ہمیشہ دین کی خدمت کے لئے کوشاں رہے اور آپ کے عزم و حوصلہ میں کبھی کمی نہیں آئی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی محبت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے اور خدمتِ دین کے ولولے اور جذبے جواں ہو رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے جس حصے میں جب کبھی علماء کی طرف سے کسی اجتماعی کام کا پروگرام بنتا تو ناممکن تھا کہ مشرقی پاکستان کے علماء میں مولانا شمس الحق فریدپوریؒ کا نام اس کا جزو نہ ہو۔ بہرحال یہ مردِ حق اسلامی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱ر جنوری ۱۹۶۹ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں عقیدتمندوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور تمام علمی و دینی حلقوں میں آپ کی وفات کو زبردست محسوس کیا گیا۔

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

مشرقی پاکستان کے مشہور عالمِ ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فریدپوریؒ مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمۂ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص و حق گو تھے بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلانِ حق کرتے رہے، استقامت رائے اصابت فکر اور اظہارِ حق میں فرید و حید تھے،

اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنّوریؒ

محدث العصر، محققِ دوراں حضرت سیّد محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اُن علماء محققین میں سے تھے جن پر پورا عالم اسلام بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ علم دین کی اس تابندہ روایت کے امین تھے جو تحریک دیوبندی کے نام سے برعظیم ہندو پاک میں قائم ہوئی تھی۔ آپ کے تبحر علمی اور خدمت دین کی ضوفشانی پاکستان کی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔

آپ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں پشاور کے قریب ایک گاؤں بنور میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا سیّد محمد زکریا صاحب بنوریؒ ایک ممتاز عالم دین اور مشہور تاجر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں سے حاصل کی۔ اس کے بعد پشاور کے علماء اور امیر حبیب اللہ خان کے دور میں کابل کے ایک دینی مکتب میں عربی اور دین کی ثانوی تعلیم حاصل کی اس عرصے میں آپ نے اصولِ فقہ، منطق و فلسفہ اور معانی کی متوسط کتابیں جن علماء و اساتذہ سے پڑھیں اُن میں پشاور اور کابل کے ممتاز علماء مولانا شیخ عبدالقدیر انغانی اور شیخ محمد صالح افغانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک آپ نے مختلف علوم و فنون اور حدیث کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی جہاں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے آفتاب علم و عمل اساتذہ سے خصوصی استفادہ کا موقع ملا اور آپ کو لائق اور ہونہار شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت بنوریؒ نے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہمراہ خادم کی حیثیت سے شب و روز سفر کیا

اور جب علامہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو کر ڈابھیل چلے گئے اور وہاں جامعہ اسلامیہ قائم کی تو حضرت سید مولانا بنوریؒ کو وہاں کا صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا عہدہ دیا گیا اس کے ساتھ مجلس علمی ڈابھیل کا رکن بھی مقرر کیا۔ اس مجلس کی بہت سی کتابیں قاہرہ میں شائع ہوئیں۔ کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں جب آپ ۱۹۳۷ء میں قاہرہ تشریف لے گئے تھے تو خلافتِ عثمانیہ کے دینی امور کے سابق جنرل سیکرٹری شیخ محمد زاہد الکوثری محقق العصر سے بھی استفادہ کیا، اس کے علاوہ فقہ مالکی کے علماء سے بھی فیضیاب ہوئے اور حدیث کی سند حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر شیخ التفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ تین سال کے بعد آپ کراچی تشریف لے گئے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا۔ جس میں گذشتہ ۲۳ برس سے دینی تعلیم دی جارہی ہے اور یہ مدرسہ آپ کا صدقۂ جاریہ ہے۔ اس میں آپ نے دینی علوم کی تحقیق کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت بیسوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ پندرہ سال قبل ایک ماہنامہ "بینات" جاری کیا۔ جس کو آپ نے دینی جذبے کی تکمیل کے لئے جاری رکھا ظلم و استبداد کو پناہ دینے والے حکمرانوں کے خلاف استعمال کیا اس میں ان کا قلم کبھی مصلحت کا پابند نہیں رہا۔ آپ کی تصانیف میں عربی کی چار بڑی کتابیں اور درجنوں مقدمات شامل ہیں۔ جو دوسروں کی تصانیف پر تحریر کئے ہیں۔ آپ نے "معارف السنن" کے نام سے حدیث کی مشہور کتاب جامع ترمذی کی شرح چھ جلدوں میں شائع کروائی۔ اس کے لئے مزید چھ جلدیں لکھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔

مولانا بنوریؒ بے مثال محقق اور عظیم محدث ہونے کے ساتھ عربی کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کی تحریروں میں سادگی اور روانی کا ایسا خوبصورت امتزاج ملتا ہے کہ

پڑھنے والا اس کی افادیت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انکی تحریروں میں استدلال وتفکر
پیش کیا گیا ہے۔ جنہیں سرسری انداز سے پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہی نہیں اور ان سے اتفاق
نہ کرنے والے بھی ان باریکیوں اور مباحث پر سوچنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے
برعکس ان تحریروں سے اندھی تقلید پر شدید ضرب پہنچتی ہے۔ یہی کیفیت ان کی اردو تحریروں
میں بھی وہی عظمت اور عالمانہ وقار ملتا ہے۔ آپ کو یہاں بھی اسی قدر عبور حاصل تھا۔ آپ نے
تقریباً ۴۵ سال تک مسندِ تدریس کو زونق بخشی اور درسِ حدیث دینے میں مصروف رہے۔ آپ
سے فیض یاب ہونے والے اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کہ ان کے بارے میں کوئی صحیح تعداد
بتانا ممکن نہیں۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء میں پاکستان
کے علاوہ افغانستان، انڈونیشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ جو اس
وقت خود بھی تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ آپ ساری زندگی پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ
کے لئے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
کی سرپرستی میں ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت کو پیش کیا اور آپ نے تحفظ ختم
نبوت کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ پاکستان میں فتنہ
قادیانیت کے لئے جو تحریک اٹھی تھی، حضرت بنوری کی قیادت میں اس تحریک نے پورے ملک
میں جوش و خروش پیدا کیا۔ اس تحریک میں اس قدر والہانہ پن اور شدت تھی کہ قومی اسمبلی نے
اس مسئلہ کو متفقہ طور پر منظور کیا اور قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے مولانا بنوری پاکستان کے
علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مصر کی اسلامی
کانفرنس آپ کو ہر سال بلاتی تھی۔ اس سال وہ خرابی صحت کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ اور دوسرے یہ
ملک میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس جاری تھے۔ ان میں شمولیت بھی ضروری تھی۔ کیونکہ
آپ انہی دنوں اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کی موجودگی اسلامی
کونسل میں نہایت ضروری تھی۔ لیکن وقت نے آپ کو اس کام کے لیے مہلت ہی نہ دی اور وہ چراغ

بجھ گیا جس سے روشنی کا سلسلہ جاری تھا

مولانا بنوری ؒ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند تھا ۔ اکابر علماء کو بھی آپ کی جامع شخصیت کا اعتراف تھا اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد تھا ۔ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ؒ ، علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ کے علم کے صحیح حامل ہیں"

اسی طرح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب مدظلہٗ اور مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ کی متفقہ رائے ہے کہ "مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری اپنے وقت کے جید عالم ، محدث ، مفسر اور فقیہ تھے ۔ وہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے علوم و معارف کے امین تھے ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے خلیفہ اور روحانی جانشین تھے وہ تحریک ختم نبوت کے عظیم مجاہد اور ایک سچے عاشق رسول ؐ تھے"

بہر حال حضرت مولانا بنوری ؒ ملک و ملت کے لئے عظیم سرمایہ تھے ۔ وہ بہت سادہ خوش مزاج اور خلیق شخصیت تھے ، اُن سے جو بھی ایک بار ملتا وہ آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا ۔ نہایت متواضع ، مہمان نواز اور متبع سنت تھے ۔ آخر کار یہ مرد مومن ، ۱۷ ر اکتوبر ۱۹۷۷ء مطابق ۳ ر ذی قعد ۱۳۹۷ھ بروز سوموار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

دو جگہوں پر نماز جنازہ پڑھائی گئی ، پہلی نماز جنازہ راولپنڈی میں ہوئی جس کی نماز جنازہ کی امامت مولانا عبدالحق صاحب نے کی اور دوسری نماز کراچی میں پڑھائی گئی جس کی امامت حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی نے فرمائی ۔ ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی ۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین ۔ اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

(تفصیلی حالات ۔ بینات بنوری نمبر میں ملاحظہ فرمایئے)

حضرت مولانا احتشامُ الحقّ تھانویؒ

خطیبُ الاُمت قائدِ اہلسنت حافظ الحاج حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اُن علماءِ حق میں سے تھے جن کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور خلوص و للٰہیت ایک امرِ مسلّمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ اپنے دور کے عظیم محدّث، مفسّر، مدبّر، محقق، فقیہ، متکلّم اور مایہ ناز خطیب تھے، آپ جیسی شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ایک ادارہ تھے، اور پورے برِصغیر میں اسلاف کی عظیم یادگار تھے، آپ قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کا شجرۂ نسب ستبہر نا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ملتا ہے آپ کے والدِ محترم مولانا ظہور الحق تھانویؒ ایک بڑے زمیندار، متقی اور اپنے زمانہ کے جیّد عالم تھے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے آپ کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی بہن تھیں اور بڑی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بیعت تھیں۔

آپ اسی دینی علمی گھرانے میں ۱۹۱۵ء میں شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ پھر ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماموں حکیم الاُمت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون آگئے اور دس بارہ سال ہی کی عمر میں حکیم الاُمت تھانویؒ ہی کی زیرِ نگرانی قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر انہی کے حکم پر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپورؒ میں داخل ہوئے۔ اور مولانا حافظ عبداللطیف صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی خصوصی شفقت و عنایت کا مرکز بنے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۳۷ء میں

حدیث و تفسیر، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم درجہ اوّل میں پاس کر کے سندِ فراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ، مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ شامل ہیں۔

دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے الٰہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پھر اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے حکم پر دینی و تبلیغی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی تبلیغی خدمات کا آغاز دہلی کی جامع مسجد سے ہوا جہاں آپ باقاعدہ امامت کے ساتھ ہر جمعہ خطاب عام فرماتے۔ اس میں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبران بڑی تعداد میں شریک ہوتے ان ارباب حکومت میں لیاقت علی خان مرحوم، خواجہ ناظم الدین، مولانا ظفر علی خان، مولوی تمیز الدین، سردار عبد الرب نشتر، سر عبد العلیم غزنوی اور سر عثمان وغیرہ حضرات بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ آپ نے حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی قائم کردہ مجلس دعوت الحق کے پروگرام کے مطابق جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اور بالخصوص حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازمین اور اعلیٰ حکّام میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔ پھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی قائم کردہ جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو گئے۔ جو تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل تشکیل کی گئی تھی۔

جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے آپ کی سحر انگیز خطابت نے ایوان کانگریس میں زلزلہ مچا دیا۔ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا اطہر علی سلہٹی رحمہ اللہ اور دیگر اکابرین کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کے حق میں دورہ فرماتے رہے سرحد کا ریفرنڈم شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور مولانا مرحوم ہی نے کامیاب فرمایا۔ پھر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان سے آٹھ روز قبل علامہ

عثمانیؒ کی معیت میں کراچی تشریف لائے۔ اور مہاجرین کی آبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور ملک و قوم کی خدمات انجام دیتے رہے، پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب و تشکیل کا مسئلہ تھا جس کے لئے ان حضرات نے یہ خدمات انجام دی تھیں۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد اس مہم کا آغاز حضرت علامہ عثمانیؒ کی زیرِ قیادت ہوا اور اس میں سب سے اہم کردار حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ کے حصّہ میں آیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے مولانا موصوف نے بھارت کا سفر کیا۔ اور منتخب جیّد علماء اور مفکرین میں سے علامہ سیّد سلیمان ندوی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو پاکستان لائے۔ ان حضرات نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی نگرانی میں اسلامی دستور کے اصُول پر ایک دستوری خاکہ تیار کیا۔ جو مرکزی اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد کے نام سے منظور ہوا، اس کے علاوہ دوسرا اہم کام دینی تعلیم کی اشاعت کا تھا اور علامہ عثمانیؒ نے پاکستان میں بھی دار العلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی درسگاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے قیام کی ذمہ داری بھی حضرت مولانا تھانویؒ مرحوم کے سپرد کی گئی۔

مولانا موصوف نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ باحسن وجوہ ان خدمات کو انجام دیا۔ اور حیدرآباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈوالہ یار کے مقام پر ایک عظیم الشان مرکزی دار العلوم قائم کیا جس میں اکابر مدرسین کو جمع کیا۔ جن میں مولانا سیّد بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ، مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مولانا اشفاق الرحمٰنؒ کاندھلوی، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ جیسے مشاہیر علماء درسِ حدیث پڑھا چکے ہیں۔ دار العلوم مولانا مرحوم کا عظیم کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہے۔ ہزاروں افراد ملک و بیرونِ ملک سے یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر دینی خدمات میں مصروف ہیں

اس کے علاوہ جیکب لائن کراچی میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ جو آج پاکستان کی عظیم الشان مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کراچی اور دوسرے علاقوں میں متعدد دینی مدرسے اور مکتب قائم کیئے، جہاں سے قرآن و حدیث کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ یہ سب مولانا مرحوم کا صدقہ جاریہ ہیں۔ حق تعالیٰ مولانا کی ان خدمات کو قبول فرمائیں۔ (آمین)

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی ملک و ملت اور اسلام کی خدمت میں گزری۔ اور آپ نے ہر چیلنج کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب اسلامی دستور کے مسئلہ میں ارباب حکومت کی طرف سے علماء کو چیلنج دیا گیا۔ کہ اسلامی فرقوں کے درمیان باہم اتفاق و اتحاد نہیں ہے تو اس نازک موقع پر حضرت مولانا مرحوم ہی کی ذات گرامی تھی جس نے اپنی جدّ و جہد اور خداداد صلاحیتوں سے ہر مکتب فکر کے جیّد علماء کو اپنی قیام گاہ پر جمع کیا۔ اور متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے بائیس بنیادی اصُول مرتب کر کے حکومت کو پیش کیئے۔ مولانا نے آئندہ کے لیئے یہ منہ بند کر دیا۔ کہ علماء میں اتفاق نہیں ہے۔ آپ نے اتفاق و اتحاد کی یہ ایک مثال قائم کر دی۔ اور یہ نادر کارنامہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانوی مرحوم کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں لاکھوں جلسوں سے خطاب کیا۔ لاکھوں افراد کی اصلاح کی۔ پاکستان و ہندوستان کے علاوہ ایران، افغانستان، برما، انڈونیشیا، فلپائن، امریکہ، برطانیہ، بنگلہ دیش افریقہ اور سعودی عرب وغیرہ ممالک میں تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ عرصہ تک ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیتے رہے، جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ ملک کے چپے چپے پہ آپ کی آواز گونجی مگر کسی سے کوئی ہدیہ یا نذرانہ وصول نہیں کیا۔ قرآن حکیم کی تلاوت اس انداز سے کرتے کہ معلوم ہوتا ابھی نازل ہو رہا ہے۔ آپ کی مسحور کن اور دلکش آواز اور خطابت نے لاکھوں دلوں کو تڑپایا۔ آپ کی پُر تاثیر خطابت کا اندازہ لگانے کے لیئے یہی کافی ہے۔ کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے شہباز خطابت بھی تڑپ

اُٹھے۔ ایک دفعہ علامہ عثمانیؒ نے آپ کی تقریر سُن کر فرمایا۔

"اب مجھے مرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ الحمدللہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔" [۱]

اسی طرح حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"مولانا احتشام الحق کے بعد کسی کی تقریر کی ضرورت نہیں رہتی وہ مجمع پر چھا جاتے ہیں۔"

ایک دفعہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ میں مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی تقریر کے بعد منتظمین جلسہ نے برکت کے لئے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تقریر کے لئے اصرار کیا تو مفتیٔ اعظم نے فرمایا۔ کہ :۔

"کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہو۔" [۲]

بہرحال مولانا موصوف خطابت کے بادشاہ تھے اور اِس وقت خطیب اعظم اور خطیب الامت تھے۔ آپ اپنی دوسری صفات کے علاوہ اخلاق و عادات میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا پہاڑ تھے۔

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے۔ کہ :۔

"مولانا سے سیاسی نظریات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر اُن کے علم و فضل اور اُن کی دینی اور علمی خدمات سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔" [۲]

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مہتمم مدرسہ اشرف المدارس کراچی فرماتے ہیں کہ :۔

"مولانا مرحوم کو اللہ تعالٰی نے سب سے بڑی دولت یہ عطا فرمائی تھی کہ حق گوئی میں آپ کے لئے کبھی کوئی امر مانع نہ ہوا"

۱، ۲، ۳ بحوالہ تذکرہ خطیب الامت رحمہ مرتبہ احقر بخاری غفرلہ

آپ جبلِ استقامت تھے۔ مال و منصب کی پیش کش، قریب سے قریب تر تعلق، بڑے سے بڑے شہسوار گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی امر بھی آپ پر کبھی شہ بھر بھی کوئی اثر نہ کر سکا ؎

موحد چہ بر پائے ایزی لرزش (الخ) [۱]

آپ کی شان تھی آپ لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کی تفسیر تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد یوسف قریشی مدظلہ، مہتمم جامعہ اشرفیہ پشاور اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ:- مولانا بڑے نڈر اور شجاع تھے وہ ہر موڑ پر کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔ مولانا نے ہمیشہ اپنی ذاتی دوستیوں اور رفاقتوں کو بالائے طاق رکھ کر اربابِ اقتدار پر کڑی نکتہ چینی کی۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگا۔ تو زبانوں پر تالے لگ گئے۔ لیکن مولانا احتشام الحق صاحب اِن چند رہنماؤں میں سے تھے جو اس دورِ استبداد میں بھی کلمۂ حق کہتے اور ہر موڑ پر آمریت سے ٹکراتے رہے ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ایوب خان کی آمریت کی جبیں شکن آلود ہو گئی اور مولانا کو رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے اختلاف کے جُرم میں جیل جانا پڑا۔ تحریک جمہوریت شروع ہوئی تو مولانا تھانوی اس کی پہلی صف میں نظر آئے اور جب ملک کی بعض سیاسی جماعتوں نے تحریک بحالیٔ جمہوریت کو سوشلزم کے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ تو سب سے پہلے مولانا تھانوی نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قوم کو خبردار کیا اسی طرح مسلم فیملی لاء پر مولانا کا اختلافی

[۱] "تذکرہ خطیب الامت" ص

نوٹ بھی مولانا کی جرأت اور بیباکی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے"۔ [1]

بہرحال مولانا کی ذاتِ گرامی عالمِ اسلام کے لئے ایک سرمائے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور آپ کا وجود ملتِ اسلامیہ کے لئے قدرت کا بیش بہا خزانہ تھا۔ آپ نے ہمیشہ حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا اور آخر دم تک اللہ کے دین کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کے متعلق حضرت مولانا خیر محمدؒ جالندھری فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"مولانا احتشام الحق صاحبؒ علماء کی جماعت میں ایک دُولہا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے بارات میں دولہا ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے۔ اسی طرح مولانا تھانوی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔" [2]

آپ نے ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک وفات پائی۔ لاکھوں عقیدتمندوں نے اپنے محبوب رہنما کی نمازِ جنازہ پڑھی اور آپ ہی کی جامع مسجد جیکب لائن کے صحن کے ایک حصہ میں تدفین عمل میں آئی، دنیائے اسلام کے علماء و صلحا اور زعماءِ ملت نے آپ کی وفات کو عالمِ اسلام کا عظیم نقصان قرار دیا۔ اور آپ کی یاد میں ملک کے اندر اور بیرونِ ملک تعزیتی جلسے اور اجلاس منعقد کئے گئے اور اپنے عظیم مذہبی پیشوا کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ نے کریم النفس مولانا احتشام الحق تھانوی
(۴۹۱ ۱۲۸ ۸۸۹ ۴۷۲)
تاریخ وفات نکالی ہے:

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا۔ کہ:۔

مولانا تھانوی کے انتقال سے دل پر سخت چوٹ لگی ہے اور بے حد رنج و قلق ہوا ہے اُن کی وفات سے پورے عالمِ اسلام کو عظیم نقصان ہوا ہے وہ ایک جیّد عالم دین

---

[1] بحوالہ صدائے اسلام ماہنامہ۔ پشاور [2] تذکرہ خطیب الامتؒ

عظیم مفسّر، محدّث، محقق اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے اور پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم ترجمان اور علاّمہ عثمانی کے علوم و معارف کے جانشین تھے۔ اپنے وقت کے عظیم خطیب اور ملّت کے عظیم رہنماء تھے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین"[1]

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:۔

مولانا تھانوی کی وفات ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے وہ ایک حق گو عالمِ دین، بے باک مجاہد اور جامع اوصاف و کمالات کے مالک تھے۔ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار، جامع مسجد کراچی، ۲۲ نکاتی دستور، قرآن حکیم کی تفسیر یہ سب آپ کے صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائے۔ آمین[2]

آپ کی اولاد صالحہ میں مولانا احترام الحق تھانوی اور مولانا قاری تنویر الحق تھانوی زیادہ معروف ہیں۔

[1،2] "تذکرہ خطیب الامت" مطبوعہ کراچی

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی

آپ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں ہے آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی تبلیغی جماعت کے بھتیجے ہیں، اصل وطن کاندھلہ ہے اسی نسبت سے کاندھلوی کہلاتے ہیں، آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور اوّل تا آخر تمام تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

فراغتِ تعلیم کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں آپ مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد ہی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے صدر مدرس مقرر ہوئے اور حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے آپ کو "شیخ الحدیث" کا خطاب عطا فرمایا، آپ تا وقتِ تحریر اسی منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں آپ نے روحانی سلسلہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ سے قائم فرمایا اور علم ظاہر کے ساتھ علم باطن میں بھی خوب خوب فیض حاصل کیا اور خلافت سے بھی نوازے گئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہٗ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں بسر کی ہے، آپ ایک بڑے عالم باعمل اور شیخ کامل ہیں۔ تنبیج

سنت اور حق و صداقت کا پیکر ہیں۔ تواضع و انکساری میں اسلاف کی عظیم یادگار ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں بڑے بڑے علما آپ کے تلمیذ و مرید ہیں، ایک سچے عاشق رسولؐ ہیں اور اسی جذبۂ عشق میں کئی سال ہوئے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے ہیں اور اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات دیار حبیبؐ میں گزار رہے ہیں اللہ تعالےٰ عمر مبارک میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

آپ نے ۱۳۳۵ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ اور اسی سال "بذل المجہود" شرح ابی داؤد میں اپنے استاذ و شیخ مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے ساتھ مل کر کام شروع کیا جو ۱۳۴۵ھ میں تکمیل کو پہنچا، تدریس کے ساتھ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہا اور آپ کے قلم فیض رقم سے بہت سی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں جن میں "تاریخ مشائخ چشتیہ" "تاریخ مظاہر" "شرح مسلم" "تقاریر مشکوٰۃ" "یاد ایام" "شرح الفیہ اردو" "خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی" "تنذرات الحدیث" "اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ" "فضائل قرآن" "فضائل رمضان" "فضائل تبلیغ" "فضائل نماز" "فضائل ذکر" "فضائل صدقات" "فضائل حج" "حکایات صحابہؓ" "اعتدال فی مراتب الرجال" "مقدمات کتب حدیث" "الکوکب الدری" "لامع الدراری علی جامع البخاری" "فضائل درود شریف" — "جزء افضل الاعمال" "سیرت صدیقؓ" "حواشی اصول الشاشی" "حواشی کلام پاک" "تقریر نسائی شریف" "مشائخ تصوف" "فتنہ مودودیت" "مشرقی کا اسلام" "نظام مظاہر العلوم" "جامع الروایات" "مکتوبات تصوف" "اکابر کا رمضان" اور "تقریر بخاری شریف" وغیرہ آپ کے علمی شاہکار ہیں ان کے علاوہ بہت سی کتابوں کے مسودات اور بہت سے مقالات غیر مطبوعہ صورت میں ہیں ⁂

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

آپ ۱۳۱۵ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ نسبی طور پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اولاد میں سے ہیں، آپ کے والدِ ماجد مولانا حافظ محمد احمد قاسمی صاحبؒ چالیس سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اسی دوران میں چار سال ریاست حیدرآباد دکن عدالتِ عالیہ کے مفتی رہے آپ کے دادا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ دنیائے اسلام کے مشہور و معروف بزرگ اور ربانی عالم تھے، جنہوں نے ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ جو آج ایشیا کی بے نظیر مذہبی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔

آپ کے دادا کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہزار ہا کی تعداد میں ہند و بیرونِ ہند میں پھیلے ہوئے ہیں جو حلقہ دارالعلوم کہلاتا ہے اس لئے یہ خاندان پورے ملک اور بیرونی حلقہ اثر میں وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سنہ ۱۳۲۲ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کیا گیا اور وقت کے ممتاز اکابر کے عظیم الشان اجتماع میں کتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی دو سال کی مدت میں قرآن شریف تجوید و قرأت کے ساتھ حفظ کیا، پانچ سال میں فارسی، ریاضی اور حساب کا کورس مکمل کیا اور آٹھ سال میں دارالعلوم سے عربی کا نصاب پورا کیا، اس طرح ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں تعلیم سے فراغت پا کر آپ نے سند فضیلت حاصل کی۔ دوران تعلیم میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ آپ کے ساتھ بوجہ خاندانی شرف اور آبائی نسبت کے شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اور مخصوص طریق پر تعلیم و تربیت میں حصہ لیتے رہے حدیث کی خصوصی سند آپ نے وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے حاصل کی اور بہت سے

بزرگوں کی ہمت اور توجہ آپ کے ساتھ تھی، آپ کے اساتذہ میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

سنہ ۱۳۳۹ھ میں آپ کا سلسلۂ بعیت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ سے قائم ہوا جس کے پانچ ماہ بعد حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہوگیا۔ پھر ۱۳۵۰ھ میں آپ کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی طرف سے خلافت سے نوازا گیا، ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم کی تدریس کے زمانہ میں ہی آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنادیا گیا تھا پھر ۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ طور پر آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا اور تاحال آپ اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں۔ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے بہت ترقی کی ہے اور آپ نے دارالعلوم کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگا دیئے اور آج پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا نام روشن ہے۔

دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے اور حدیث کی اونچی کتابیں زیر درس رہتی ہیں، اس کے علاوہ فن خطابت اور تقریر میں بھی آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل ہے اور زمانہ طالبعلمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سُنی جاتی تھیں، اہم سے اہم اسلامی مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، حقائق و اسرار شریعت کھولنا اور تخلیق و ایجاد میں مضامین آپ کا خاص حصہ ہے جسے آپ کے اکابر و اساتذہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غرضیکہ آپ کی تقریروں نے ملک و بیرون ملک میں ایک وسیع حلقہ پیدا کیا ہے اور اس وقت آپ ایک بہت بڑے خطیب، ادیب، محقق، مدبر، محدث، مفسر، مصنف اور شیخ کامل تسلیم کیے جاتے ہیں، آپ کے ہمعصر ساتھیوں میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

شیخ المحدثین حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی اور محدثِ اکبر مولانا سید بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی جیسے اکابر علماء ہیں۔ آپ ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں متعدد بار حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اور کئی بار پوری دنیا میں تبلیغی دورے فرما چکے ہیں اور اپنی علمی تقریروں سے اپنی علمی قابلیت کا لوہا منوا چکے ہیں، آپ کی متعدد قابلِ قدر تصانیف چھپی ہیں جن میں "التشبہ فی الاسلام" سائنس اور اسلام" "تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام" مسئلہ زبان اور ہندوستان" "دین و سیاست" "خطبۂ صدارت جمعیت العلماء" مراد آباد کانفرنس" خطبۂ صدارت بمبئی" "خطبہ صدارت جمعیت العلماء صوبہ سندھ کانفرنس" "اصول دعوت اسلام" "مشاہیرات" کلمات طیبات" "تاریخ دار العلوم دیوبند" اسلامی مساوات" مسئلہ تقدیر اور سفر نامہ افغانستان وغیرہ مشہور تالیفات ہیں۔ آپ ایک مایۂ ناز مصنف ہونے کے ساتھ ایک بہترین شاعر بھی ہیں اور آپ کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہو چکا ہے اس وقت آپ کی ذات گرامی بقیۃ السلف ہے اور آپنے اخلاق و عادات میں قدیم اسلاف کا عین نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین"

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد سالم قاسمی صاحب ایک بڑے عالم و فاضل ہیں۔ اور علمائے محققین میں شمار ہوتے ہیں ؛؛

حضرت مولانا مُفتی جمیل احمد تھانوی

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، ایک بلند پایہ علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ اور آپ کا اصل وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے اور سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سے ملتا ہے، آپ کے والد ماجد مولانا حافظ سعید احمد تھانویؒ علی گڑھ کالج میں ملازم تھے۔ "الاخلاق المحمدیہ چار جلدیں" سیرت صلاح الدین "النساء المسلمین" وغیرہ کتب کے مصنف تھے اور کچھ عرصہ ہفتہ وار "اسلام" کے مدیر اور انجمن تبلیغ الاسلام کے مہتمم و ناظم بھی رہے تھے آپ کے دادا جناب حافظ امیر احمد صاحب تھانویؒ ۱۸۵۷ء کے قریب پشاور میں کمشنر رہے تھے آپ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر انڈیا میں پیدا ہوئے، آپ کی ننہال راجوپور ضلع سہارنپور کی تھی، قرآن شریف کی ابتداء وہیں ہوئی پھر والد صاحبؒ کی ملازمت کی وجہ سے علی گڑھ زیادہ رہنا ہوا اس لئے یہیں ناظرہ قرآن پاک ختم کر کے اسکول میں اردو کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آکر فارسی کتب تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک اور عربی کتب میزان الصرف سے ہدایۃ النحو تک پڑھیں، جب حضرت مولانا اشفاق صاحبؒ نے جلال آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تو یہاں چلے گئے اور شرح جامی کی جماعت میں شامل کر دیئے گئے بعد ازاں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ، کے ارشاد اور توجہ دلانے سے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور کافیہ کبریٰ، نور الایضاح اسباق تجویز ہوئے اور تمام کتب کے علوم و فنون

سے اوّل پوزیشن میں ۱۳۴۲ھ کو فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ نے آپ کو دورۂ حدیث کی تمام کتب میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے پر کئی کتابیں اور ایک جیبی گھڑی انعام میں عنایت فرمائیں۔ درجہ ابتدائی میں کل کتب کے آپ کے استاذ مولانا ظہور الحق دیوبندی ؒ تھے اور بعد میں حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب ؒ، مولانا ثابت علی صاحب ؒ مولانا منظور احمد صاحب ؒ، مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری ؒ، مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب ؒ اور حدیث شریف میں مشکوٰۃ کے استاذ مولانا ثابت علی صاحب ؒ ترمذی شریف اور طحاوی شریف کے مولانا عبد اللطیف صاحب ؒ ابوداؤد اور ابن ماجہ کے مولانا عبد الرحمٰن کاملپوری ؒ، مسلم شریف و نسائی اور موطائین کے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ استاذ تھے، سندِ حدیث حضرتِ اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ کے دست مبارک سے عطا ہوئی اور حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ نے تمام کتبِ حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔

بعد فراغت کھم ضلع ونگل حیدر آباد دکن کے مدرسہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تدریس وعظ و تبلیغ وغیرہ کے لئے تشریف لے گئے کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں نائب شیخ الادب کا عہدہ آپ کو سونپا گیا تقریباً گیارہ ماہ بعد حضرت اقدس سہارنپوری ؒ کی تعمیل ارشاد میں واپس سہارنپور پہنچے۔ اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس اعلیٰ مقرر کیئے گئے اور ہر علم و فن کی کتابیں پڑھاتے رہے اور ۱۳۷۰ھ تک مظاہر العلوم ہی میں مختلف علوم و فنون کی کتب عالیہ کا سلسلہ جاری رکھا اسی دوران ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور ہی سے رسالہ "المظاہر" اور ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرا رسالہ "ماہنامہ دینیدار" جاری فرمایا جو ایک عرصہ تک دعوت و تبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے ۱۳۵۶ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی ؒ کی علالت و تیمارداری کی غرض سے تھانہ بھون قیام فرمایا

چونکہ یہ قیام طویل تھا اس لئے مدرسہ سے سال بھر کی رخصت لیتے رہے اور خانقاہِ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم میں فتاویٰ اور درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم کی تدریس کے دوران ہزاروں طالبان علم نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی امیر تبلیغی جماعت انڈیا۔ مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی، مولانا بشیر اللہ برمی، مولانا عبید اللہ حسینی ناظم تبلیغ، مولانا محمد عامر رامپوری، مولانا مفتی منظور احمد بجنوری، مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی خلیفہ تھانویؒ، مولانا قاضی زاہد الحسینی کیمبلپوری اور مولانا فضل احمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی جیسے مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

ہندوستان کے مختلف مدارس عربیہ خصوصاً مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور امداد العلوم تھانہ بھون میں ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفید کرنے کے بعد ۱۳۷۰ھ میں پاکستان کے لئے رخت سفر باندھا اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریسی و فقہی خدمات کے لئے تشریف لے گئے یہاں ۱۳۹۱ھ تک بلند پایہ کتب زیر درس رہیں بعد ازاں طبعی اعذار کی وجہ سے اسباق بند کر دیئے گئے اور صرف افتاء کا کام باقی رہا ہے اور تیس برس سے جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کو ملک اور بیرون ملک میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور پاکستان میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بعد فتاویٰ میں آپ ہی کو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور آپ کے فتاویٰ پر شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اعتماد کا اظہار فرما

چکے ہیں، آپ کا روحانی سلسلہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے منسلک تھا اور دونوں حضرات اکابر سے آپ نے خوب خوب فیض علمی و روحانی حاصل کیا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کردیا تھا اور خود بھی خصوصی توجہات و عنایات سے نوازتے رہے تھے تربیت و اصلاح حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ مجاز بیعت حضرت حکیم الامتؒ نے فرمائی اور اجازت بیعت سے بھی نوازا، آپ ایک جید عالم دین، عظیم الشان فقیہ اور بہترین شیخ کامل ہیں، متبع سنت اور عاشق رسولؐ ہیں، حق و صداقت کا پیکر اور اخلاق و عادات میں اسلاف کی یادگار ہیں، آپ اردو، عربی، فارسی کے بہترین ادیب اور قادر الکلام شاعر ہیں، بہت سی نعتیں، نظمیں، قصائد اور عربی فارسی اردو قطعات اس کا بین ثبوت ہیں۔ درس و تدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ آپ نے بہت سی کتب و رسائل بھی تالیف فرمائے ہیں، جن کا ذیل میں مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) زکوٰۃ الحلی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ (اردو) یہ کتاب غالباً لکھنؤ میں ۱۳۴۵ھ میں طبع ہوئی تھی۔ استعمالی اور غیر استعمالی زیوروں پر زکوٰۃ کے متعلق سید صاحبؒ کی تالیف سیرت عائشہ کے ایک مضمون پر رد و تنقید ہے"۔

(۲) دعوت التبلیغ (اردو) اس کتاب میں تبلیغ کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ پر عنوانات قائم کرکے ان کا سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۳) تفسیر المنطق حاشیہ تیسیر المنطق (اردو) موضوع نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ ایک دن اور ایک رات میں لکھا گیا تھا۔

(۴) تراجم الحماسیین (عربی) حماسہ کے پہلے باب کے متفرق شعراء کے احوال اس کتاب میں مذکور ہیں۔

(۵) حاشیہ تبلیغِ دین (اُردو) جس میں اختصار کے ساتھ احادیث کی تخریج اور مضمون کتاب کا ضروری حل موجود ہے۔

(۶) حاشیہ عربی معلقہ اوّل سبع معلقات (غیر مطبوعہ)

(۷) اظہار الطرب شرح اُردو ازہار العرب۔

(۸) شرح عربی ازہار العرب

(۹) دعوت التجارۃ (اُردو) تجارت کے فضائل و فوائد پر مشتمل ہے، اولاً رسالہ خالد دیوبند میں طبع ہوا پھر کراچی میں کتابی شکل میں جمع ہو کر کفلیتہ ضلع سورت میں گجراتی زبان میں طبع ہوا ہے۔

(۱۰) جمال الاولیاء (اردو) یہ کتاب یوسف بن اسماعیل نبہانی کی "لامع علامات الاولیاء" کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے حکم سے کیا گیا تھا اور ۱۳۴۹ھ میں مکمل ہوا ۱۳۵۹ھ میں پہلے تھانہ بھون اور پھر مکتبہ مدنی گوجرہ ضلع فیصل آباد سے اور ۱۹۶۲ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔

(۱۱) دلائل القرآن علی مسائل النعمان (عربی) حضرت حکیم الامت تھانوی کی خواہش یہ تھی کہ قرآن مجید سے مذہب حنفیہ کے دلائل جمع کئے جائیں۔ یہ کام اوّلاً حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو سونپا گیا مگر مولانا کے مسلسل اسفار اور دینی مشاغل کی وجہ سے یہ کام اس طرح تقسیم کیا گیا کہ اوّل کی دو منزلیں خود مولانا ظفر احمد عثمانی کے پاس رہیں اور دو منزلیں ۳، ۴، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب کے پاس، اور دو منزلیں ۵، ۶ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس اور آخری منزل حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے سپرد ہوئی ان سب حضرات نے اپنی اپنی مفوضہ خدمات کو بڑے عالمانہ اور محققانہ انداز میں مکمل کر دیا۔ اس کے کچھ حصے طبع ہوئے اور کچھ غیر مطبوعہ حالت میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

کے ہاں دارالعلوم کراچی میں پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان تالیف کو مکمل طور پر جلد ہی منظر عام پر لائے۔ آمین

(۱۲) ارث الحفید (اردو) پوتے کی میراث۔ پاکستان میں یتیم پوتے کی میراث پر فرقۂ اہل قرآن و منکرین حدیث کی طرف سے اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا تھا اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا تھا پہلے یہ مضمون ماہنامہ "الصدیق" ملتان میں شائع ہوا اور پھر کتابی صورت میں لاہور سے طبع ہوا۔

(۱۳) حلیۃ اللحیۃ (اردو) جس میں قرآن و حدیث سے اور از روئے عقل کے یکمشت داڑھی کے اثبات پر دلائل دیئے گئے ہیں یہ کتاب لاہور طبع ہوئی ہے۔

(۱۴) التحریر النادر فی حرمۃ نبش القبر الشیخ عبد القادر۔ (اردو) حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کے جسد خاکی کو قبر سے نکال کر ہندوستان منتقل کرنے کی جو تحریک اٹھی تھی اس کے عدم جواز و حرمت پر ایک محققانہ مضمون اور عالمانہ تحریر ہے جو ۱۳۹۱ھ میں سرگودھا سے شائع ہوا ہے۔

(۱۵) البحث والسفر عن عدم افتراض القبر بالحفر۔ (اردو) رسالہ بالا کا جواب ماہنامہ بینات کراچی میں شائع ہوا یہ رسالہ اسی کا جواب اور رد ہے۔

(۱۶) نصاب و نظامِ دینی مدارس۔ اس کتاب میں دینی مدارس پر اعتراضات کے جوابات ان کی ضروریات اور نصاب کے ہر ہر جزء کی وجہ پیش کی گئی ہے یہ کتاب ناشران قرآن لاہور نے طبع کرائی ہے۔

(۱۷) رسالہ ضرورت مذہب۔ یہ رسالہ اس عنوان سے اردو منظوم پر مشتمل ہے۔

(۱۸) مثنوی علاج المصائب۔ (اردو) یہ پہلے رسالہ دیندار سہارنپور میں اور پھر کتابی شکل میں طبع ہوا ہے۔

(۱۹) خرابیٔ سینما۔ یہ اردو منظوم رسالہ ہے اس میں چالیس عقلی دلائل سے اس کی قباحت

بتلائی ہے۔

(۲۰) عظمتِ حدیث۔ یہ تصنیف منکرین حدیث کے شبہات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

(۲۱) مسدس اصلاح کالج۔ موضوع نام سے ظاہر ہے یہ کتاب لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

(۲۲) عقائدِ مشرقی اور تحریک خاکسار کا مقصد۔ موضوعِ تالیف ظاہر ہے۔

(۲۳) شرح بلوغ المرام۔ یہ کتاب اُردو زبان میں لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

(۲۴) فضائلِ بیعت اُردو (۲۵) آٹھ تراویح بدعت ہیں۔

(۲۶) اسباب شکست (۲۷) احرام جدّہ کا تصفیہ اُردو

(۲۸) نبیؐ کل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اُردو (۲۹) جمیل الکلام۔ یہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ہیں

(۳۰) ہفت مسئلہ کی تشریح۔ (۳۱) الضحاوی علی الطحاوی عربی۔

(۳۲) حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی تسہیل و تشریح وغیرہ وغیرہ۔

ان کتب و رسائل کے علاوہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے بہت سے طویل مضامین ملک کے مختلف رسائل ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور ماہنامہ البلاغ کراچی، بینات کراچی، ترجمان اسلام، پیام اسلام اور پیام مشرق لاہور میں طبع ہوئے ہیں اور مختلف موضوعات پر علمی و فقہی مسائل کثرت سے چھپتے رہتے ہیں۔

اِن کے علاوہ آپ کے عربی قصائد، منظومات اور تاریخی قطعات بھی طبع ہوئے ہیں کیونکہ شعر و شاعری کا بھی آپ کو خداداد ذوق حاصل ہے۔ آپ کی اولاد صالحہ میں کئی صاحبزادے ہیں۔ جن میں بڑے صاحبزادے جناب مولانا مشرف علی تھانوی اُستاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ہیں۔ جو واپڈا کالونی میں ایک جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ بھی ہیں۔ اور علم و عمل میں اپنے اکابر و اسلاف کا نمونہ ہیں۔ اور ایک قابلِ فخر عالم و فاضل ہیں، عارف باللہ شیخ العصر الحاج حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی مدظلہم خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

قدس سرہٗ کے مجاز بیعت ہیں اور اس وقت جیّد علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے جناب مولانا قاری احمد میاں تھانوی جو دارالعلوم دینیہ لاہور کے پرنسپل اور صدر قاری ہیں اور ایک نوجوان صالح فاضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی عمر میں برکت دے۔ اور ان کے اخلاف رشید کو اُن کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین۔

● "آدمی جب کامل ہوتا ہے جب اس میں تین صفتیں موجود ہوں، اس کا علم فقہاء جیسا ہو، عبادت اولیاء جیسی ہو اور اس کے اعتقادات متکلمین جیسے ہوں۔"

★

● "زہد کا آخری درجہ یہ ہے کہ مال آنے پر آدمی اتنا خوش نہ ہو کہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور مال کے چلے جانے پر اتنا غم نہ ہو کہ یاس اور نا اُمیدی لازم آئے۔"

شیخ الحدیث

(علامہ محمد ادریس۔ کاندھلوی رحؒ)

حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شروانی رح

رئیس الآمت حضرت مولانا حافظ الحاج جلیل احمد صاحب شروانی علی گڑھی رح حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے ضلع علی گڑھ کے رئیس خاندان شیروانی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ۱۳۱۵ھ میں حافظ محمد مصلح الدین صاحب کے گھر پیدا ہوئے اور قرآن پاک اور تجوید کی تعلیم ایک صاحب کمال اور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب خراسانی رح سے حاصل کی۔ جب آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تو آپ کے والد گرامی حافظ محمد مصلح الدین صاحب رح نے بطور انعام آپ کے استاذ مکرم کو ایک بنگلہ عطا فرمایا۔ قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کے والد صاحب رح نے آپ کو دنیاوی تعلیم میں لگا دیا چونکہ آپ ایک رئیس زادے تھے اس لئے آپ کو رئیسانہ طور طریق سے تعلیم دلوائی گئی۔ آپ کے لئے خاص طور پر ایک خادم مقرر تھا جو آپ کی خدمت کے لئے ساتھ رہتا تھا غرضیکہ نہایت شاہانہ انداز سے آپ نے تعلیم حاصل کی مگر اس کے باوجود آپ فطری طور پر نہایت متواضع اور تنہائی پسند تھے اور بچپن ہی سے آپ کا رجحان دین کی طرف تھا، بچپن ہی سے نماز اور روزے کے پابند تھے۔ حلال وحرام جائز و ناجائز باتوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ آپ کے استاذ مکرم مولانا قاری محمد صدیق صاحب رح کی صحبت سے دین میں اور پختگی آ گئی پھر آپ کے زمانہ تعلیم ہی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا مسلم یونیورسٹی میں وعظ ہوا تو آپ اس قدر متاثر

ہوئے کہ پھر ساری زندگی حکیم الامت قدس سرہٗ کے ہی ہو کر رہ گئے یہ حضرت حکیم الامتؒ کی پہلی دفعہ زیارت تھی جو آپ کو زمانہ طالب علمی میں نصیب ہوئی، آپ کے والد ماجد کو بھی حضرت حکیم الامت سے خاص عقیدت تھی اس لئے آپ کے والد صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے گھر پر تشریف آوری کی درخواست کی جو حضرت حکیم الامتؒ نے بخوشی منظور فرمائی اور مکان پر تشریف لے گئے، حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی خداداد فراست سے آپ کو بچپن ہی کے زمانہ میں پہچان لیا اور آپ کے والد کو فرمایا کہ:۔

"یہ لڑکا آپ کے کام آئے گا"

اس ملاقات کے بعد آپ نے حضرت حکیم الامتؒ سے باقاعدہ خط و کتابت شروع فرما دی اور اپنے استاذ قاری محمد صدیق صاحبؒ سے حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ و ملفوظات لے کر پڑھنا شروع کر دیئے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے اصلاح باطن اور بیعت کی درخواست کی جو بارگاہِ اشرفی میں منظور ہوئی۔ اور حضرت حکیم الامتؒ نے باقاعدہ آپ کو بیعت فرما لیا۔ بیعت کے بعد آپ کی دنیا ہی بدل گئی، ہر بات میں حضرت حکیم الامتؒ سے مشورہ طلب کرنے لگے حتّٰی کہ اپنے خانگی اُمور تک میں حضرتؒ سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ سے اتنا تعلق اور عشق ہو گیا کہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد مستقل طور پر تھانہ بھون میں قیام کا ارادہ کر لیا تاکہ حضرت حکیم الامتؒ کے قریب رہ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔ آپ نے اپنے اس ارادے سے حضرت حکیم الامتؒ کو مطلع کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اگر جائداد کی نگرانی کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے تو بیشک اس ارادہ پر عمل کریں"

چونکہ بفضلہ تعالیٰ جائداد کا ایک معتد بہ حصہ وراثت میں ملا تھا اس لئے اتنی بڑی جائداد کا انتظام کرنا بھی ایک مشکل کام تھا لیکن آپ اپنے پیر و مرشد حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہٗ کی خدمت

اقدس میں حاضری کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے اور اِدھر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ بھی دعائیں فرماتے تھے تو منجانب اللہ ایک نگران کا انتظام ہو گیا اگرچہ بعض متعلقین حضرات نے خور د بُرد بھی کی مگر آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضری کو ترجیح دی اور مالی نقصانات کو برداشت کیا۔ تھانہ بھون میں آپ کو قیام کے لئے ایک مکان کی مستقل ضرورت بھی تھی اور چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کو آپ کی طبیعت کا حال معلوم تھا اس لئے حضرت حکیم الامتؒ کو اس کی فکر تھی کہ ایسا مکان ہو جس میں ہر قسم کی سہولت موجود ہو۔ چنانچہ متعدد مکانات میں رہائش رکھنے کے بعد حضرتؒ نے خود اپنا ذاتی دولت خانہ رہائش کے لئے عطا فرما دیا، آپ چودہ سال تک اس دولت کدہ میں قیام فرما رہے مگر آپ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود حضرت حکیم الامتؒ نے اس کا کوئی کرایہ نہیں لیا، قیام تھانہ بھون کے دوران آپ نے عربی نصاب کو مکمل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا چنانچہ حضرت حکیم الامت نے آپ کے لئے عربی نصاب کی کتابیں تجویز فرمائیں اور خود حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ آپ کو کاندھلہ لے کر گئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے والد ماجد محمد اسمٰعیل صاحبؒ سے کہا کہ:

"مولوی صاحب! اس کا آپ ایسا ہی خیال رکھیں جیسے آپ میری اولاد کا رکھتے اور دیکھئے دو باتوں کا خیال رکھئے ایک تو یہ کہ رات کو تنہا نہیں سو سکتے۔ دوسرے یہ کہ اندھیرے میں ان کو نیند نہیں آتی۔"

چنانچہ آپ نے مولانا اسماعیل صاحبؒ کے اس مدرسہ میں باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ تھانہ بھون واپس تشریف لے آئے اور حضرت حکیم الامت کے مشورہ سے یہاں بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور چند دیگر اکابرین سے استفادہ کیا۔ حضرت حکیم الامت کی دعاؤں اور دوسرے اکابر علماء کی خصوصی توجہات اور اپنی رات دن کی محنت اور شوق سے بفضلہ تعالیٰ چند ہی روز کے اندر آپ میں وہ قابلیت پیدا ہوئی جو آٹھ آٹھ دس دس سال

لگانے والوں میں بہت ہی کم پیدا ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہر کام اپنے پیر و مرشد کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، کتاب کا انتخاب ہو یا کسی اُستاد کا، ہر کام حضرت حکیم الامتؒ کے مشورہ سے کیا جاتا تھا غرضیکہ حضرت حکیم الآمت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات بابرکات سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت و محبت تھی کہ اکثر مجلسوں میں بار بار حضرت حکیم الآمتؒ کے ارشادات ہی کا ذکر فرماتے تھے۔ اکثر جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو اس مسئلہ پہ بطور استدلال و استشہاد تو ضیح حضرت حکیم الآمتؒ کے ملفوظات بیان فرماتے تھے۔ جب کسی مسئلہ کو بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حکیم الآمتؒ کے علوم آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ حضرت حکیم الآمتؒ سے عقیدت و محبت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوٹھی جس کا نام پہلے جلیل منزل تھا مگر حضرتؒ سے تعلق کے بعد اس کا نام تبدیل کر کے اشرف منزل رکھ لیا۔ آپ کے لیئے ہر کام میں اپنے شیخ کا اتباع ضروری تھا آپ پہلے شیروانی زیب تن فرماتے تھے جب یہ سُنا کہ حضرت علماء کے لئے شیروانی پسند نہیں فرماتے تو آپ نے شیروانی پہننا چھوڑ دیا۔ اور حضرتؒ کے اتباع میں چھ کلی والی اچکن پہننا شروع کر دی اور زندگی بھر یہی چھ کلی والی اچکن زیب تن فرماتے رہے اسی طرح جب آپ کو معلوم ہُوا، کہ حضرت حکیم الامتؒ علماء کے لئے اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ ہاتھ پہ گھڑی باندھیں تو آپ نے بھی اسی دن سے ہاتھ پر گھڑی باندھنا چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے جیبی گھڑی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مختصر یہ کہ ہر قول و فعل میں اپنے شیخ کا اتباع فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات پر خود بھی عمل کیا اور عوام و خواص کے لئے بھی حضرتؒ کے ملفوظات و ارشادات کو ضبط کر کے ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ اور جس سے قیامت تک لاکھوں کروڑوں افراد استفادہ کر کے اپنی روحانی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ آپ نے حضرت حکیم الآمتؒ کے ارشادات کو بڑی محنت و شوق سے جمع کیا اور ”الافاضات الیومیہ“ کے نام سے سات حصّوں میں ہزاروں

ملفوظات کا ذخیرہ جمع کر کے شائع کیا جس کے اندر "القول الجلیل" کے نام سے بھی تین چار حصے شائع ہوئے ہیں اور وہ حصے "القول الجلیل" کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہو چکے ہیں حق تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل و کرم تھا اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت کو شرف قبولیت بخشے آمین۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف بھی شائع ہوئی ہیں۔ جو "ملفوظات التصوف" "قرآن کا نیا معجزہ" "قرآن کا عجیب وعدہ" "آثار رحمت" "جمہوری نظام وغیرہ ناموں سے طبع ہوئی ہیں یہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

حضرت مولانا شروانی صاحبؒ علی گڑھ کے ایک رئیس خاندان کے فرد تھے ہر قسم کا آرام و راحت بفضلہ تعالیٰ آپ کو نصیب تھا مگر محض دین کے تحفظ کے جذبہ نے آپ کو ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کیا چنانچہ قیام پاکستان کے بعد آپ اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں آکر سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا وہ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی عظیم اور دلی خواہش کو منظر عام پر لانا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ کی وہ دلی خواہش اور تمنا کیا تھی؟ وہ یہ تھی کہ یہاں پاکستان میں بھی مجلس صیانۃ المسلمین کو قائم کیا جائے اور اس کے مرتبہ قواعد و ضوابط کے تحت اصلاح و تربیت کا کام اجتماعی انداز میں کیا جائے۔ مجلس صیانۃ المسلمین کی اہمیت کا اندازہ حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات کی روشنی میں دیکھنا ہو تو مجلس صیانۃ المسلمین حضرت تھانویؒ کی نظر میں" رسالہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

غرضیکہ آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامتؒ کے ہر قول و فعل کو عام کرنے کا کام جاری رکھا اور اسی مقصد کے لئے پہلے آپ نے علی گڑھ شہر میں مجلس قائم فرمائی اور قیام پاکستان تک یہ کام علی گڑھ میں جاری رہا۔ پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے تعاون سے لاہور شہر میں مجلس کا کام شروع کیا اور آج بحمد اللہ پورے پاکستان

میں یہ عظیم الشان کام بڑے ذوق و شوق سے ہو رہا ہے اور جہاں بھی حضرت حکیم الامت رح کے متوسلین اور عقیدت مند موجود ہیں۔ مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے اور ایسی کون سی جگہ یا شہر ہے جہاں حضرت رح کے چاہنے والے نہ ہوں۔

بہر حال حضرت مولانا علی گڑھی رح کی یہی خواہش تھی کہ تمام مسلمان حضرت حکیم الامت رح کے بتلائے ہوئے اس نظام کو خود بھی اپنائیں اور دوسروں کو بھی اس طرف دعوت دیں اور پھر سب مل کر اس نظام کے تحت انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرہ کی اصلاح میں لگ جائیں اس جدّ و جہد میں آپ نے دامے، درمے، قلمے اور قدمے ہر طرح کام کیا اور اپنے ہمراہ لایا ہوا کل سرمایہ بھی اسی کام کی اشاعت اور جد و جہد میں لگا دیا۔ اور جب تک آپ حیات رہے اس وقت تک اسی کی اشاعت میں مصروف رہے اور جب آپ کو امراض نے گھیر لیا قویٰ کمزور ہو گئے ہمت نے جواب دے دیا اور آپ نے دیکھا کہ مجلس کے کام کو پوری محنت سے نہیں چلایا جا سکتا تو احباب کے مشورہ سے اپنے رفقائے کار میں سے حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہ کو مجلس کی خدمت پر مامور فرما کر صدر بنا دیا۔ اور اب اس کام کو بفضلہ تعالیٰ آپ کے قابل فخر صاحبزادہ مولانا وکیل احمد شیروانی استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور و ناظم نشر و اشاعت مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان اور حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ ناظم اعلیٰ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان و استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بڑے احسن طریقے سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی صاحب رح کو پاکستان میں مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کا بانی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ آپ نے اپنے شیخ کی تعلیمات کو عام کرنے کا پورا پورا حق ادا کیا اور ساری عمر اپنے شیخ کی ہدایات پر عمل پیرا رہے۔ آپ ایک عالم و فاضل اور رئیس زادہ ہونے کے باوجود اخلاق فاضلہ اور کمالات حسنہ سے معمور تھے، بڑے خوش خلق، متواضع کم گو اور منکسر المزاج تھے۔ معمولات اور تقویٰ کے شدت سے پابند ہونے کے باوجود

خشک مزاج ذرا سے بھی نہ تھے، تکبر اور متکبر انسان سے آپ کو بڑی سخت نفرت تھی اور متواضع آدمی کو بے حد پسند فرماتے تھے، ہر قول و فعل میں سنت کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے ہر کام میں تقویٰ و طہارت کا خیال رکھتے تھے جس دن آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں تشریف لائے اور جس مکان میں آپ کا قیام ہوا تو اس کے ایک کمرہ میں مدرسہ کی چٹائی بچھی ہوئی تھی آپ نے اس کو فوراً اٹھوا دیا اور اپنی خرید کر بچھائی" اسی طرح اس مکان کا میٹر مشترک تھا آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ سے عرض کیا کہ :- کہ ہو سکتا ہے ہم بجلی زیادہ خرچ کر دیں اور

حساب میں کم لگا دی جائے تو اس طرح مدرسے کے نقصان کا احتمال ہے اگر اجازت ہو تو میں اپنا علیحدہ میٹر لگوا لیتا ہوں"

چنانچہ آپ نے اجازت کے بعد اپنا میٹر الگ لگوا لیا، آپ کے وصیت نامہ میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ ایک دفعہ مکان کی چھت پر کسی کی پتنگ کی ڈوری گری ہوئی ملی جو میں نے اٹھا کر رکھ لی۔ اس کے مالک کو تلاش کیا مگر وہ نہیں مل سکا، لہذا میرے ورثاء کو چاہیئے کہ اس کے مالک کی تحقیق کر کے اس کی قیمت ادا کریں ۔"

غرضیکہ اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو آپ کے تقویٰ و طہارت کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں مگر یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے ساری حیات دین کی خدمت کی اور آخر دم تک سنت پر عمل پیرا رہے، علالت کے دوران بھی حیاء و شرم کا یہ عالم تھا کہ ڈاکٹر کے اصرار پر بھی ہسپتال میں صرف اس لئے داخل نہیں ہوئے کہ وہاں نامحرموں سے واسطہ پڑے گا وہ میرے پاس آئیں گی مجھے ہاتھ لگائیں گی وغیرہ"

بہرحال اسی حالت میں اس مرد مومن نے ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جس رات آپ کا انتقال ہُوا، اُسی رات حضرت مولانا محمد عرفان صاحبؒ برادر زادہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے ایک خواب دیکھا جو اپنی مسجد واقع کرشن نگر میں تشریف فرما تھے انہیں حضرت مولانا کی وفات کا بالکل علم نہیں تھا انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے جو نیلا گنبد کی طرف سے آرہا ہے اور اس میں کسی کا جنازہ ہے اس مجمع میں سے رات کی رانی کی سی عمدہ خوشبو آرہی ہے جس نے فضا کو معطّر کر دیا، صبح کی نماز کے بعد معلوم ہُوا کہ حضرت مولانا جلیل احمد صاحبؒ وصال فرما گئے تو مولانا محمد عرفان صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کہ: "جب میں نے آپ کو قبر کے اندر اُتارا تو بعینہٖ وہی خوشبو جو میں نے رات کو مجمع کے اندر محسوس کی تھی وہی خوشبو قبر کے اندر محسوس کی اور بڑی شدّت سے محسوس کی"

اسی طرح اس رات جناب پروفیسر چوہدری سردار محمد صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ جو نہایت درجے صالحہ اور عابدہ خاتون ہیں، حضرت حکیم الامّت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل ہے اور جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان کی بڑی ہمشیرہ ہیں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ اُن کے شوہر پروفیسر سردار محمد صاحب مرحوم جو اس زمانہ میں ڈیرہ غازیخان کے ایک کالج میں پرنسپل تھے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تم سو رہی ہو اور ایک شہید اعظم کا جنازہ تیار ہے اور میں اس میں شرکت کے لئے آیا ہوں"۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی اطلاع کے لئے پہنچ گیا کہ حضرت مولانا جلیل احمد صاحبؒ رحلت فرما گئے ہیں"

اس کے علاوہ یہ بھی کتنی عجیب بات تھی کہ آپ کے جنازہ کی نماز بھی اس عظیم المرتبت شخصیت نے پڑھائی جس نے مجدّدِ وقت حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی پڑھائی۔ یعنی شیخ الاسلام علامہ مولانا محمد ظفر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی۔ ٹنڈو الہ یار سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری منجانب اللہ ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہُوا کہ جس وقت آپ ٹنڈو الہ یار سے لاہور تشریف لائے تو اسٹیشن پر ہی حضرت مولانا

عثمانی مرحوم کو بتایا گیا کہ مولانا جلیل احمد صاحبؒ کا آج صبح انتقال ہو گیا۔ حضرت مولانا عثمانیؒ نے فرمایا کہ :- عجیب بات ہے کہ کئی دنوں سے میں لاہور آنے کے لئے سوچ رہا تھا مگر مدرسہ کی مصروفیات کی وجہ سے ارادہ ملتوی ہوتا رہا کہ اچانک کل قلب میں لاہور آنے کا شدت سے تقاضا پیدا ہوا۔ میں خود حیران تھا کہ اتنا شدید تقاضا کیوں ہوا، وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی میں اس تقاضہ سے چل پڑا مگر اب معلوم ہوا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اپنے مخلص دوست کی نماز جنازہ پڑھانی تھی۔" مجھ سے ان کو شدید تعلق تھا اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں یہ مجھ سے پڑھتے رہے ہیں اور افتاء کا کام بھی سیکھا، بڑے مخلص دوستوں میں سے تھے تو میرا اس وقت آنا منجانب اللہ ہی ہوا ورنہ اس وقت آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا عثمانیؒ نے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں حضرت مولانا شروانیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے طلباء علماء اور عوام و خواص کے علاوہ اکابر علماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان شروانی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت مولانا محمد ضیاء الحق صاحب سابق صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے دیگر علماء و مدرسین حضرات ان کے علاوہ تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات پر اکابر علماء و مشائخ نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ :-

"وہ نوری جامہ ہم سے پوشیدہ ہو گیا، اُن کی بڑی مقتدر

پاک اور متقی ذات تھی اور حضرت مرحوم اپنے وقت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔"

حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا جلیل احمد صاحب شروانیؒ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے محب خصوصی اور خلیفہ خاص تھے، ضلع علی گڑھ کے رہنے والے اور مشہور شیروانی خاندان کے فرد تھے، رئیس اور رئیس زادے تھے، کم سنی ہی سے اپنے مرشد کے عشق میں ترکِ وطن کر کے تھانہ بھون آ گئے۔ اور یہیں خانقاہِ اشرفیہ میں رہ کر علومِ دین کی تحصیل و تکمیل کی، ۱۹۴۷ء کی ہلچل میں ہزارہا کا مالی نقصان اُٹھا کر لاہور ہجرت کی اور اب جامعہ اشرفیہ میں مقیم تھے، بڑے گہرے دیندار، معمولات اور تقویٰ کے شدت سے پابند ہونے کے باوجود ذرا سے خشک مزاج نہ تھے اور اپنی صالحیّت کا زعم و پندار تو چھو کر بھی نہ گیا تھا، مہمان نواز اور بڑے ہی منکسرالمزاج اور متواضع تھے۔"

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، نے آپ کی وفات حسرت آیات پر حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات تحریر فرمایا:۔

آں جلیل احمد کہ شروانی رئیس فقر و صبر و معرفت چوں برگزید

کرد دِل لبریز از شوقِ جہاد نیک می آید ز تالیفش پدید!

چوں بیماری سل در او فتاد ناگاہ بیک اجل بروئے رسید

جستم از دل تاریخ وفات

گفت مردِ مومنے خونی شہید

۱۳۷۵ھ

حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ

آپ کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلا گڈھو تھا اسی وجہ سے آپ اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ میں آپ کے ننھیال موضع کنگیڑی ضلع کرنال میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حکیم محمد غوث صاحب دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے فارسی میں بہت ذوق رکھتے تھے اور دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے آپ نے قرآن شریف کی تعلیم اپنے قصبہ کے پیر جی محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے ظل عاطفت میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تعلیم شروع کر دی۔ اسی اثناء میں درسِ نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیر سایہ خانقاہِ امداد اشرفیہ تھانہ بھون میں کئی حضرات مدرسین مولانا انوار الحق صاحب امروہیؒ اور مولانا سید احمد حسن صاحب سنبھلی سے پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اور گاہ بہ گاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے استفادہ فرماتے رہتے، خانقاہِ امدادیہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام تھا اس لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت روحانی بھی حاصل کرتے رہے پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے ۱۳۳۷ھ میں دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے دستِ مبارک سے سند عطا ہوئی۔ پھر حضرت اقدس مولانا سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے حکم پر ہی موضع اجراوڑ ضلع

میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس ہو کر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ اپنے فیض علمی سے طلباء اور دوسرے مسلمانوں کو مستفیض فرماتے رہے، اس کے بعد مختلف مدارس عربیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر مستقل طور پر خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے زیر سرپرستی تدریسی، تالیفی اور فتوی نویسی کی خدمات انجام دینے لگے۔ حضرت حکیم الامت کو چونکہ آپ پر حد درجہ اعتماد اور اطمینان تھا اس لئے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور کیا جاتا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا بڑا حصّہ جس طرح اپنے مُرشد کے زیر سایہ گزرا ہے اسی طرح آپ کے سوانح اور دینی خدمات کے تذکرہ کا بھی زیادہ حصّہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سوانح کے ساتھ منضبط ہو کر شائع اور محفوظ ہو گیا ہے "اشرف السوانح" کی تالیف کے وقت آپ نے اپنی دینی خدمات کا تذکرہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر دیا تھا، وہ "مکارم عشرہ" کے عنوان سے "اشرف السوانح" میں شامل ہے ان میں سے بعض اہم خدمات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت کے خلاف ہے مثلاً بہن اور بیٹی کو حصّہ نہیں دیا جاتا، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ علماءِ کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ لوگ سمجھ جائیں۔"

"ارشاد فرمایا:۔ کہ

جس قدر کوشش ہو سکے اس میں دریغ نہیں کرنا چاہیئے
نفع کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے!

حضرت حکیم الامتؒ کے اس ارشاد پر حضرت مفتی صاحب نے ہمت فرمائی۔ اور پنجاب بھر میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک شروع کر دی۔ اور عام جلسوں اور اجتماعات میں

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی اور لاہور و امرتسر کے علاقوں میں سفر بھی کئے پھر اس مقصد کے لئے تحریری طور پر ایک فتویٰ "ظلم پنجاب کے متعلق خدائی دہلیت" کے عنوان سے چھپوایا جس کو عام تقسیم کیا گیا پھر ایک رسالہ "غضب المیراث" شائع کرا کے تقسیم کیا جس کے تمام مصارف کا اہتمام حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا اس کے ساتھ ساتھ جب اطرافِ آگرہ سے فتنہ ارتداد کی افسوسناک خبر ملی تو حضرت حکیم الامت کے حکم کے مطابق آگرہ اور اس کے نواح میں تبلیغ کا کام بھی جاری فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرالویؒ کو ساتھ ملا کر پورے دو سال تک فتنۂ ارتداد کے خلاف تحریک چلائی اور نہایت اہتمام کے ساتھ یہ دونوں حضرات تبلیغ دین فرماتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان دونوں مقاصد میں کامیابی نصیب ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کے جلسوں اور تحریروں کا نتیجہ سامنے آگیا اور یہ ظالم قانون تبدیل کر دیا گیا۔ اور پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب یہ قانونِ وراثت شرعی ضابطوں کے مطابق پنجاب میں نافذ ہوا تو آپ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوششوں کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے"۔

اِن تحریکات اور اہتمام تبلیغ کے علاوہ آپ نے تقریباً ایک سو مکاتب و مدارس قائم کئے جن کی مالی امداد حضرت حکیم الامتؒ خود فرماتے تھے۔ بہر حال فتنۂ ارتداد اور دوسرے لادینی فتنوں کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تحریری و تقریری جہاد فرماتے رہے اور کامیاب رہے، پنجاب کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے حکم سے حضرت مفتی صاحبؒ پھر خانقاہ تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے۔ اور تقریباً پورے پچیس سال خانقاہ سے باقاعدہ تعلق رہا اس ۲۵ سال کے عرصہ میں حیدرآباد سندھ میں تقریباً ایک سال تک تعلیمی و تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دیں اور کچھ مہینے ریواڑی میں دینی و تدریسی خدمات میں مصروف رہے، مرزائیت وغیرہ کے خلاف بھی کافی تحریک چلائی اور کئی مناظرے اور مباحثے کئے اسی طرح ہندوستان

کے اندر شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے اس طرف توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب ؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کو ساتھ ملا کر ایک کتاب "الحیلة الناجزة" کے نام سے تالیف فرمائی۔ جس میں ان مشکلات کا حل تجویز فرمایا جس سے عورتوں کے مصائب میں بہت کمی ہو گئی۔

الغرض آپ کی زندگی کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ گزرا اور اس دوران خدمت درس و تدریس اور افتاء کے علاوہ بہت سے فتنوں کے خلاف تحریکات بھی چلاتے رہے اور علمی و فقہی اور گرانقدر تصنیفی خدمات بھی انجام دیں۔ بہشتی گوہر جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت حکیم الامت ؒ کے حکم سے اصلاح فرمائی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا اور تفسیر "بیان القرآن" پر نظر ثانی بھی فرمائی ان کے علاوہ کئی اور تصانیف بھی تالیف فرمائیں جن میں "حیلۂ ناجزہ" رسالہ جبریہ تعلیم، قانون اوقاف، المختارات، تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ "القول الرفیع فی الذب عن الشفیع" "وفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین" اور افادة العوام ترجمہ نصوص خطبات الاحکام" وغیرہ علمی شاہکار ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبعی ذہانت و فطانت کے علاوہ چونکہ طویل زمانہ تک حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے زیر تربیت رہے اور تعلیمی و تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علمی ذوق سے ان کو حصہ عطا فرمایا تھا جو ہر کسی کو صرف کتب بینی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ اخلاق و عادات میں قرونِ اولیٰ کا نمونہ تھے متبع سنّت اور ایک سچے عاشق رسول تھے۔ متعدد بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے پہلی مرتبہ غالباً ۱۳۲۵ھ میں حرمین شریف کا سفر کیا اور تقریباً آٹھ ماہ قیام کیا تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کی پھر دوسرے حج میں معہ اہل و عیال تشریف لے گئے۔ اور ایک سال حجاز میں قیام کے بعد دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی۔ دوسرے سفر حج میں مسلسل آٹھ ماہ

مدینہ منورہ میں قیام کا شرف حاصل ہوا اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں حدیث وفقہ کی بڑی کتابیں مسلم شریف اور موطاء امام مالک ہدایہ وغیرہ کے درس دینے کا موقعہ اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا، حرم محترم نبوی کے بعض اساتذہ بھی درس حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے ایک مدرّسِ حرم سے ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ آپ تو صاحب مذہب ہیں، موطاء امام مالک آپ کے امام کی کتاب ہے اس کو تو آپ حنفیوں سے زیادہ سمجھتے ہوں گے۔ پھر آپ اس کے سبق میں کیوں شریک ہوتے ہیں" تو اس عالم نے فرمایا کہ:۔ "اپنے مذہب کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا جواب

تو ہم خود دے دیتے ہیں مگر احادیث میں جو تطبیق آپ دیتے ہیں ان کو سننے کے لئے میں آتا ہوں پھر اس کو جاکر حرم نبوی میں طلباء کو سناتا ہوں، یہ فن تطبیق جیسا کہ آپ حضرات کو آتا ہے ہمیں نہیں آتا"

بہر حال آپ اپنے وقت کے جید ترین عالم دین، عظیم الشان فقیہ اور عارف کامل تھے ساری عمر اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک و مشرب پر سختی سے قائم رہے اور ان کے مجاز صحبت قرار پائے۔ حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ "واللہ میں مفتی عبدالکریم کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں"۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں آپ اپنے خاندان والوں کے ہمراہ ہجرت فرما کر قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے اور تقریباً سوا سال اسی قصبہ میں رہ کر بعارضہ بخار و اسہال بتاریخ ۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۸ مئی سنہ ۱۹۴۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہٗ آپ کے صحیح علمی و روحانی جانشین ہیں جو اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں آپ کا عین نمونہ ہیں۔ اور قابل قدر عالم دین ہیں۔

(تفصیلی حالات "بزم اشرف کے چراغ" میں دیکھئے)

حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ

اُستاذ العلماء حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۲۶ھ یا ۱۳۲۷ھ میں شیخ احسان علی بن شیخ شیر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی کتب پرائیویٹ پڑھیں اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو کر فارسی کا پورا نصاب اور درسِ نظامی کی تعلیم از اوّل تا آخر حاصل کی، مظاہر العلوم میں ۱۳۴۲ھ میں باقاعدہ داخلہ لیا۔ اور ۱۳۴۷ھ میں سند فراغ حاصل ہوئی۔ آپ کے ابتدائی کتب کے اساتذہ میں مولانا ظہور الحق صاحبؒ، مولانا صدیق احمد صاحبؒ، مولانا عبد الرحمٰن اورنگزیب آبادی اور مفتی ضیاء احمد گنگوہیؒ وغیرہ ہیں، متوسط کتابوں کی تعلیم جن حضرات سے حاصل کی اُن میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ مولانا عبد الشکور کاملپوریؒ، مولانا اخلاق احمد سہارنپوری اور مولانا محمد زکریا قدوسیؒ شامل ہیں، دورۂ حدیث کے اساتذہ میں حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ اور مولانا منظور احمد خان صاحبؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد شوال ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں معین مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، دو سال تک عربی کی ابتدائی کتب پڑھائیں پھر ۱۳۵۰ھ سے مدرس اوّل فارسی کی حیثیت سے درجہ اعلیٰ فارسی کا نصاب اور اس کے ساتھ ایک دو عربی کے اسباق پڑھاتے رہے نیز فارسی نصاب کی تدریس کے ساتھ ساتھ عربی کی جملہ ابتدائی اور متوسط کتابیں ترتیب وار ہر علم و فن کی زیرِ درس رہیں، یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک چلا ۱۳۷۰ھ سے مستقل طور پر درجہ وسطیٰ عربی میں منتقل کئے گئے اور ۱۳۷۷ھ تک اس درجہ کی اکثر کتابیں

جلالین شریف ہدایہ آخرین زیر درس رہیں، اس عرصہ میں گاہے گاہے مقامی اور بیرونی مدارس و مکاتب کے سالانہ جلسوں میں بھی وعظ و تقریر کے سلسلہ میں جاتے رہے، اسی عرصہ میں ایک سال کی طویل رخصت لے کر بسلسلۂ علاج لاہور تشریف لائے، اس یکسالہ تعطیل کے دوران مشہور زمانہ اخبار روزنامہ زمیندار کے شعبۂ ادارت میں مدیر معاون کی حیثیت سے تقریباً آٹھ ماہ تک وابستہ رہے، طالبعلمی کے دور میں دو امتحانات فارسی کے منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے اور کامل الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کئے، اس کے بعد پورے ۳۵ سال تک شب و روز کے اکثر لمحات مظاہر العلوم کی خدمات میں گزارنے کے بعد بیس محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۵۷ء کو مظاہر العلوم سہارنپور سے مستعفی ہو کر پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آ کر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی دعوت پر دارالعلوم کراچی میں اُستاذ حدیث کی حیثیت سے سولہ سال تک دورۂ حدیث اور موقوف علیہ کی بعض کتابیں زیر درس رہیں اور پھر آخر دم تک بخاری شریف، مسلم شریف، جلالین شریف، ہدایہ رابعہ توضیح وغیرہ زیر درس رہیں۔

حضرت مولانا کی زندگی کا سب سے قیمتی شاہکار اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی مشہور تصنیف "اظہار الحق" جو عربی کی دو مبسوط جلدوں پر مشتمل ہے اس کا اردو ترجمہ "بائیبل سے قرآن تک" کے نام سے جو تین جلدوں اور سترہ سو اکتالیس صفحات پر مشتمل ہے، "لنڈن ٹائمز نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ اگر یہ کتاب اسی طرح طبع ہوتی رہی تو مذہب عیسائیت کی ترقی بند ہو جائے گی۔ اَب تک اُردو کا دامن اس بیش بہا کتب سے خالی تھا اور شکر کا مقام ہے کہ مدرسہ مظاہر العلوم کے ایک لائق فرزند نے اس خلاء کو پُر کر دیا ہے"۔ (تاریخ مظاہر العلوم سہارنپور)

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحبؒ ایم، اے۔ ایل۔ ایل بی استاذ حدیث دارالعلوم کراچی۔ اپنے مفصل مقالے میں حضرت مولانا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اُستاذ محترم حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دار العلوم کراچی کے بزرگ ترین اُستاذ تھے، انہوں نے مظاہر العلوم سہارنپور کے اکابر علماء سے براہ راست علم دین حاصل کیا۔ پھر حکیم الاُمت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی عرصۂ دراز تک صحبت اٹھائی اور پورے پچاس سال علوم دینیہ کی تدریس میں مصروف رہے، وہ ان خوش نصیب اہل علم میں سے تھے جنہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی زیارت اور ان سے استفادے کی سعادت بھی ملی تھی، حضرت مولانا کی لیاقت اور علمی استعداد کی بناء پر فراغت تعلیم ہی کے سال شوال ۱۳۴۷ھ میں اساتذہ نے آپ کو مظاہر العلوم میں بحیثیت معین مدرس مقرر کر دیا تھا، اس کے بعد آپ مظاہر العلوم کے باضابطہ اُستاد کی حیثیت سے مسلسل تیئیس سال تک علمی و دینی خدمات انجام دیتے رہے مظاہر العلوم میں قیام کے دوران حضرت مولاناؒ کے ہاتھوں اطرافِ عالم کے ہزارہا شاگرد عالم بنے جو اپنے اپنے حلقوں میں دینی خدمات دیتے رہے اور ایک مرتبہ اسی سلسلے میں برما کا بھی دورہ کیا۔ ۱۳۷۶ھ میں جب دار العلوم کراچی نانک واڑہ کی قدیم عمارت سے کورنگی کے وسیع رقبہ زمین پر منتقل ہوا تو احقر کے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مولانا موصوفؒ نے یہاں فرائضِ تدریس انجام دینا منظور فرما لیا۔ آپ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ میں کراچی تشریف لا کر ہمارے دار العلوم میں مصروفِ تدریس ہوئے۔ اور گذشتہ بیس سال سے یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ اس طرح گزشتہ شعبان میں اُستاذ محترم کی تدریس کو پورے پچاس سال مکمل ہوئے تھے اس نصف صدی کے دوران بڑے بڑے علماء نے حضرت مولاناؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، مشاہیر علماء میں سے حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم بھی حضرت مولانا کے شاگرد ہیں اور ان کے علاوہ جن معروف اہل علم نے آپ سے علم حاصل کیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، امیر تبلیغ حضرت مولانا

انعام الحسن صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جماعت تبلیغ، حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب امیر تبلیغی جماعت حجاز، حضرت مولانا نسیم احمد صاحب بجنوری، حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب بجنوری سابق ایڈیٹر ماہنامہ نظام کانپور وغیرہ حضرات وہ ہیں جنہوں نے مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت مولانا سے کسب فیض کیا۔"

اور کراچی میں دار العلوم میں جن اہل علم نے حضرت مولانا سے پڑھا ان میں حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم حال مہتمم دار العلوم کراچی مولانا مفتی عبد اللہ صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ منگڈوربا، مولانا عبد الرشید صاحب افغانی ناظم جمعیت علماء انگلستان لندن، مولانا مفتی بشیر احمد صاحب قاضی و مفتی تحصیل باغ آزاد کشمیر اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سواتی استاذ دار العلوم کراچی وغیرہ ہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

یوں تو حضرت مولانا کو تحریر و تصنیف سے بھی شغف تھا اور اظہار الحق کا اردو ترجمہ مولانا کی قابل قدر یادگار ہے لیکن ان کا اصل میدان تدریس ہی تھا ان کا انداز تدریس ایسا دلنشین ہوتا تھا کہ مشکل سے مشکل بحث پانی ہو جاتی تھی اس ناکارہ نے مولانا سے توضیح، جلالین اور صحیح مسلم شریف پڑھی ہے اور اس وقت پڑھی جب مولانا کے قویٰ مضبوط اور تدریسی کمال اپنے شباب پر تھا، ہمیں مولانا کے درس میں کبھی کوئی مشکل بحث معلوم نہیں ہوئی "توضیح" اصول فقہ کی بڑی معیاری کتاب ہے اور اس کے مباحث خاصے دقیق ہیں، لیکن مولانا سے پڑھتے وقت ہمیں وہ بالکل سہل معلوم ہوئی اور اس میں اور "نور الانوار" میں دقت کے اعتبار سے کوئی فرق معلوم نہیں ہوا۔ دقت کا اندازہ اُس وقت ہوا جب "توضیح" خود پڑھانے کا اتفاق ہوا، اس وقت پتہ چلا کہ اس کتاب کو ہم جس قدر آسان سمجھتے تھے وہ درحقیقت مولانا کے کمالِ تفہیم کا اثر تھا۔

تفسیر سے مولانا کو خاص شغف تھا اور ان کا جلالین کا درس اس قدر سلیس رواں شگفتہ اور مفید ہوتا تھا کہ قرآن کریم کے مضامین بڑے خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہوتے جاتے تھے

مباحث میں تفصیل واختصار کے لحاظ سے مولانا کے یہاں آغازِ سال اور اختتامِ سال کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا وہ جس معیار پر شوال میں درس شروع فرماتے اسی معیار پر شعبان تک ثابت قدم رہتے اور کتابیں اپنے وقت پر ختم ہوجاتی تھیں مولانا کے درس میں خارجی باتیں۔ لطائف اور قصے وغیرہ بہت کم ہوتے تھے۔ اِس کے باوجود وہ زیرِ درس بحث ہی کو اس قدر دلچسپ اور شگفتہ بنا کر پیش کرتے کہ شروع سے آخر تک درس کی شادابی برقرار رہتی تھی مولانا بڑے خلیق، ملنسار اور وضعدار بزرگ تھے اور جس کسی سے ایک مرتبہ تعلق مودّت قائم ہوجاتا اُسے آخر وقت تک نبھاتے تھے، ان کی شگفتگیٔ مزاج اور حاضر جوابی سے دار العلوم کے اساتذہ کی محفلیں باغ و بہار بنی رہتی تھیں۔ "اظہار الحق" کا اردو ترجمہ جو بائبل سے قرآن تک کے نام سے شائع ہُوا ہے حضرت مولانا کی گرانقدر یادگار ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانوی کی یہ کتاب ردِّ عیسائیت میں بے نظیر کتاب ہے لیکن دنیا کی پانچ زبانوں میں ترجمہ ہونے کے باوجود اردو کا دامن اس قیمتی علمی سرمائے سے خالی تھا آج سے اٹھارہ سال پہلے جب راقم دورۂ حدیث کا طالبعلم تھا حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم کی فرمائش پر حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ شروع کیا اور چھ ماہ کی مسلسل محنت کے بعد اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، مولانا کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے یہ ترجمہ کسی مددگار کتاب کے بغیر مکمل فرمایا، حد یہ ہے کہ کتبِ مقدسہ کی عبارتوں کا ترجمہ کرتے وقت بائبل موجودہ اُردو ترجمے کو بھی سامنے نہیں رکھا۔ اور اس کے باوجود بائبل کی دقیق ترین عبارتوں کا ترجمہ اتنا صحیح اور برمحل کیا کہ بعد میں جب احقر نے بائبل کے دوسرے ترجموں سے اس کا مقابلہ کیا تو بعض جگہ حیرت ہوگئی، کیونکہ اگر بائبل کا مسلسل ترجمہ کیا جاتا تو وہ بھی انتہائی مشکل کام تھا، چہ جائیکہ مسلسل کتاب کے بجائے صرف ان اقتباسات کا ترجمہ کیا جائے جو عام طور سے سیاق و سباق کی مدد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے، بالآخر مولانا کے اس کارنامے کی خدمت کی سعادت مجھ ناچیز کو حاصل ہوئی۔ اور پھر یہ ترجمہ احقر کی تشریح و تحقیق اور مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع ہُوا۔ اور اس کام کی تکمیل پر مولانا کی طرف سے

بیشمار دعائیں نصیب ہوئیں،

آخر کار علوم قرآن وسنت کا یہ خادم خدمتِ دین میں اپنی نصف صدی پوری کرنے کے بعد ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہزاروں متعلقین نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور دار العلوم کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین"

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ جنوری ۱۹۷۵ء)

● - میں ایک عالم دین کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ حکومتی دوائر میں کسی عہدے پر متمکن ہو۔ اس کا کام ارشاد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح ہے اور وہ حکومت سے باہر رہ کر ہی سر انجام دیا جا سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" اقتدار کی کان نمک میں جا کر نمک بننے سے بہتر ہے کہ اقتدار سے باہر رہ کر اصلاح بین المسلمین کا فریضہ سر انجام دیا جائے تاکہ کسی مرحلہ پر بھی اعلاء کلمۃ الحق کی آواز مدہم نہ ہونے پائے۔"

(خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ)

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان شروانی

آپ کا تعلق ضلع علی گڑھ کے مشہور شروانی خاندان سے ہے، ۱۳۳۰ھ میں اپنے وطن سرائے بَرلہ ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک پڑھا، بچپن ہی سے ذکر و نوافل اور اوراد وظائف اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق دامن گیر تھا اس لئے سرکاری اسکول سے بددل ہو کر تعلیم چھوڑ دی، بالآخر مجبور ہو کر آپ کے والد صاحب نے دینی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی، مشکوٰۃ المصابیح تک اپنے وطن میں پڑھا۔ پھر ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۹ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے مزید دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر معقولات کی کتابیں، امورِ عامہ، قاضی مبارک تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد وغیرہ پڑھیں۔ زمانۂ تعلیم ہی میں آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تھے اور پھر بہت جلد ہی ۱۳۵۱ھ میں خلافت سے بھی سرفراز ہوئے، حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مرتبہ اپنے گیارہ مخصوص خلفاء کے نام ایک اعلان میں تحریر فرمائے تھے۔ اس میں لکھا تھا کہ:۔

> "اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں کہ جن کے طرزِ تعلیم پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کر لیں۔"

اِن گیارہ مخصوصین میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی صاحب کا اسم گرامی بھی شامل تھا، ۱۳۵۷ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے انہیں جلال آباد کے نزدیک ایک مدرسہ میں مدرس بنا کر بھیجدیا، اس وقت یہ مدرسہ صرف ایک مکتب کی حیثیت میں قائم تھا، مگر

چند ہی سالوں میں آپ کی مخلصانہ جدّ و جہد اور خونِ جگر کی آبیاری سے اس مدرسہ کا شمار جواب "مفتاح العلوم" کے نام سے موسوم ہے، ہندوستان کے بڑے مدارس عربیہ میں ہوتا ہے، مولانا موصوف مدظلہ کی کمال جدّ و جہد اور سعیٔ تبلیغ سے مدرسہ اور مسجد کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں مدرسہ کا احاطہ نہایت وسیع اور مسجد دیدہ زیب ہے۔ آپ کے یہاں جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ایک عام مجلس ہوتی ہے جس میں مدرسہ کے اساتذہ وطلباء کے علاوہ گرد و نواح کے مریدین کا ایک بڑا مجمع ہوتا ہے اس میں حضرت حکیم الامت کے ملفوظات و مواعظ خود پڑھ کر سناتے ہیں، اِن کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے، پیچیدہ مسائل و مباحث کو آسان اسلوب میں مثالوں اور واقعات و حکایات کے ذریعہ سے سمجھانے میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ فن تصوف پر اُن کی ایک کتاب شریعت و تصوف ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی تصوف سے متعلق کتابوں سے ماخوذ کتاب و سنّت کی روشنی میں تصوف کے مسائل و مضامین کو نہایت سہل اور آسان انداز میں اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اِن مسائل کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، مولانا کا فیضانِ عام ہے اور ہندوستان و پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی آپ کے متعلقین موجود ہیں۔ آپ کا شمار حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مخصوص خلفاء میں ہوتا ہے آپ فرمایا کرتے ہیں۔ کہ:۔

"مجھے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے غائبانہ عقیدت و محبت تو بہشتی زیور اور دیگر کتب کے دیکھنے سے بچپن ہی میں پیدا ہو گئی تھی مگر جب سے حضرتؒ کو دیکھا کسی دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں گیا۔"

حضرت حکیم الامت کو آپ پر جو خصوصی اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی کے دریافت کرنے پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:۔

عیسٰی (یعنی حضرت مولانا محمدؐ عیسٰے صاحبؒ) اور مسیح (یعنی حضرت مولانا مسیح اللہ خان) دونوں بڑھ گئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جلال آباد ایک جلسہ میں سب لوگوں کے سامنے آپ سے فرمایا کہ:-

"میرے جی میں ایک بات ہے اِسے میں کیوں نہ کہدوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبّت ہے"

ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ جو بات بار بار تقاضے کے ساتھ تمہارے دل میں آوے بس اسی پر عمل کرنا۔ (بزم اشرف کے چراغ)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے آپ کو خصوصی عقیدت و محبّت ہے یہی سبب ہے کہ شاید ہی آپ کی کوئی ایسی مجلس ہوگی جو حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات و ارشادات عالیہ کے بیان سے خالی ہو، جب کبھی اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایک عجیب سوز عشق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی ہے جب کبھی کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ تو بار بار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے شیخ کی برکت سے عرض کر رہا ہوں، جلال آباد کے زمانہ قیام میں آپ ہمیشہ تھانہ بھون بالالتزام حاضر ہوتے رہے، خانقاہ میں مجلس عام و خاص ہر ایک میں آپ کو حاضری کا شرف حاصل تھا بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ خاص مجلس میں آپ صرف اکیلے ہی ہوتے تھے۔ غایتِ احترام کی وجہ سے آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سامنے بہت کم بقدر ضرورت کلام فرماتے تھے، اس پر حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:- "آپ بولا کریں اور فرمایا کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ مجھ سے بے تکلف ہوں اور بولا کریں۔" اس سے حضرت حکیم الامت کا آپ سے خصوصی تعلق ظاہر ہے آپ اس وقت اکابر علماء میں سے ہیں اور ایک شیخ کامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی

آپ ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں مولانا غلام حیدر بن مولانا خان عالم ابن مولانا سعد اللہ کے گھر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی ۱۹۰۹ء میں پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے پھر سرحد و افغانستان کے مختلف علماء سے فنون کی کتابیں پڑھیں پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ اور ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا رسول خان ہزارویؒ وغیرہم حضرات سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ علم طب کی تکمیل بھی دار العلوم میں کی۔ اور پھر جون ۱۹۲۲ء میں اللہ تعالےٰ نے حج کی سعادت نصیب فرمائی، حج سے واپس ہوئے تو ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی، دار العلوم دیوبند کی طرف سے شہر دھاند کے فتنۂ ارتداد و شدھی تحریک کی روک تھام کے لئے جو پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے ان کے قائد آپ تھے، آریہ سماج کے خلاف تبلیغ کا مرکز شہر آگرہ ڈھولی کھار میں قائم کیا گیا، آپ کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں رنگ لائیں، ہزارہا نام مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا گیا اور بیشمار ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

آریوں کے مشہور مناظرین کو عام جلسوں میں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا، جب فتنۂ ارتداد کے خاتمہ پر کامیابی کے ساتھ دار العلوم دیوبند واپسی ہوئی تو دار العلوم میں

ایک جلسہ ہوا جس میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تشریف فرما تھے ان کے ارشاد پر آپ نے تبلیغی حالات و کوائف پر ایسی جامع تقریر فرمائی کہ ان بزرگوں نے دل کھول کر دعائیں دیں ۔

کم و بیش ایک سال تک دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں نادر کتب کا مطالعہ کرتے رہے ، قیام حجاز کے دوران سلطان عبدالحمید خان کے مکتبۂ حمیدیہ میں خوب خوب مطالعہ کرتے رہے ، سنہ ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا ، سنہ ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ ارشاد العلوم قنبہ علی خان لاڑکانہ سندھ میں صدر مدرس رہے ، سنہ ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں سنہ ۱۳۵۰ھ میں دارالفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے ۔ پھر سنہ ۱۳۵۴ھ تا سنہ ۱۳۵۷ھ دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے اُستاذ اور شیخ التفسیر رہے ۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں قلات کے وزیر معارف مقرر ہوئے ۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں دوبارہ اسی عہدہ پر فائز ہوئے ۔ سنہ ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مدرسِ اعلیٰ رہے ، سنہ ۱۹۶۴ء میں شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ کے منصب پر کام کیا ۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے ۔ اور تقریباً بارہ تیرہ سال تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک اور بیرون ملک علمی خدمات انجام دے رہے ہیں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے بہت سی کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں " علوم القرآن اردو " " سوشلزم اور اسلام " " اسلام عالمگیر مذہب ہے " " معین القضاۃ والمفتین عربی " " شرح ضابطہ دیوانی اردو " " سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے " عالمی مشکلات اور ان کا قرآنی حل " " مدارس کا معاشرہ پر اثر " " ترقی اور اسلام " آئینۂ آریہ ۔ متنازعہ مسائل کا حقیقی حل ، تصوف اور تعمیر کردار " " اسلامی جہاد " کمیونزم اور اسلام " احکام القرآن ، مفردات القرآن ، مشکلات القرآن ، حقیقتِ زمان و مکان وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

آپ وقت کے بہت بڑے عالم، مفسر، مدبر، محقق، اور عارف ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری ؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور بزرگوں کی یادگار ہیں، بہت سی دینی انجمنوں اور دینی مدارس کے سرپرست اور عالم اسلام کے عظیم مذہبی پیشوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین۔

دنیا میں سب طمع کے یار ہیں، بے طمع کا یار صرف اللہ ہے، جو سب کچھ دیتا ہے لیکن کچھ نہیں لیتا۔ پھر بے طمع کے یار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ شفاعت کئے بغیر چین نہیں لیں گے، یا پھر بے طمع کے یار اللہ والے ہیں۔ باقی سب طمع کے یار ہیں، بیوی، اولاد اور برادری، اور برادری تو ایسی ہے کہ اگر اپنے بدن کے گوشت کا قیمہ بنا کر انہیں کھلا دیں تو بھی کوئی خوش نہ ہوگا۔

(شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی

آپ کا وطنِ مالوف لُدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے، لدھیانہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے بڑے بڑے جبال عالم اولیائے کرام کا مرکز رہا ہے اور آپ علمائے لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں جو اپنے علم و ذہانت تقویٰ، احوالِ باطنہ، کشف و کرامات، شجاعت، حق گوئی و بیباکی، جسمانی قوت اور جنگ آزادی میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے تھے اور بزم اشرف میں صاحب الرؤیا کے لقب سے معروف تھے بسلسلہ زمینداری لدھیانہ سے ضلع لائلپور اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے اور وہاں ایک نو آباد گاؤں چک نمبر ۱۰۱، ۱۵۔ ایل میں رہائش اختیار کی اور اشرف الاولیاء حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے نام پر اس گاؤں کا نام کوٹ اشرف رکھا، اسی مبارک بستی میں حضرت مفتی صاحب کی ولادت بروز منگل ۳ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا، تاریخی نام مسعود اختر ۱۳۴۱ھ نکالا گیا۔

چونکہ بچپن میں والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ انہی شفقتوں نے آپ کو رشید ثانی بنا دیا۔ والدہ محترمہ نے تقریباً پانچ برس کی عمر میں قرآن مجید اور نماز کی تعلیم دینا شروع کی۔ ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۲ھ تک سرکاری

پرائمری سکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی اور خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے، آپ کے بڑے بھائی مولوی محمد نعیم صاحب، مولوی محمد خلیل صاحب اور مولوی محمد جمیل صاحب پہلے سے ملتان کے قریب گھوٹہ شریف میں دینی علوم پڑھ رہے تھے، ۱۳۵۲ھ میں والد صاحبؒ نے آپ کو بھی تحصیل علم دین کے لئے وہاں بھیج دیا۔ گھوٹہ شریف پہنچ کر آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا اور اپنے بڑے بھائی مولوی محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں پھر ۱۳۵۳ھ میں چاروں بھائی بغرض تعلیم جہانگیر آباد تحصیل خانیوال مولانا سلطان محمود صاحب کی خدمت میں پہنچے، مولوی محمد جمیل صاحب فارسی کی تکمیل کر کے عربی شروع کر رہے تھے تو آپ کو بھی عربی میں اُن کے ساتھ ہی شریک کر دیا گیا، فارسی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی غرض درس نظامی کا دوسرا سال ۱۳۵۵،۵۴ھ آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اور تیسرا سال ۱۳۵۷،۵۶ھ جھنگ میں گزارا۔ ان تینوں سالوں کی کتابیں آپ نے اپنے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب سے پڑھیں، ۱۳۵۷ھ میں آپ کے والد ماجد بسلسلۂ زمینداری خیرپور سندھ میں تشریف لے گئے جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقوں میں شروع ہوا، آپ اور آپ کے بھائی مولوی جمیل احمد صاحب اپنے اُستاذ مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ مدرسہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں آ گئے، ۱۳۵۸ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو وہ اور مولانا محمود احمد صاحب دونوں پیر جھنڈو میں مدرس ہو گئے، آپ بھی ان کے ساتھ تھے، دو تین ماہ بعد بعض وجوہ کی بناء پر مولانا محمود احمد صاحب اور مولانا محمد خلیل صاحب پیر جھنڈو سے درگاہ شریف منتقل ہو گئے اور آپ بھی غالباً محرم ۱۳۵۹ھ میں درگاہ تشریف لے گئے اس سال آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے سلم العلومؒ، ملا حسن، میبذی شرح عقائد نسفی، خیالی، سبعہ معلقہ اور بیضاوی شریف پڑھیں اس کے علاوہ مطالعہ مذاہب باطلہ، تمرین مناظرہ ادب انشاء

عربی کی مشق کی، اگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درسگاہ انہی ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انھیں آج کل کا طالب علم کم از کم تین سال میں پورا کر سکے گا یعنی تیس کتابیں اس سال آپ نے پڑھیں پھر دیگر علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے مشہور زمانہ دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور شوال ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں تمام علوم وفنون سے فارغ ہوئے، اس سال آپ نے مندرجہ ذیل کتب ذیل کے اساتذہ سے پڑھیں۔

(۱) صحیح بخاری شریف اور سنن ترمذی شریف دونوں کتابیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھیں۔

(۲) مسلم شریف:۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے پڑھیں۔

(۳) ابوداؤد شریف اور شمائل ترمذی:۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ سے پڑھیں۔

(۴) سنن ابن ماجہ:۔ حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحبؒ۔

(۵) سنن نسائی:۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافعؒ

(۶) طحاوی شریف:۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۷) موطاء امام محمدؒ:۔ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب سے پڑھیں۔

اس سال آپ نے دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیہ اور جزری قاری عزیز احمد صاحب اور خلاصۃ البیان جناب قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء سے پڑھیں، نیز اسی سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں نبوٹ کا فن بھی سیکھا، مشہور ماہر فن استاذ عبدالرحمن، عبدالرشید سے لاٹھی، چاقو اور تلوار بازی میں کافی مہارت حاصل کی، چونکہ آپ کے والد ماجد کو اس کا شدت سے احساس تھا کہ علم دین کی تدریس اور نشر واشاعت پر آپ کی زندگی وقف ہو، چنانچہ آپ کی تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مدینۃ العلوم ٹنڈو

ضلع حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا بحیثیت مدرس درجہ علیا آپ کا تقرر ہوا، ۱۳۶۴ھ میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا، اور اسی سال بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کی تدریس بھی شروع کی، اس کے ساتھ افتاء کا کام ویسے تو ۱۳۶۲ھ سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۳۶۶ء سے دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر ڈال گئی اور ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی بنے۔ ۱۳۷۰ھ میں آپ بحیثیت شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے یہاں صحیح بخاری شریف و دیگر علوم و فنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول تھا اس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کی مکمل ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے اس کے بعد شوال ۱۳۷۶ھ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم میں رہے اور ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۳ھ تک ہر سال آپ نے بخاری شریف پڑھائی، اس حساب سے آپ نے بیس مرتبہ درس بخاری دیا اور بڑے بڑے علماء و فضلاء نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی اسی دوران آپ سے دورہ حدیث پڑھا، اور شرفِ تلمذ حاصل کیا، شروع شروع میں دارالعلوم کی طرف سے نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے علمی خدمات میں خلل سمجھ کر ترک کر دیا ویسے تو ۱۳۶۴ھ سے آپ کو فتاوی نویسی کے مواقع پیش آتے رہے لیکن ۱۳۶۶ھ سے دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی، اور ۱۳۷۰ھ تک جو فتاویٰ صادر ہوئے ان کے جمع و ضبط کا کوئی انتظام نہ ہوسکا اس کے باوجود آپ نے اس قلیل عرصہ میں فتاویٰ نویسی، شانِ تحقیق اور تعمق نظر میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ بیرون ملک کے علماء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے اور ہر قسم کے فتاویٰ کے لئے مرجع خاص و عام بن گئے۔ علماء بھی پیچیدہ مسائل کے فیصلے کے لئے

یہیں آنے لگے اور آپ نے اس منصب پر فائز ہو کر وہ محنت وجانفشانی کی کہ فتویٰ نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔ ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۷۶ھ تک آپ نے اپنے تحریر کئے ہوئے اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں اگرچہ کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اکثر مسائل آپ سے نقل نہ ہوسکے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں مکمل دو ہزار پچیس فتاویٰ تحریر ہوئے جن میں سے صرف چار سو اکاون فتاویٰ نقل ہوسکے جو "احسن الفتاویٰ کے" نام سے شائع ہو کر عوام خواص میں اس قدر مقبول ہوئے، کہ "عیاں راچہ بیان" اس کے بعد دار العلوم کراچی میں اگرچہ دار الافتاء کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی تاہم یہاں بھی آپ بڑی لگن اور محنت کے ساتھ فتاویٰ کا کام کرتے رہے، فقیہہ اور مفتی تو بہت ہوئے ہیں مگر دار العلوم دیوبند کے فیض یافتہ مفتیوں اور فقیہوں میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ جیسے فقیہہ النفس بہت کم ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم فقہ میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اور علم فقہ آپ کے رگ و پے میں اس طرح سمو گیا ہے کہ مسائلِ فقہ آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گئے ہیں۔ بہر حال دار العلوم کراچی میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کے زیر تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا گیا دو سال بعد آپ نے دار العلوم چھوڑ کر "اشرف المدارس" کی بنیاد رکھی جو ناظم آباد کراچی میں واقع ہے یہ دار الافتاء اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور غیبی اشارے پر رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں قائم ہوا، اس میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کو تمرین افتاء کے لئے داخل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ فیض باطنی اور تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت سے بھی مالا مال کیا جاتا ہے اور اس کے نشست و برخاست کا مستقل سبق شریعت محمدی پر چلانا ہے اور ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں، آپ کی زندگی پوری کی پوری شریعت مقدسہ کی

ایک جیتی جاگتی عملی تصویر ہے اور جمعہ اور اتوار کی شام آپ تلقین و ہدایت کے لئے وقت فارغ کر دیتے ہیں جس میں اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں مرد و خواتین حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے ہیں آپ کی تدریسی و فقہی خدمات کے علاوہ تصنیفی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔

"احسن الفتاوی" "ارشاد القاری الی صحیح البخاری" "حقیقت شیعہ" "فتنہ انکار حدیث" "ارغام العنید فی میراث الحفید" "ایمان و کفر کا معیار" "مودودی اور تخریب اسلام" "منکراتِ محرم" "اسلام کا عادلانہ نظامِ معیشت" "تسہیل المیراث" "تقسیم وراثت کی اہمیت" "حفاظتِ نظر" "اصلاح معاشرہ" "فضائل جہاد اور تربیت اولاد" آپ کی علمی تصانیف ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد میں مولوی حافظ رفیق احمد، اور مولوی خلیق احمد عالم و فاضل ہیں اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

• "قرآن پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت سے، رسولِ کریمؐ کو اطاعت سے اور مخلوق کو خدمت سے راضی رکھو"۔ (حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ)

حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ

فخر العلماء حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک علمی خاندان سے ہے اور سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز خطہ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے، والد ماجد مولانا حافظ سعید احمد تھانوی بن حافظ امیر احمد تھانوی علی گڑھ کالج میں آفیسر تھے، عرصہ تک ان کا قیام قصبہ علی گڑھ اور راجوپور ضلع سہارنپور میں رہا پھر مستقل طور پر اپنے آبائی وطن تھانہ بھون آ گئے، مولانا محمد احمد تھانویؒ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۳۳۱ھ میں ان کے ننھیال راجوپور ضلع سہارنپور میں ہوئی جو دیوبند سے چھ میل مشرقی جانب واقع ہے، آپ کا اصل نام محمد احمد اور تاریخی نام شاغل تھا ولادت کے ایک سال بعد ہی آپ کے والد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا اور والدہ صاحبہ اور آپ کے برادرِ اکبر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ نے آپ کی تربیت کی۔

ہوش سنبھالنے کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں خانقاہِ امدادیہ کے مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آپ کو داخل کر دیا گیا پھر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے جہاں حفظِ قرآن سمیت تمام علوم دینیہ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر مروجہ دینی علوم کی تکمیل کی اور سنہ ۱۳۵۲ھ کو سند فراغ حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ، حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

کاندھلوی صاحب قابل ذکر ہیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد کئی برس تک اساتذہ کی نگرانی میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر اپنے بڑے برادر بزرگ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ کے ایماء پر چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے ایک عربی مدرسہ میں مدرس ہو کر گئے اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں جہاں حکیم الاُمت حضرت تھانوی قدس سرہ صدر مدرس رہ چکے تھے اُستاذ حدیث کی حیثیت سے تشریف لے گئے وہاں قیام پاکستان تک علمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ محلہ کی مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری فرمایا جس سے ہزاروں افراد مستفیض ہوئے۔ جامع العلوم کانپور کی مدرسی کے دوران حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے روحانی تعلق قائم کیا جو اُن کے وصال تک جاری رہا، اس تعلق کے دوران حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ نے آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی سے فرمایا کہ :۔

"ہم تو محمد احمد کو جنٹلمین مولوی سمجھتے تھے یہ تو مولاناؤں کے بھی مولانا نکلے۔"

اسی طرح مرض الموت میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے فرمایا کہ :۔

"میں مولوی محمد احمد سلمہٗ کو اجازت دے دیتا مگر ابھی اس کی عمر کم ہے۔"

حضرت حکیم الاُمت کے ان ارشادات سے آپ کا علمی و روحانی مقام ظاہر ہوتا ہے حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے تعلق رہا اور آخر وقت تک ان بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے آپ کا سیاسی مسلک بھی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے موافق تھا اور جب علامہ عثمانیؒ نے تحریک پاکستان کے حامی علماء کی ایک تنظیم مرکزی جمیعت علماء اسلام کے نام سے

تشکیل دی تو آپ بھی اس میں باقاعدہ شامل ہوئے اور جمعیت علماء اسلام کانپور کے صدر کی حیثیت سے کانپور کے علاقہ میں پاکستان کے حق میں راہ ہموار کرتے رہے اور بڑھ چڑھ کر تعمیرِ پاکستان میں حصہ لیا، قیام پاکستان کے بعد صوبہ سندھ کے ضلع سکھر میں آباد ہو گئے اوّل اوّل تجارتی مشغلہ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں دین اسلام کی خدمت کا شوق ولولہ پیدا کیا اور توکلاً علی اللہ اپنے مکان کے بیرونی حصہ میں ایک دو طالبعلموں کو لے کر پڑھانے بیٹھ گئے اور پھر لوگوں کو توجہ دلائی اور مدرسہ کے لئے ایک مختصر سا مکان خرید لیا۔ اس کے بعد زنانہ مدرسہ کے لئے ایک کھلا مکان خریدا پھر اللہ تعالیٰ کی امداد سے ایک قطعہ زمین ایک مرکزی مدرسہ کے لئے خرید کر "مدرسہ اشرفیہ سکھر" کے نام سے قائم کیا جو آج سندھ میں ایک ممتاز دینی درسگاہ کہلاتی ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے ایک جامع مسجد کے لئے زمین خریدی اُس وقت سکھر شہر میں کوئی وسیع جامع مسجد نہ تھی آپ نے بڑی محنت سے جامع مسجد تیار کرائی اور اکابرین دیوبند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ اِس سلسلہ میں مدارسِ عربیہ کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا اللہ وسایا صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان "مدرسہ اشرفیہ سکھر" کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"مدرسہ اشرفیہ سکھر ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں قائم کیا گیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام پر اس کا نام مدرسہ جامعہ اشرفیہ تجویز کیا گیا، مدرسہ کے بانی حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ جو گزشتہ سے پیوستہ سال اللہ رب العزت کو پیارے ہو گئے ہیں، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز مندوں میں شمار ہونے کے علاوہ آپ سے عزیز داری بھی تھی، مولانا محمد احمد تھانویؒ نے اپنے خلوص سے مدرسہ کو چلانے

کے لیئے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم
سے سکھر میں اس علمی درسگاہ کو عوام و خواص کے لئے مرجع بنا دیا۔ آج اس
مدرسہ کو قائم ہوئے ۲۶ سال کا عرصہ کوئی زیادہ مدت نہیں مگر اس مختصر عرصہ
میں مدرسہ کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے کس طرح اس ادارہ کو ہر قسم کی ترقی سے سرفراز فرمایا ہے، بحمدہٖ تعالیٰ اس
ادارہ کی جامع مسجد، کتب خانہ اور چھوٹے بڑے بیس کمروں پر مشتمل عمارت
اور ستائیس اٹھائیس افراد کا عملہ مدرسہ کی روز افزوں ترقی کا بیّن ثبوت
ہے، بحمدہٖ تعالیٰ اس مدرسہ سے عرصہ ۲۶ سال میں سینکڑوں علماء کرام فارغ التحصیل
ہو چکے ہیں جس میں سندھ، بلوچستان اور پنجاب کے علاوہ بیرون ملک کے
حضرات بھی شامل ہیں، مدرسہ سے حفاظ و قراء اور شعبہ تعلیم نسواں سے فارغ
ہونے والوں کی تعداد بھی کئی سو ہے، مدرسہ کے زیر اہتمام دار الافتاء یوم
تاسیس سے قائم ہے اور اس مدرسہ سے جاری ہونے والے فتویٰ جات
پورے سندھ میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں، اس دار الافتاء کے صدر مفتی
حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب مدظلہٗ ہیں جو دار العلوم دیوبند کے فاضل
متقی اور بزرگ عالم دین ہیں۔ اب تک مدرسہ سے جاری ہونے والے فتوؤں
کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے مدرسہ ہذا کے زیر اہتمام شعبہ نشر و اشاعت
بھی قائم ہے یہاں سے گاہے بگاہے تبلیغی رسائل، اشتہارات، مسائل
قربانی، عید الفطر وغیرہ رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح مدرسہ
کا شعبہ نشر و اشاعت ملک عزیز کی خدمت کرتا رہتا ہے مدرسہ کے نظام
کو چلانے کے لئے علماء کرام و شہریان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم ہے اور
مدرسہ کے موجودہ مہتمم مولانا محمد اسعد تھانوی ہیں جو بانی مدرسہ حضرت مولانا محمد

احمد تھانوی کے بڑے صاحبزادے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیوی تعلیم سے سرفراز فرمایا ہے، مولانا محمد اسعد صاحب کی باغ و بہار شخصیت سے مدرسہ کی رونق قائم اور تمام عملہ خوش و خرّم اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے، مدرسہ کے ناظم جناب مولانا محمد امجد تھانوی صاحب ہیں جو مولانا محمد احمد صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، انتہائی پُروقار اور دینی و دنیوی تعلیم کے فاضل ہیں بہت ہنس مُکھ اور با اخلاق ہیں بہر حال مدرسہ اشرفیہ سکھر ہمارے مُلک کے اُن مدارس عربیہ میں سے ہے جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے اللہ تعالیٰ اِسے تا قیامت قائم و دائم رکھے۔ آمین"۔ [1]

الغرض حضرت مولانا محمد احمد تھانوی مرحوم کی دینی و علمی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں اور صوبہ سندھ کے حلقوں میں دینی اشاعت کے فروغ میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے آپ نے ایک طرف دینی تعلیم کے رواج اور مدرسہ کی ترقی کے لئے انتھک محنت کی دوسری طرف عوام میں دینی روح بیدار کرنے کے لئے وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری رکھا خود بھی بہت بڑے واعظ مقرر اور مصلح تھے اس کے علاوہ بارہا سکھر کے علاقہ میں تبلیغ و اصلاحی جلسے بھی کرائے جن کی بدولت اہل شہر کو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ جیسے اکابر علماء بزرگوں کی زیارت و صحبت کے مواقع میسّر آئے اور شہر میں ایک عام دینی فضا پیدا ہوئی اور لاکھوں افراد کی اصلاح کا ذریعہ ہوئے۔ آپ ایک جیّد عالم دین بھی تھے اور عارف کامل بھی تھے، نہایت متواضع، منکسر المزاج، خندہ جبیں اور سُبک روح تھے، نہایت وجیہہ باوقار اور فعّال شخصیت کے مالک تھے، اہل شہر آپ کی خوش اخلاقی اور خوش خصالی کے

---

[1] ہفت روزہ لولاک فیصل آباد ۱۴ مئی ۱۹۸۱ء

باعث آپ کے شیدائی تھے۔ سکھر شہر میں کوئی دینی کام آپ کے بغیر نہیں ہوتا تھا آپ دن رات مدرسہ کے کاموں اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے تھے، علمی و دینی مصروفیتوں کے باوجود فعّال سماجی کارکن بھی تھے اور مہمان نوازی، غریب پروری اور خدمت میں اپنی نظیر آپ تھے، بہت سے مسائل و خطوط کے جوابات خود اپنے قلم سے لکھتے تھے اور بہت سے دینی رسائل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے بارے میں لاکھوں کی تعداد لکھ کر تقسیم کئے غرضیکہ آپ ایک سچے عاشق رسول ﷺ اور متبع سنّت تھے، ادا ادا سے ذہانت مترشح ہوتی تھی۔ اور قرآنی آیات سے استخراج تواریخ میں یکتائے وقت تھے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح، مفتی محمد شفیع صاحب رح اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح جیسے اکابر کی بہت ہی عمدہ تواریخ وفات نکالیں جو بہت مقبول ہوئیں، خوش اخلاقی اور خوش خصالی کے ساتھ ساتھ حق کے اظہار میں بڑے جری تھے اور اس کے لئے کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے ایک بار ایک کلکٹر صاحب نے مہاجرین پر ناشائستہ تنقید کی آپ جلسہ میں بحیثیت صدر انجمن مہاجرین تشریف لائے تھے۔ آپ کو جلال آگیا اور فوراً کھڑے ہو کر مہاجرین کے کارنامے گنوائے اور کلکٹر صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا بھرے جلسہ میں دونوں طرف سے تلخ کلامی ہوئی، قریب تھا کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی مگر ایک صوبائی وزیر نے جو جلسہ میں موجود تھے کلکٹر صاحب کے غلط رویے پر حضرت مولانا مرحوم سے معافی مانگ لی اور یوں معاملہ رفع دفع ہوا، کچھ عرصہ بعد اسی کلکٹر نے آپ کو کچھ پیش کش کرنی چاہی مگر آپ نے قبول کرنے سے معذرت کردی اور رفقاء کو بتایا کہ یہ دراصل رشوت دے کر میرا منہ بند کرنا چاہتا تھا تاکہ آئندہ حق گوئی کی جرأت نہ کرسکوں"۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مقبول عام فرمایا تھا اور آپ سے بہت سے دینی کام لئے ہیں آپ نے بیرون ملک اور ملک میں دین حق کی تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔

اور متعدد دینی مدارس کے سالانہ جلسوں میں آپ باقاعدگی سے شرکت فرمایا کرتے تھے بارہا حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور دینی و تبلیغی کاموں کے لئے مسلسل اسفار کرتے رہے یہاں تک کہ مسلسل اسفار اور کثرت دینی مشاغل سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور آپ کمزور ہوتے چلے گئے اسی دوران کراچی میں ایک رکشا سے تصادم ہوا جس سے ایک ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی، کافی عرصہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہے پھر ضعفِ دماغ کی وجہ سے آنکھوں میں موتیا اتر آیا جس کا آپریشن ہوا، مگر پھر دل کے دورے شروع ہو گئے اور آخری دورہ چہار شنبہ ۷ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور سب متعلقین کو حزین و غمگین چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ہزاروں افراد کے علاوہ ممتاز علماء نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور امامت کے فرائض حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہٗ نے انجام دیئے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رح کے پہلو میں تدفین ہوئی، علماء امت اور زعماء ملت نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، دینی مدارس اور دینی انجمنوں نے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔

علماء کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رح نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ :-

"حضرت مولانا محمد احمد تھانوی مرحوم عالم تھے، فاضل تھے مدرسہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔"

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی رح فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت مولانا مرحوم خانقاہِ اشرفیہ تھانہ بھون کے منتسبین میں معروف عالم تھے۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ کے چھوٹے بھائی تھے جو حکیم الامت تھانویؒ کی اہلیہ محترمہ کے داماد ہیں انہوں نے سکھر میں مدرسہ اشرفیہ کی بنیاد ڈالی جو اپنے علاقے کی ممتاز ترین دینی درسگاہ ہے اور اس خطے میں اس نے علم دین کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔"

جناب مولانا عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:۔ کہ

"افسوس کہ اکابر کے دردِ فراق میں آنسو بہانے والی علم و عمل کی محبوب شخصیت بھی واصل بحق ہوگئی، آپ کی ذات ستودہ صفات بہت سی علمی و عملی خوبیوں کی حامل تھی حق تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔"

جناب مولانا مشرف علی تھانوی اپنے منظوم تاثرات کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:۔

چل دیئے آخر زبانوں پر کہانی چھوڑ کر
عالمِ باقی کی جانب دارِ فانی چھوڑ کر
دی صدا ہاتف نے عارفؔ بہر تاریخِ وصال
فوتِ فاضل ہے تباہ و کر رہا ہے اہل حال

۱۳۹۷ھ

حضرت مولانا محمد متین خطیب دیوبندی

آپ کی ولادت دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (بھارت) میں ۲۷ صفر ۱۳۲۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۰۸ء بروز بدھ بوقت صبح صادق ہوئی۔ دیوبند میں ایک اعلیٰ خاندان شیوخ صدیقی آباد ہے جن کی مستقل آبائی رہائش عالیشان عمارت دیوان نزد دارالعلوم دیوبند میں تھی۔ مغل بادشاہ شاہجہانؒ کے دیوان (وزیر مالیات) دیوان شیخ لطف اللہ تھے اور شاہجہان خود دیوبند دیوان لطف اللہ مرحوم کے گھر پر آئے، تو انہوں نے ایک عالیشان حویلی اور عیدگاہ تعمیر کرانے کا حکم دیا کئی گاؤں اس خاندان کو عطا کئے تاکہ وہ زندگی بسر کرنے میں تکلیف نہ اٹھائیں، عیدگاہ شاہجہانی کی امامت نماز عیدین بھی اسی خاندان کو سپرد کی گئی جو اب تک جاری ہے اس خاندان میں حاجی شیخ عبدالمومن صاحب مرحوم ایک معزز فرد تھے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے مہتمم حاجی عابد حسین صاحبؒ دیوبندی کے مرید خاص تھے، ان کے دو بیٹے مولانا محمد مبین صاحب مرحوم اور مولانا محمد منعم حقانی مرحوم تھے۔ خطابت و امامت عیدگاہ مولانا محمد مبین صاحب خطیب مرحوم کو منتقل ہوئی ہوئی(؟) اور ۲۰۰ دو سو بیگھہ زمین ملی ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد متین خطیب ہیں۔ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد مبین صاحب مرحوم نے مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی پھر دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند سے سند حاصل کی اور اپنے استاذ محترم حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خدمت دین و غلبۂ اسلام کی تحریک ریشمی رومال میں لگ گئے مطبوعہ کتاب تحریک ریشمی رومال مؤلفہ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم میں بار بار متعدد مقامات پران کا تذکرہ موجود ہے اور آزادیٔ ہند کے عسکری نظام میں مولانا محمد مبین صاحب خطیب مرحوم کو لفٹیننٹ کا عہدہ دیا جانا بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔

یہ تفصیل مولانا محمد متین خطیب کے دادھیالی خاندان کی ہے اسی خاندان سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی والدہ ماجدہ تھیں جو مولانا محمد متین خطیب کی پھوپھی ہوتی تھیں جن کی حقیقی بھتیجی مولانا موصوف کی اہلیہ ہوتی ہیں جن کی پرورش اور شادی وغیرہ بھی والدہ مرحومہ حضرت قاری محمد طیب صاحب نے کی تھی مولانا خطیب صاحب کی ننہیال دیوبند کے قضاۃ خاندان سے ہے اور منشی محمد اکرم صاحب مرحوم خلیفہ مجاز حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی مرحوم کی صاحبزادی کنیز فاطمہ مولانا محمد متین صاحب خطیب کی والدہ ماجدہ تھیں خطیب صاحب کے ماموں مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی مرحوم تھے۔ جو انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ عربیہ معین الاسلام اور لائلپور جامع مسجد کے مدرسہ اشاعت العلوم میں صدر مدرس رہ چکے تھے۔

خطیب صاحب کے والد کا انتقال ۱۴ر جولائی ۱۹۶۹ء کراچی میں ہوا اور اُن کی تدفین دارالعلوم کراچی کی عالیشان عمارات کے ساتھ دارالعلوم کے قبرستان میں ہوئی ہے قبلہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے یہ کہہ کر انھیں دفن کیا کہ :-

"دارالعلوم کے قبرستان میں ایک عظیم المرتبت شخصیت اور ہمارے بزرگ عالم کی تدفین ہمارے لئے بڑی سعادت ہوگی۔"

خطیب صاحب کی والدہ مرحومہ کا انتقال اپنے داماد مولانا محمد زکی صاحب مرحوم مالک ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور کے مکان پر ہوا اور ان کی تدفین ۱۹۷۶ء میں

قبرستان حضرت میانی میں مولانا محمد ذکی صاحب مرحوم کے قریب ہوئی خطیب صاحب کی ایک ہمشیرہ اور ایک بھائی محمد حسین الدین دیوبند میں اور ایک چھوٹی ہمشیرہ اہلیہ مولانا محمد ذکی صاحب لاہور میں آباد ہیں۔

خطیب صاحب کی تعلیم و تربیت دیوبند میں ہوئی ۱۹۰۸ء میں پیدائش کے بعد ۱۹۲۲ء تک حفظ قرآن فارسی کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ مبارک سے ختم قرآن کی تقریب ادا ہوئی۔ جس کے ساتھ ہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب بیعت بھی ہوئی جو قران السعدین ہے۔ عربی علوم کی تدریس انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ عربیہ معین الاسلام میں ہوئی جس کے مہتمم آپ کے والد مولانا محمد مبین صاحب خطیب تھے اور صدر مدرس آپ کے ماموں مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی مرحوم تھے۔ بعد میں فراغت کے بعد دوبارہ دورہ حدیث اور فنونات کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب جیسے بزرگ تھے ۱۹۲۷ء میں فراغت کے بعد شادی ہوئی اور نکاح دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت مولانا حکیم محمد جمیل صاحب دہلوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے پڑھایا۔ تقریب نکاح کے انتظامات حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم نے کئے۔ اور رخصتی جنابہ والدہ صاحبہ مرحومہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے کی۔

۱۹۳۰ء میں خطیب صاحب اپنے والد صاحب کی جگہ پر مدرسہ عربیہ معین الاسلام

انبالہ چھاؤنی میں ملازم ہو گئے اور آپ کے والد صاحب حج پر چلے گئے واپسی پر آپ کے والد صاحب نے مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر مولانا محمد متین خطیب کو ہی باقی رکھا اور خود انبالہ شہر چلے گئے۔ جہاں ۱۹۴۷ء تک جامع مسجد انبالہ شہر کے خطیب رہے۔

یکم دسمبر ۱۹۳۰ء سے ۵ اگست ۱۹۴۷ء تک خطیب صاحب مدرسہ عربیہ معین الاسلام صدر بازار انبالہ چھاؤنی میں صدر مدرس اور مہتمم کی حیثیت سے کام کرتے رہے خطیب صاحب کے زمانہ میں درجہ عربی و حفظ قرآن میں ترقی ہوئی۔ اور پرائمری سکول مڈل تک پہنچا۔ خطیب صاحب جامع مسجد صدر میں جمعہ پڑھاتے رہے اور دیوبند میں عیدین کی نماز کے فرائض بھی ادا کرتے رہے، یہ خطابت و امامت شاہجہانی دور کا آغاز تھا جس کی وجہ سے کلکٹر سہارنپور میونسپل کمیٹی دیوبند تحصیل دیوبند منصف صاحب دیوبند کی عدالت اور تھانہ دیوبند کی طرف سے ہر عید کے موقعہ پر ایک ایک پگڑی اور کچھ نذرانہ حکام خود خطیب صاحب کو بعد از خطبہ پیش کرتے تھے جس پر خطیب قبولیت کے لئے ہاتھ رکھ دیتا تھا اور بکبر و ن کا خاندان یہ پگڑیاں اور نذرانہ لے لیتا تھا یہ اس قدر محبت کا اعزاز تھا کہ اس کی وجہ سے حکام ضلع اور افسران اعلیٰ خطیب صاحب کی عظمت کرتے تھے اس کی وجہ سے دیوبند میں خطیب منزل کے نام سے ایک مکان موسوم ہے۔ اور خطیب کا لقب اس خاندان میں نام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

پاکستان آنے کے بعد ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۸ء تک ناظم آباد عید گاہ میدان میں نماز عیدین پڑھاتے رہے پھر مولانا محمد تقی عثمانی خلف اصغر۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے بوجہ ضعف و کمزوری علیحدگی اختیار کر لی ہے مولانا کے زمانہ میں اس جگہ باقاعدہ عید گاہ تعمیر ہوئی اور کراچی کارپوریشن نے اسے باقاعدہ بنا کر منظوری دے دی جس کی تعمیر چندہ سے کرائی گئی۔ درختوں کا حاشیہ اور گیٹ کارپوریشن نے بنائے، مولانا خطیب صاحب کے زمانہ سے یہ نشتر پارک کے بعد دوسرے نمبر کی کراچی میں نماز عیدین کی جگہ ہے۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد نفوس نماز ادا کرتے ہیں اس کی

باضابطہ ایک عیدگاہ کمیٹی ہے جس کا تعلق مجلس عمل ہائے ناظم آباد سے ہے جو اس کی دیکھ بھال اور نماز عید کا انتظام کرتی ہے، جس کے جنرل سیکرٹری مستفیض احمد صدیقی صاحب ہیں جو ناظم آباد کے مشہور لیڈر رہیں۔

مولانا محمد متین خطیب صاحب انبالہ چھاؤنی مدرسہ عربیہ میں درس نظامی کی کتب اور دورہ حدیث پڑھاتے تھے پاکستان میں اُن کے کئی شاگرد موجود ہیں جن میں سے ممتاز علماء میں مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب ساہیوال ضلع سرگودھا، مولانا نظام الدین صاحب بہاری رحیم یارخان حکیم مولانا عبدالقادر فیضی دواخانہ لاہور، مولانا محمد علی صاحب خطیب مسجد فیڈرل کیپٹل کوارٹر کراچی لیاقت آباد ہیں۔

باقی شاگرد بنگلہ دیش اور بھارت میں آباد ہیں، مولانا محمد متین صاحب خطیب تقسیم ہند کے بعد ۴۷ء میں پاکستان آگئے ۱۹۵۱ء سے دارالعلوم کراچی کے ساتھ وابستہ ہوگئے اور اب تک وابستہ ہیں، آپ دارالعلوم کراچی کے انتظامی اموُر انجام دیتے ہیں۔ درمیان میں آپ کا تعلق اردو کالج سے ۵۷ء میں قائم ہوگیا۔ جہاں ۱۹۷۳ء تک اسلامی نظریات کا مضمون۔ بی۔ اے بی کام اور سائنس کے طلباء کو پڑھاتے رہے پھر ریٹائر ہو کر کراچی یونیورسٹی میں چار برس کام کرتے رہے کراچی یونیورسٹی نے آپ کے مشورہ سے ہی "اسلامی نظریات" کا مضمون لازمی قرار دیا اور خطیب صاحب نے ایک مختصر کتاب "اسلام کا نظریہ حیات" مرتب کرکے کورس میں شامل کرائی جو آج بھی بطور مطالعہ بہترین شمار ہوتی ہے آج کل ہر جگہ سے علیحدگی اختیار کرلی ہے،

۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک ریڈیو پاکستان کراچی سے وابستہ رہے اور صبح کی نشریات میں "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" کے عنوان سے درسِ قرآن مجید نشر کراتے رہے جو ملک اور بیرون ملک بہت مقبول ہُوا، افریقہ جیسے ملک میں اوقات کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ ایک آدمی ٹیپ پر رات کے آخری حصے میں اس پروگرام کو ریڈیو پاکستان

کراچی سے منتقل کر لیتا اور بعد نماز فجر لوگ مساجد میں اُسے سنتے تھے آج کل خطیب صاحب نے ریڈیو سے بھی اپنا تعلق بوجہ ضعف و کمزوری منقطع کر رکھا ہے لیکن تمام دورس القرآن کی کاپیاں آپ کے پاس محفوظ ہیں جو غیر مرتب ہیں اُن کو مرتب کر کے شائع کرنے کی خواہش ضرور ہے مگر مالی وجسمانی کمزوریوں کی وجہ سے یہ کام نہ ہو سکا۔

مولانا خطیب صاحب شروع سے ہی تحریک مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کے زبردست حامی تھے چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح مرحوم سے انہیں بڑا لگاؤ ہے۔ علامہ مولانا آزاد سبحانی گورکھپوری کی کوشش سے جب کل ہند جمعیت علمائے اسلام کا کلکتہ میں آغاز ہوا تو آپ اس سے اساسی رکن کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح کا خطبہ صدارت کلکتہ لے جا کر خطیب صاحب نے علامہ مرحوم کی نیابت میں بوجہ عدم موجودگی پڑھا۔ اِس اجلاس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مرحوم علامہ سید ابراہیم سیالکوٹی مرحوم مولانا غلام مُرشد صاحب خطیب شاہی مسجد مرحوم، پیر صاحب سرسینا بنگال مولانا راغب احسن صاحب مرحوم مولانا عبدالقدوس بہاری، مولانا سید حسن مُثنّیٰ ندوی صاحب اور دیگر ممتاز علمائے ہند موجود تھے مولانا آزاد سبحانی اس عظیم الشان جلسہ کے بانی تھے جو محمد علی پارک کلکتہ میں ہوا تھا۔ ایس اے حمید صاحب ایس اے لطیف صاحب اور محمد عثمان صاحب میئر کارپوریشن کلکتہ۔ جناب شہید سہروردی خواجہ ناظم الدین صاحب جیسے ممتاز لوگوں نے انتظام اجلاس اور تواضع مہمانان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا، اسی طرح جمیعۃ علمائے اسلام کی بنیاد پڑی جس کے بہت بڑے مُحرّک مولانا ظفر احمد انصاری تھے اور مولانا ظفر احمد انصاری برابر جمیعۃ علمائے اسلام سے وابستہ رہے اس جمیعۃ کے قیام سے تحریک پاکستان کو زبردست حمایت حاصل ہوئی، ہندوستان کے ممتاز علماء نے اس کی سرپرستی فرمائی مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم مفتی محمد حسن صاحب مرحوم

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مرحوم علامہ میر محمد ابراہیم سیالکوٹی مرحوم مولانا غلام مرشد صاحب مرحوم مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم پیر جماعت علی شاہ صاحب مرحوم مولانا عبدالواحد صاحب خلف مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی مرحوم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ، مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم وغیرہم جیسے ممتاز علما نے اس جمعیت کا ہمیشہ ساتھ دیا آخری دور میں پاکستان بننے کے بعد مولانا محمد صادق صاحب سندھی مرحوم کراچی حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مرحوم جیسے اکابرین نے مشرقی پاکستان کے علماء حضرت مولانا اطہر علی صاحب مرحوم حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحب ڈھاکہ مرحوم مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری مرحوم ڈھاکہ مولانا مصلح الدین صاحب مولانا صدیق احمد صاحب چاٹگام مولانا بذل الرحمن صاحب مرحوم مولانا فرید احمد صاحب شہید مرحوم پیر صاحب سرسینا، پیر محسن الدین صاحب جیسے اکابرین نے پاکستان میں جمعیت علمائے اسلام کے ذریعہ اسلامی دستور کی مساعی تیز کرنے کے لئے نظام اسلام پارٹی بنا کر انتخابات میں حصہ لیا۔ جس کے بعد عبدالوہاب صاحب سپیکر مولانا اطہر علی صاحب نورالحق چودھری صاحب مصباح الدین صاحب مولوی فرید احمد ممبر اسمبلی بنے، اس تمام عرصے میں مولانا محمد متین خطیب صاحب برابر شریک رہے بلکہ ناظم کل پاکستان کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ خود کو نمایاں کر کے کوئی مقام یا منصب حاصل کریں۔ ہمیشہ خادمانہ حیثیت میں کام کرنا پسند کیا اور بھارت (ہند) کے دور میں حیدرآباد دکن مدراس، کلکتہ، بمبئی، لاہور، پشاور، بھوپال، حیدرآباد سندھ، کوئٹہ وغیرہ میں بڑی جمعیت کی کانفرنسوں کا خود جا کر انتظام سنبھالا اور انہیں کامیاب کیا علامہ عثمانی مرحوم نے لاہور کانفرنس کے اپنے خطبہ "ہمارا پاکستان" کے آخر میں فرمایا تھا کہ "برادر عزیز مولوی محمد متین خطیب اگر میرے ساتھ ہر وقت تعاون نہ کرتے تو نہ میں کام کر سکتا تھا۔ اور نہ جمعیت علماء اسلام کو فروغ حاصل ہوتا۔"

قائداعظم مرحوم قائد ملت مرحوم نواب بہادر یار جنگ مرحوم جیسے سیاسی اکابرین نے بھی اپنے مکتوبات میں خطیب صاحب کی زبردست تعریف وتحسین کی ہے۔ کراچی میں ۱۹۵۱ء سے مستقل قیام کیا تو کراچی اور سندھ کے علاوہ پنجاب، سرحد، بلوچستان میں بھی آپ نے دورے کرکے جمعیت کو قائم کیا اور دن رات اس طرح کام کیا کہ اپنے بچوں کو بھی نظر انداز رکھا۔ مشرقی پاکستان میں کئی مرتبہ دورے کئے اور بڑے بڑے جلسوں میں تقاریر کیں۔ کاکس بازار چاٹگام سلہٹ میمن سنگھ چاندپور جیسے دوردراز علاقوں کے دورے کئے۔ کراچی میں ہزارہا جلسوں میں تقاریر کیں اور یہ تمام مساعی بغیر معاوضہ کے انجام دیں۔ اب جبکہ ۸۱ء میں مولانا کی عمر ۷۲ برس کی ہے ان تمام مشاغل سے گوشہ نشین ہوکر صرف دارالعلوم کراچی کی وابستگی پہ قناعت کرلی ہے اور یہ گوشہ نشینی بھی ڈاکٹروں کے مشوروں سے اختیار کی ہے اس لئے کہ خطیب صاحب عرصے سے ذیابطیس (شوگر) کے موذی مرض میں مبتلا ہوگئے مولانا خطیب صاحب نے پاکستان میں حکومت سے کچھ نہیں لیا نہ مکان نہ زمین نہ مالی امداد صرف ۲۴۳ گز کا ایک پلاٹ لے کر ناظم آباد نمبر ۴ میں ایک مکان بنایا۔ جس میں آج کل خود آباد ہیں مولانا کے تین لڑکے ہیں جن میں سے محمد معین صدیقی بڑے لڑکے آپ کے پاس ہیں، دو لڑکے محمد امین صدیقی محمد ذہین صدیقی نیویارک امریکہ میں برسرروزگار ہیں اور وہاں مکان بھی بنالیا ہے پانچ لڑکیاں ہیں جن کی شادیاں ہوگئیں ہیں صرف چھوٹا لڑکا محمد ذہین صدیقی غیر شادی شدہ ہے ۴ پوتیاں ۲ پوتے اور گیارہ نواسے نواسیاں ہیں اور الحمدللہ سب کے سب خوش وخرم ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ خطیب صاحب کو صحت وعافیت عطا فرمائیں آمین اور ان کی خدمات کو قبول فرماکر آخرت میں اس کا بہترین صلہ بخشیں۔ ثم آمین۔

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی

قصبہ کاندھلہ یوپی کے ضلع مظفر نگر کا ایک علمی خطہ ہے جہاں بڑے بڑے علماء وصلحاء اور اہل اللہ پیدا ہوئے ہیں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رح، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رح، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رح، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح، حضرت محمد یوسف کاندھلوی رح حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رح اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح، اسی قصبہ کاندھلہ کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی مدظلہم العالی بھی ۱۹۲۵ء میں اسی قصبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا الحاج محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ کے مایہ ناز فرزند ارجمند ہیں اور اپنے علم و فضل زہد و تقویٰ اور خلوص وللٰہیت میں اپنے والد مکرم کا عین نمونہ ہیں۔ اور صحیح علمی و روحانی جانشین ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ والد صاحب رح چونکہ حیدر آباد دکن میں مقیم تھے اس لئے وہاں کے زمانۂ قیام میں دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ باضابطہ تعلیم تھانہ بھون میں حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں شروع کی تھانہ بھون سے حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رح رحمۃ اللہ علیہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی نسبت سے ایک خاص تعلق تھا۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ننھیال میں آپ کے رشتہ میں تھے، تھانہ بھون میں ابتدائی فارسی اور اردو کی

تعلیم حاصل کی، اس کے بعد کاندھلہ چلے آئے اور والد مکرّم کی سرپرستی میں قائم کردہ مدرسہ نصرت الاسلام میں مزید تعلیم کے لئے داخل ہوئے، تین سال تک اسی مدرسہ میں تعلیم پائی آپ کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالمجید صاحبؒ شامل تھے، جو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں آئندہ نصاب کی تکمیل کے لئے داخلہ لیا اپنے نانا مولانا محمد زکریا نانوتوی کے ہمراہ اس کمرے میں قیام رہا جو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کا کمرہ ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ مہتمم مظاہر العلوم کی خصوصی شفقت اور سرپرستی میںؒ حدیث و تفسیر کے علوم کی تکمیل کی، ۱۳۵۸ھ میں اپنے والد ماجد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے دارالعلوم دیوبند سے حدیث و تفسیر اور معقولات و فلسفہ علم کلام کی تکمیل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں قیام تقریباً ۲ سال رہا دورہ حدیث بخاری و مسلم شریف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مجاہد الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا، اس کے علاوہ حدیث کے دوسرے اسباق مولانا اعزاز علی صاحبؒ، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ مولانا محمد شفیع صاحبؒ، مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور مولانا نافع گل اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے پڑھے۔ اس کے بعد جب بعض سیاسی اختلافات کی بناء پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے مشاہیر علم و فضل دیوبند سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل منتقل ہوئے۔ تو دورۂ حدیث کے چالیس سے زائد طالب علم بھی وہاں منتقل ہو گئے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو دارالعلوم دیوبند کی طرز پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قائم کیا تھا۔ ۱۳۶۲ھ میں جامعہ اسلامیہ سے مکرر دورۂ حدیث کی تکمیل کی یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ بھی شامل تھے۔ سند

فراغت تعلیم کے بعد اس خیال سے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے کہ وہ کچھ عرصہ تصنیف و تالیف میں گزاریں گے لیکن ان ایام میں بہاولنگر کے ایک مدرسہ جامع العلوم کے مہتمم دیوبند آئے ہوئے تھے ان کے اصرار پر والد مکرم مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کی رائے سے بہاولنگر تشریف لے گئے اور اس مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا بعد میں اسی مدرسہ کے لئے وہاں کے لوگوں کے تقاضے پر آپ پر آپ کی کوششوں سے مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ بھی تشریف لے آئے جامع العلوم میں تدریسی زندگی کا آغاز صحیح مسلم، ابوداؤد، تفسیر جلالین اور ہدایہ سے کیا۔ اس کے علاوہ معقولات میں قاضی مبارک اور میر زاہد جیسی کتابیں بھی پہلے سال پڑھائیں۔ ۱۳۶۵ھ میں جامع العلوم کے دو سال قیام کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے ارشاد پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل منتقل ہوئے اور وہاں استاذ حدیث کی حیثیت سے درس و تدریس کا کام شروع کیا جہاں سے تھوڑا عرصہ قبل دورہ حدیث کی تکمیل کی تھی۔ اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ میں علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ شیخ الحدیث تھے اسی دوران قیام پاکستان کی وجہ سے علامہ شمس الحق افغانی پاکستان سے ہندوستان واپس نہ جا سکے تو جامعہ اسلامیہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ کے ہمراہ دورۂ حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے اصرار پر آپ کے والد محترم خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ پاکستان جا چکے تھے۔ علامہ عثمانی مرحوم نے دار العلوم دیوبند کی طرز پر پاکستان میں ایک دار العلوم کے قیام کی تجویز پر کام کیا تھا جسے بعد میں مولانا احتشام الحق تھانوی ؒ نے مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ کی ہمراہی میں ٹنڈو الہ یار میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۳۶۷ھ میں علامہ سید سلیمان ندوی ؒ کے ہمراہ دہلی سے لاہور کا سفر کیا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ؒ خیر المدارس ملتان میں آپ کو استاذ حدیث مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کی خواہش کے احترام میں آپ نے ٹنڈو الہ یار میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں زندگی کے ۵ سال تدریسی خدمات میں گزارے اس

کے بعد والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے انتقال کے بعد ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی مرکزی درسگاہ" جامعہ اشرفیہ لاہور میں مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی اہلیہ محترمہ کے اصرار پر تشریف لے آئے ۔کیونکہ آپ کے والد محترم جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث والتفسیر کے عہدہ پر فائز تھے، اس لئے جامعہ کے مہتمم مولانا محمد عبید اللہ صاحب امرتسری اور جملہ اراکین شوریٰ کی خواہش پر اپنے والد محترم کی عظیم مسند پر بطور شیخ الحدیث والتفسیر فائز ہوئے اور آج تک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ جلا رہے ہیں اور ہزاروں طالبان علم آپ سے کسب فیض کر چکے ہیں ۔

آپ کا شمار اس دور کے نامور محقق علماء میں ہوتا ہے اور عرصہ تینتیس برس سے دینی علمی اور تدریسی خدمات میں مصروف ہیں تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور کئی عظیم کتابیں اور رسالے تصنیف کئے ہیں جن میں اردو زبان میں دو جلدوں پر مشتمل "تجرید صحیح مسلم" اصول تفسیر منازل العرفان فی علوم القرآن، پیغام مسیح" تاریخ حرمین، الهدایہ کی جلد ثالث اور رابع کا اردو زبان میں ترجمہ، اسلامی معاشرت پردہ اور مسلمان خاتون اور امت مسلمہ میں عظیم تفرقہ" (ردّ قادیانیت) زیادہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر دینی اور تبلیغی رسائل بھی لکھے ہیں، بہر حال آپ موجودہ دور میں ایک عظیم محقق، محدث، مفسر، مدبر، متکلم، ادیب، مصنف اور مایہ ناز خطیب ہیں، اپنے علم وعمل اور تقویٰ وطہارت میں قدیم اسلاف کی عظیم یادگار ہیں۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور لطیف الروح ہیں اخلاق وعادات میں اپنے والد محترم کا نمونہ ہیں، اکابرین دیوبند میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور قدیم اکابر میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے زیادہ متاثر ہیں حکیم الامت مولانا

اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے مرکزی نائب صدر اور سواد اعظم اہلسنّت پاکستان پنجاب کے امیر اعلیٰ ہیں، شریعت بنچ حکومت پاکستان اور ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان کے رکن اعلیٰ ہیں، ہمیشہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور اپنے اکابر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، فقیہہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے مقدس مشن کو زندہ کئے ہوئے ہیں ہر اہم دینی اور قومی مسائل کو سلجھاتے ہیں ارباب حکومت کی طرف سے مدعو کئے جاتے ہیں اور ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔

ایک باوقار، ملنسار شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہر اور حسن باطن سے خوب نوازا ہے پاکستان بھر آپ کی جامع شخصیت کا معترف ہے اور آپ کی تحریر و تقریر سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بڑے جلیل القدر محدث اور قابل فخر محقق ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، اور آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

★

دوامی نشست و برخاست

"ہمیشہ اُن لوگوں میں رہئیے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔"

(علامہ محمد ادریس کاندھلوی)

حضرت مولانا قاری عبید اللہ امرتسری

آپ مخدوم الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم اعلیٰ ہیں۔ آپ کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی حیات میں ہی جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ نے بالاتفاق رائے جامعہ کا مہتمم منتخب کر لیا تھا اس وقت سے آج تک مولانا موصوف اس عہدہ پر ہیں اور انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض کی بجاآوری میں مصروف ہیں یوں تو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی ساری اولاد گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے اور ماشاء اللہ سب کے رگ و پے میں دین رچا ہوا ہے لیکن حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ قرآن پاک ختم ہونے پر ابتدائی کتابوں کی بسم اللہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے کرائی تھی، بچپن میں مولانا موصوف کو پڑھائی کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا آپ کے والد محترم حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے شکایت کی تو انہوں نے اپنی خداداد بصیرت سے یہ پیش گوئی فرمائی کہ:-

"عبید اللہ، انشاء اللہ تعالیٰ بھاگتے بھاگتے ہی عالم ہو جائے گا۔"

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور آج حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کا شمار پاکستان کے بڑے بڑے جید علماء دین میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۳۴۶ھ کے قریب امرتسر میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ مدرسہ نعمانیہ کے مہتمم اور صدر مدرس تھے، آپ نے ابتدائی قاعدہ اور حفظ قرآن حضرت قاری کریم بخش سے کیا اور ۹ سال

کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، ابتدائی صرف و نحو اور فارسی کی کتابیں مولوی محمد یوسف صاحب ساکن جابھڑ اسے پڑھیں، پھر کافیہ سے آخر تک تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۴۱ء میں مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ سے مسلم شریف، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے ابوداؤد، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے طحاوی شریف اور حضرت مولانا نافع گل صاحب سے ابن ماجہ پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ فراغت کے بعد اپنے والد صاحبؒ کی سرپرستی میں مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور تقسیم ملک تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر پاکستان آگئے اور کچھ عرصہ تک حسن ابدال اور پھر راولپنڈی میں کاروبار کرتے رہے۔ پھر حضرت والد صاحبؒ کے حکم پر کاروبار چھوڑ کر ۱۹۴۹ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریس پر مامور ہوئے، اور اب تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے والد صاحبؒ کے وصال کے بعد باقاعدہ طور پر جامعہ اشرفیہ کے انتظامات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اور بڑے احسن طریقے سے دینی و علمی و تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ بچپن ہی سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوگئے تھے۔ اور ۹ سال کی عمر سے بالغ ہونے تک حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری کا شرف حاصل رہا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے کتب صحاح اول و آخر سے تبرکاً پڑھائیں علاوہ ازیں آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ دیوبند میں جب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے پاس تلاوتِ بخاری شریف ہوتی تھی تو منتخب اور چیدہ طلباء ہی پڑھتے تھے ان گنے چنے منتخب اور چیدہ طلباء میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ آپ نے جن عظیم اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ وہ بقول آپ کے ہر ایک علم و عمل کے درخشندہ آفتاب تھے۔" آپ اپنے تمام اساتذہ کے منظورِ نظر رہے اور اکابر و اساتذہ کی خصوصی

عنایات و توجہات کا مرکز رہے ۔

آپ اس وقت ایک جید عالم دین، عظیم محقق، مدبر اور مایہ ناز مدرس ہیں، آپ کی قرأت اور انداز تدریس بے مثل ہے، کئی دینی مدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن اور وفاق المدارس عربیہ پاکستان کے مرکزی نائب صدر ہیں، نہایت متواضع، خوش اخلاق اور خاموش طبیعت کے مالک ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خلیفۂ مجاز ہیں، اکابر کے بے حد قدر دان ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائیوں میں حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور اور حضرت مولانا صاحبزادہ فضل الرحیم صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد زیادہ معروف ہیں۔ جو اپنے علم وعمل میں اپنے والد مکرم کا عین نمونہ ہیں۔ صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب کی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں ملک و بیرون ملک مشہور و معروف ہیں ایک عظیم الشان مبلغ، مایۂ ناز خطیب، بہترین محقق اور جید عالم دین ہیں، معقولات و منقولات میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

نہایت قابلِ قدر عالم ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب حضرات کو طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب

آپ ایک دینی و علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے خاندان کے اکثر افراد قرآن مجید کے حافظ مشہور تھے آپ کے والد محترم جناب حافظ علی محمد صاحب اپنے علاقہ کی مسجد میں امامت کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے جن سے کافی لوگ فیضیاب ہوئے، آپ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں اپنے گاؤں موضع اُدّی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالتے ہی اپنے والد بزرگوار سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور بہت چھوٹی ہی عمر میں نہایت پختہ کار حافظ ہو گئے۔

حفظِ قرآن کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کے قریب چک ۱۹ شمالی میں مولانا شاہ محمد صاحب سے فارسی کتب پڑھنی شروع کر دیں اس کے بعد مڑولہ والا ضلع سرگودھا میں مولانا خدا بخش صاحب کے پاس تشریف لے گئے جو وہاں پیرزادوں کو پڑھاتے تھے آپ نے تقریباً قاضی مبارک اور ہدایہ اخرین تک تمام کتب اُن سے پڑھیں پھر آپ بھلوال چلے گئے اور وہاں کے خطیب مولانا محمد اشرف صاحب ہزاروی سے مشکوٰۃ شریف اور دیوان متنبی وغیرہ کتب پڑھیں اس کے بعد آپ مشہور بزرگ عالم ربانی حضرت مولانا ولی اللہ صاحب انہی شریف ضلع گجرات کے پاس تشریف لے گئے اور عربی و فارسی کی اکثر کتابیں اُن ہی سے پڑھیں پھر حضرت مولانا شیخ عبداللہ صاحب اور پروفیسر اورینٹل کالج مولانا نجم الدین صاحب سے بھی کچھ اسباق پڑھے اور بالآخر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور بلا امداد دیوان متنبی وغیرہ کتب میں

داخلہ لیا پھر شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو دورۂ حدیث میں شرکت کا شرف حاصل ہوا اور مندرجہ ذیل نصاب کی کتابیں احادیث مبارکہ کے دروس اکابر اساتذہ سے تکمیل فرمائے، جن اساتذہ سے آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی وہ یہ ہیں۔

بخاری شریف و ترمذی شریف :- شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

مسلم شریف :- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

ابو داؤد شریف :- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ

ابن ماجہ شریف :- حضرت مولانا نافع گل صاحبؒ

نسائی شریف :- حضرت مولانا ریاض الدین صاحبؒ۔

طحاوی شریف :- مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب

موطائین شریفین :- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

قرأت :- حضرت مولانا قاری عتیق الرحمن صاحبؒ

شروع رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء کو بعد فراغت تعلیم بہمراہی زت مولانا عبید اللہ صاحب ابن حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، دیوبند سے واپس امرتسر پہنچے اور ایک دن حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب کے مکان پر قیام کیا اس روز چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ گھر پر موجود نہیں تھے لہٰذا شرفِ ملاقات حاصل نہ ہو سکا اور دوسرے روز امرتسر سے روانہ ہو کر سیدھے اپنے گاؤں اوُ پی پہنچے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تقریباً ایک سال تک مختلف طلباء کو تعلیم دیتے رہے پھر مدرسہ عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دو سال تک تعلیم دی اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور چھاؤنی چلے گئے۔ مگر وہاں سے عدم موافقت کی بناء پر جلد ہی واپس گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور مولانا محمد چراغ صاحب کی دعوت پر آپ مدرسہ عربیہ بیرون خیالی دروازہ

مسجد آرائیاں گوجرانوالہ میں مدرس مقرر ہو گئے جہاں تقریباً آٹھ نو سال تک تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد جب حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی فراغت کا علم ہوا تو آپ کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں مدرسی کی پیش کش فرمائی۔ مگر آپ نے نہایت ادب سے گوجرانوالہ ہی میں قیام رکھنے کے خیال کا اظہار فرمایا۔ جس پر حضرت مفتی صاحب نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مئی ۱۹۵۲ء میں زیر سرپرستی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ مسجد شیخاں اندرون شیخوپورہ دروازہ گوجرانوالہ میں مدرسہ اشرف العلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی یہ نام بھی حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے تجویز فرمایا اور چندہ کی سب سے پہلی رسید بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے اسم گرامی کی لکھی گئی۔ جو الحمد للہ تعالیٰ کثیر برکت کی حامل ثابت ہوئی۔

پھر چند ماہ بعد ۱۹۵۲ء ہی میں مدرسہ ہذا کو چند ناگزیر حالات کی بناء پر مسجد عبداللہ خونی مسجد بخشنے والا میں منتقل کر دیا گیا اس کے بعد ابتداء ۱۹۵۳ء میں محلہ باغبانپورہ حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ پر تقریباً چار کنال زمین کا انتظام ہوگیا تو فوری ضروریات کے لئے چہار دیواری اور معمولی چھپروں اور کچی تعمیر کا ہی بندوبست کر کے مدرسہ کو مستقل طور پر یہاں منتقل کر دیا گیا، ان ہی ایام میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی گرفتاری عمل میں لائی گئی مگر مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا،

رہائی کے بعد آپ نے مدرسہ کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائی اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مدرسہ دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس وقت ایک عالیشان وسیع اشرفیہ جامع مسجد اور اس سے ملحقہ متعدد دو منزلہ کمرے تیار ہو چکے ہیں جہاں تعلیم و تدریس مدرسین کرام اور بیرونی طلباء کے قیام وطعام اور دیگر جملہ ضروریات اور سہولیات کا بہترین انتظام کیا گیا ہے، اور الحمد للہ تعالیٰ تمام امور کامیابی کے ساتھ روبہ ترقی سر انجام دیئے

جاری ہے ہیں مدرسہ اشرف العُلوم میں علاوہ تعلیم درسِ نظامی کے تبلیغی، اصلاحی، اخلاقی اور روحانی تربیت کا بھی اپنے اکابر کے طریق پر خاطر خواہ انتظام موجود ہے ان جملہ امُور کے انتظام کے لئے ایک مجلسِ شوریٰ موجود ہے جس کے اراکین میں علماء و صلحا، رؤسا، ڈاکٹر، وکیل اور تاجر وغیرہ ہر نوع کے اشراف شامل ہیں جس کے تحت ایک مجلس منتظمہ بھی ہے۔ جو تمام امور کی نگرانی کرتی ہے اور جس کے صدر و مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب مدظلہٗ ہی ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کا مسلک، عقائدِ اہلسنت و الجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس کا مشرب یعنی طریقہ فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مطابق ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری جملہ متعلقین مدرسہ بالخصوص جناب صدر محترم کی ہے۔ آپ کا شروع ہی سے طبعی رجحان فقیری اور اصلاحِ باطن کی طرف تھا مگر اپنے بزرگوار کے منشاء پر جب علم شریعت باحسن طور پر حاصل کر لئے اور دوسروں تک پھیلانے کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا۔ تو پھر ابتدائی طبعی تقاضا عود کر آیا آپ نے اِس تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ذکر و اذکار از خود شروع کر دیئے۔

پھر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات پڑھنا شروع کر دیئے جس سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہو گئی۔ اور سنہ ۱۹۴۱ء میں بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم کر لیا مگر جلد ہی سنہ ۱۹۴۳ء میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ وصال فرما گئے۔ جس سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا، اور پھر اُن کے خلیفۂ ارشد مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے بذریعہ خط و کتابت اصلاح باطن و تربیت حاصل کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا، اور پھر اکثر حضرتِ اقدس مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کے لئے رات کو ۱۱ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر ۵ بجے صبح کے قریب

امرتسر پہنچ جاتے اور مسجد نور چوڑہ منڈی میں قیام فرماتے، صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے درس قرآن مجید میں شرکت فرماتے اور پھر مسجد خیر الدین ہال بازار میں ظہر کے بعد مثنوی شریف کے درس اور ملفوظات شریف کی مجلس میں تشریف رکھتے جو عصر تک قائم رہتی اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ہی کی نگرانی میں ذکر و اذکار کا التزام فرماتے، ذکر اسم ذات وغیرہ تو قصد السبیل سے دیکھ کر پہلے ہی جاری کر رکھا تھا اور قرآن مجید کی منزل اور مناجات مقبول کا سلسلہ تو عادتِ ثانیہ بن چکی تھی، آپ نے اپنے معمولات حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو تحریراً پیش فرمائے تو فرمایا کہ :-

"کیا یازدہ تسبیح نہیں پڑھتے اس کو پڑھا کرو"

اس دن سے یازدہ تسبیح کا ورد بھی معمول بن گیا۔

جب حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔ تو صرف ایک قمیض شلوار ٹوپی اور ایک چادر میں ملبوس تھے اس کے علاوہ کوئی چیز امرتسر سے ساتھ نہ لا سکے، مگر اس کے باوجود قلب مطمئن تھا اور امرتسر چھوڑنے کا کوئی اثر موجود نہ تھا

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ لاہور آکر وہاں کے مشہور ڈینٹسٹ ڈاکٹر عزیز احمد جلال الدین کی کوٹھی میں مقیم ہو گئے۔ اور پھر بہت جلد نیلا گنبد کے قریب مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے حاصل کر کے ستمبر ۱۹۴۷ء میں جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی گئی اور آپ نے توکلاً علی اللہ وہاں دینی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔

اسی بلڈنگ کی درمیانی منزل کے ایک حصہ میں خود بھی رہائش پذیر ہو گئے تو حضرت مفتی صاحب کے پاس آپ کا آمد و رفت کا سلسلہ مزید بڑھتا چلا گیا اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس اکثر حاضری دیتے۔ اور اصلاحِ باطن و تربیت حاصل فرماتے رہے اور فیوضات و برکات سے نوازے گئے، آخر ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں حضرت مخدوم الامت

قبلہ مفتی صاحب قدس سرہٗ نے توکلاً علی اللہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی اس کے بعد آپ نے مدرسہ اشرف العلوم کی نگرانی اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تربیت باطن کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا، اب مدرسہ اشرف العلوم علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ اصلاح باطن اور افاضۂ نسبت مع اللہ کی آماجگاہ بن گیا ہے اور تشنگانِ علم معرفت سیراب شاداب ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ حضرت مخدوم الامت قبلہ مفتی صاحبؒ کے دیگر خدام کے ساتھ ساتھ اور انفرادی طور پر بھی تبلیغی اور اصلاحی سلسلہ میں کوئٹہ بلوچستان سندھ کراچی پنجاب اور دیگر مختلف متعدد مقامات پر تشریف لے جاتے اور اپنے مواعظ حسنہ اور مجالس مختلفہ کے ذریعے علمی و اصلاحی رنگ میں مشتاقان کے قلوب کو انوار و برکات سے منور و فرمائی فرماتے ہیں۔ نیز عام مواعظ و ملفوظات کی مجالس کے علاوہ گوجرانوالہ میں روزانہ درس قرآن مجید کا سلسلہ قائم کیا ہوا ہے۔ جس میں آپ نہایت تحمل مزاجی سے قرآن مجید کا سلیس ترجمہ فرماتے ہیں۔

پھر صلحائے امت کے طرز پر تشریح فرماتے ہیں، الفاظ اور عبارت نہایت آسان اور سادہ انداز سلجھا ہوا ہوتا ہے۔ اکثر مضامین تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ کی محبت سے لبریز، جنت کی نعمتوں کے شوق دلانے اور جہنم کے عذاب سے خوف دلانے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور ان کو مع تماثیل اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ساتھ کے ساتھ ہی ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں اور سامعین میں سے جو باشعور افراد متوجہ ہو کر سنتے ہیں وہ متاثر ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہی جملہ باطنی امراض اور ان کے علاج درس کی شکل میں بتائے جا رہے ہیں۔ نیز طرز بیان کی شیرینی اور چاشنی ایسی ہوتی ہے گویا کہ آپ کے شیخ حضرت مخدوم الامت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے سب کچھ آپ کو ورثہ میں عطا فرمایا ہے۔

غرضیکہ آپ ایک جید عالم دین، فقیہ اور شیخ کامل ہیں، اتباع سنت کے پیکر ہیں

اور نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق بزرگ ہیں، ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی وروحانی سے مستفیض ہو چکے ہیں، کئی خوش نصیبوں کو آپ نے خلعتِ خلافت سے نوازا ہے اور ہزاروں کی اصلاح فرمائی ہے،

آپ کی اولاد صالحہ میں چار صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں ہیں جو الحمد للہ تعالیٰ سب کے سب ضروریات دین اور علم وعمل سے بہرہ ور ہیں۔ جن میں بڑے صاحبزادے مولانا محمد نعیم اللہ صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل اور اب مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ کے ناظم ومدرس ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولانا قاری معین الدین صاحب ہیں وہ بھی جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل ہیں اور اِس وقت اشرفیہ جامع مسجد گوجرانوالہ کے خطیب اور اشرف العلوم میں مدرس ہیں۔ تیسرے اور چوتھے صاحبزادے حافظ قاری فخر الدین صاحب اور حافظ ظہیر الدین صاحب درسِ نظامی میں زیرِ تعلیم ہیں۔ اور الحمد للہ چاروں صاحبزادے پختہ کار حافظ وقاری ہیں۔

اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے اِن سب کو اپنی مخصوص نعمتوں سے نوازیں اور مفتی صاحب مدظلہم کو تادیر سلامت رکھیں۔ آمین "

حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب

آپ ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ بروز اتوار مطابق جنوری ۱۹۱۰ء کو جناب حاجی معروف گل صاحب کے گھر اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی پھر طورو ضلع مردان کے مولانا عنایت اللہ اور مولانا عبدالجمیل صاحب سے بھی پڑھتے رہے سولہ برس کی عمر میں اسی علاقہ میں ملاحسن تک کی کتابیں پڑھتے رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا، پہلے میرٹھ اور امروہہ کے مدارس میں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا - اور ۱۳۵۲ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی، آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ شامل ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۶۶ھ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شعبان کی چھٹیوں میں واپس وطن آئے ملک کی تقسیم کی وجہ سے دوبارہ دیوبند نہ جا سکے اور دارالعلوم حقانیہ کی متوکلاً علی اللہ بنیاد رکھی - اسی تقسیم والے سال میں وہ طلبہ جو ہندوستان کے دینی مدارس میں زیر تعلیم تھے وہ سب دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ آپ کی محنت رنگ لائی اور دارالعلوم حقانیہ پاکستان کے ممتاز دینی مدارس میں شمار ہونے لگا۔ آج اس دارالعلوم حقانیہ سے تین ہزار کے قریب طلباء سند فراغ حاصل کر چکے ہیں اور ملک کے مختلف علاقوں میں دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ ایک جیّد عالم، محدّث، محقق، اور صالح بزرگ ہیں علاقہ کے علماء و عوام آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر آپ نے الیکشن لڑا جس میں کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی میں آپ کی تقریریں حق کی ترجمانی کرتی رہیں، آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ و وعظ کے ساتھ کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں مقامِ صحابہؓ، خلافت راشدہ "دعوات حق" علم کے تقاضے اور اہل علم کی ذمہ داریاں" صیام رمضان اور ناموسِ رسالت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی ایم۔ اے، آپ کی مشہور تالیف" دعوات حق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم ملک کی اُن گنی چُنی شخصیتوں میں سے ہیں جن سے اس دور میں علم دین کا بھرم قائم ہے، زیر نظر کتاب انہی کے خطباتِ جمعہ کا مجموعہ ہے جسے اُن کے لائق و فاضل صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق نے بڑے بڑے سلیقے سے مرتّب کیا ہے، حضرت مولانا موصوف کے خطبات جمعہ ماہنامہ الحق میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور اس سے قبل دو مختصر مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے موصوف مولانا کو دلوں پر اثر انداز ہونے کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے چنانچہ ان کے مواعظ و خطبات سے قلب میں سوز و گداز، ایمان میں پختگی اور خدا کا خوف اور فکر آخرت پیدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق دین کی تعلیمات و ہدایات اور اُن

اسرار و حکم ان خطبات میں ملتے ہیں - اور زیر نظر مجموعہ دعوتِ حق مولانا موصوف کے خطبات کا جامع ترین مجموعہ ہے۔"
(ماہنامہ البلاغ - کراچی)

جناب مولانا سعید الرحمٰن علوی مدیر ہفت روزہ خدام الدین لاہور لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اِن علماءِ ربانی میں سے ہیں جن کے نقوشِ پا قوموں کے لئے مشعلِ راہ ہُوا کرتے ہیں - مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند نے امام المجاہدین سیّد احمد شہید قدس سرہٗ کی عظیم چھاؤنی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم قائم کر کے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے یہ دارالعلوم نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پاکستان کا مثالی دارالعلوم ہی نہیں بلکہ پاکستان میں دیوبند کا نقشِ ثانی ہے اِس دارالعلوم سے جو فیض پھیلا اس کا زمانہ معترف ہے"۔

مولانا موصوف مدرسہ کے ساتھ ساتھ قصبہ کی مسجد میں جمعہ اور دوسرے اہم مواقع پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں جو علم و روحانیت اور قدیم و جدید معلومات کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ موصوف کے خلف الرشید مولانا سمیع الحق صاحب اڈیٹر الحق پوری قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نوادرِ علمی کے ضبط و ترتیب کا فریضہ سرانجام دے کر ملّت کے ہاتھوں اتنا بڑا خزانہ دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ خطبات کو ہماری رہنمائی کے لئے صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے اور مرتب کو بہترین اجر عطا فرمائے - آمین"

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی

آپ اصلاً ریواڑی ضلع گوڑ گانوہ مشرقی پنجاب کے رہنے والے ہیں اور ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالعزیز صاحبؒ ایک متقی پرہیزگار عالم دین تھے اور آپ کے نانا صاحب بھی بڑے جید عالم اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن تھے، آپ ۱۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے، مڈل تک اسکول کی تعلیم ریواڑی میں حاصل کی، بچپن ہی سے اپنے نانا کی تربیت میں رہے اور ساتھ ساتھ نانا صاحبؒ کے شاگردوں سے عربی کی تعلیم بھی جاری رکھی، پھر شرح جامی تک کتب پڑھ لینے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا وہاں ایک سال پڑھ کر اگلے سال دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور تمام علوم و فنون کی مختلف کتابوں کی تکمیل کے بعد دورۂ حدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، آپکے دوسرے اساتذہ میں مولانا صدیق احمد کشمیریؒ مولانا محمد زکریا قدوسی، مولانا حافظ عبداللطیف سہارنپوریؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمی شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ، عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے اپنے وطن میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ کچھ تجارت کا مشغلہ بھی جاری رہا، مگر اس سے تدریس میں کوئی فرق نہیں آیا، قیام پاکستان کے بعد پاکستان آگئے اور

سکھر میں قیام کیا، یہاں بھی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری فرمایا پھر مدرسہ اشرفیہ کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد احمد تھانوی بانی و مہتمم مدرسہ اشرفیہ کی دعوت پر مستقل طور پر درس و تدریس پر مامور ہوئے یہاں آپ کو تمام درسی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا اور اب عرصہ دراز سے حدیث کی کتابیں پڑھا رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ خدمتِ افتاء بھی جاری ہے اور شعبۂ دارالافتاء کے آج کل آپ صدر ہیں، آپ کے قلم سے ہزاروں فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں اور سینکڑوں افراد علمی فیض حاصل کر چکے ہیں، مدرسہ اشرفیہ سکھر کے صدر مدرس اور صدر مفتی ہونے کے علاوہ آپ ایک کامل شیخ بھی ہیں، اور روحانی فیض بھی جاری ہے۔

آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت تھانوی سے منسلک ہے آپ پہلے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب خلیفہ حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے اور اصلاح باطن کا سلسلہ قائم کیا، پھر اُن کے وصال کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے رجوع کیا، اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے، آپ کا سلسلہ خوب آگے بڑھ رہا ہے۔ اور کئی حضرات کو آپ نے بھی اجازت بیعت عطا فرمائی ہے۔ درس و تدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ آپ نے متعدد دینی کتب و رسائل بھی تالیف فرمائے ہیں۔ جو نہایت مفید اور عام فہم ہیں، ان میں "علیکم بسنتی"، "شان رسالت"، "دین کی باتیں دو جلد" جنت کے پھول اور دوزخ کے کانٹے"، "کیا خدا ہے"، "مکہ مدینہ"، "اعتکاف"، "آخری منزل کے احکام"، "مفید دعائیں"، "نصیحت برائے آخرت"، "رمضان المبارک"، "رحمت کے مستحق انسان"، "قصیدہ بردہ کی اردو شرح" اور "حرمین شریفین زیادہ مشہور تالیفات ہیں۔

آپ کے ایک رسالہ "مکہ مدینہ" کے متعلق آپ کے شیخ و مربی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:-

"مولانا عبدالحکیم صاحب کا رسالہ "مکہ مدینہ" بہت نافع و مفید ہے اور عوام

کے لئے بہت آسانی سے ضروری احکام حج و زیارت معلوم کرنے کا اس
میں سامان ہے (اللہ تعالیٰ نے موصوف کو افادۂ خلق کے لئے موفق بنایا ہے[1]۔"

آپ ایک جیّد عالم اور، فقیہہ، محدّث، محقق اور عارف کامل ہیں۔ نہایت سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ اور انکساری و تواضع میں اسلاف کی یادگار ہیں۔ متبع سنت اور حق گو ہیں نہایت ملنسار، خلیق اور قابلِ قدر بزرگ ہیں۔ آپ کی اولاد صالحہ میں چار فرزند ہیں۔ جو سب کے سب حافظ و قاری اور عالم ہیں۔ جن میں بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحلیم صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب ہیں جو مدرسہ اشرفیہ سکھر سے فارغ ہیں اور اس وقت دارالعلوم کراچی میں مدرس و معین مفتی ہیں اور حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور ایک اچھے عالم فاضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوضات کو جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

★

"نیک
کمائی سے نیک صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس
کی غذا گندی، اس کے ضمیر کی آواز بھی گندگی
سے آلودہ ہو گی۔"
(حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

[1] بحوالہ البلاغ "مفتی اعظم نمبر"۔

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی

رائس الاتقیاء حضرت مولانا الحاج مفتی سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ، مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا اس وقت پاکستان کے ممتاز علماء دین میں سے ہیں۔ اور وقت کے عظیم محدث، فقیہہ، محقق اور عارف ہیں آپ کا تعلق ایک دینی و علمی گھرانے سے ہے آپ کی ولادت باسعادت اپنی ننھیال موضع ارون ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ہوئی، تاریخی نام مرغوب النبی نکالا گیا۔

آپ کے والد محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ اشرفیہ کے معروف و مشہور بزرگ اور صاحب تصانیف و افتاء معروف عالم دین تھے اور عرصۂ دراز تک حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ، کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے رہے اور ان کے زیر سایہ رہ کر تصنیف و تالیف افتاء و تدریس غرضیکہ تعلیمی اور تبلیغی تمام شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے

آپ کے دادا کا نام حکیم محمد غوث اور پر دادا مولانا عبداللہ صاحب ہیں۔ آباؤ اجداد کی سکونت پنجاب کے علاقہ ضلع سرگودھا میں تھی مگر آپ کے پر دادا مولانا عبداللہ صاحب نے ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا قصبہ گمتھلہ گڈھو میں سکونت اختیار فرمائی تھی اسی نسبت کے اظہار کے لئے آپ کے والد صاحبؒ اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے۔ مگر گمتھلو کے سرکاری کاغذات میں آپ کے جد امجد کے نام کے ساتھ ترمذی لکھا ہوا ہے کیونکہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ترمذ سے جو سادات کا قافلہ ہندوستان آیا تھا اس میں

آپ کے آباؤ اجداد بھی شامل تھے اسی نسبت سے سرکاری کاغذات میں یہ اظہار کیا گیا ہے آپ کی تعلیم کی ابتداء تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے مدرسہ اور دارالعلوم اشرفیہ سے قرآن پاک حفظ و ناظرہ، املاء و حساب، اردو دینیات بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم سے ہوئی۔ وہاں کے اساتذہ میں حافظ اعجاز احمد صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب بنگالی اور مولانا سراج احمد صاحب امروہی خلیفہ حضرت تھانویؒ کے اسمائے گرامی شامل ہیں اس کے ساتھ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی بابرکت مجلس عام و خاص میں بھی حاضری کی دولت اور آپ کے ارشادات طیبات سے استفادہ کا موقع ہمیشہ ہی نصیب ہوتا رہتا تھا۔ فارسی فارسی اور عربی کی ابتدائی اور بعض متوسط کتابیں ہدایہ جلالین وغیرہ اپنے والد صاحبؒ اور مولانا سمیع اللہ خان صاحب، مولانا محمد مبین صاحب، مولانا محمد متین خطیب صاحب اور مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی سے پڑھیں، پھر سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم میں مولانا منظور احمد خان، مولانا محمد زکریا قدوسی مولانا محمد امیر صاحب اور مولانا محمد صدیق صاحب سے استفادہ کے بعد مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر دو سال تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل کیا وہاں کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ، حضرت مولانا جلیل احمد کیرانویؒ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب شامل ہیں ان تمام اساتذہ سے فیض علمی حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے شعبان ۱۳۶۵ھ میں سند فراغت حاصل کی،

دوران تعلیم ہی ۱۳۵۹ھ میں اپنے والدین کے ہمراہ حج و زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور پھر مزید ایک سال مدینہ منورہ میں قیام بھی رہا اس عرصہ میں آٹھ ماہ ربیع الاول سے ذی قعدہ تک مدینہ منورہ کے مدرسہ علوم شرعیہ میں آپ کے والد محترم حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ فقہ و حدیث وغیرہ علوم کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس دوران آپ نے

اس مدرسہ میں مزید تعلیم بھی حاصل کی اور تجوید کی بعض کتابیں بھی پڑھیں اور اساتذہ سے مشق قرأت بھی کرتے رہے وہاں کے اساتذہ میں قاری محمد اسعد صاحب اور قاری عبدالعزیز صاحب شامل ہیں نیز وہاں کے استاذ القراء حضرت قاری حسن شاعر سے مقدمہ جزریہ تجوید میں پڑھا پھر پانی پت ضلع کرنال کے شیخ القراء حضرت مولانا قاری محی الاسلام اور قاری فتح محمد صاحب سے سبعہ او رثلاثہ میں استفادہ کرنے کا موقع بھی حاصل ہوا، اور قرأت میں بھی ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بلکہ زمانۂ تعلیم ہی سے اپنے والد مکرم کی نگرانی میں معین مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات اور کتب فقہ پڑھانے کا موقع ملتا رہا۔ اور شعبان ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد پہلے مدرسہ عربیہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں درس نظامی کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے یہاں تک کہ پاکستان بن گیا اور وہاں کے انتقال آبادی کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے اور شہر کی قدیم جامع مسجد میں ایک مدرسہ بنام قاسمیہ جاری کیا اس میں قرآن مجید کے علاوہ فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھاتے رہے، ۱۹۵۲ء کی تحریک ختم نبوت میں تقریباً چارہ ماہ نظر بندی کے زمانہ میں مدرسہ بند ہو گیا پھر رہائی کے بعد دوبارہ کوشش کر کے آپ نے مستقل مدرسہ کے لئے جگہ حاصل کی اور یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ سے باقاعدہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا، اس مدرسے کا نام استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کے نام پر "مدرسہ حقانیہ" رکھا مدرسہ میں قرآن مجید حفظ و ناظرہ، تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، املاء، حساب اور درس نظامی ہدایہ اور مشکوٰۃ تک تعلیم دی جاتی ہے، مدرسے کا مسلک و مشرب اکابر و اسلاف کے عین مطابق ہے اور مدرسہ ابتداء ہی سے توکل علی اللہ چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام

ضروریات کو پورا فرما دیتے ہیں، مدرسے کے اہتمام کے علاوہ آپ مشکوٰۃ شریف وغیرہ خود پڑھاتے ہیں اور مسائل شرعیہ کے جوابات اور استفتاء پر تحریری اور زبانی فتاویٰ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد ہے۔ مدرسہ کے علاوہ شہر کی سب سے بڑی مسجد جو اس مدرسہ سے تعلق رکھنے والے احباب نے "جامع مسجد حقانیہ" کے نام سے تعمیر کرائی ہے اس میں خطبۂ جمعہ بھی آپ ہی فرماتے ہیں اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ وعظ و نصیحت اور دینی مسائل پر بیان فرماتے ہیں۔ اس طرح سے الحمدللہ مدرسے کے ساتھ تبلیغ وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جس سے پورے شہر اور اس کے مضافات میں دینی رجحانات میں قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے، بہت سے بچے قرآن پاک حفظ و ناظرہ پڑھنے کے بعد درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھ کر فارغ ہو چکے ہیں اور تعلیمی و تدریسی خدمات میں مصروف ہیں اس کے علاوہ ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی و روحانی سے سیراب و شاداب ہو چکے ہیں۔ آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے منسلک ہے اور بچپن میں حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ سے تھانہ بھون کے تعلیمی زمانہ ہی سے گہرا تعلق رہا ہے اور حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ ہمیشہ آپ کو شفقت و محبت سے نوازتے رہے۔ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ سے اپنے تعلق کا تذکرہ خود حضرت مولانا ترمذی صاحب مدظلہٗ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ شروع سے آخر عمر تک اس ناکارہ پر احسانات عظیمہ فرماتے رہے۔ میرے تھانہ بھون کے زمانۂ تعلیم میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم اپنی مشہور اور مایہ ناز علمی تصنیف "اعلاء السنن" کی تالیف میں مشغول تھے حضرت مولانا سے ہر وقت

نیازمندی کا شرف حاصل رہتا تھا ابتداءِ بچپن میں اس ناکارہ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بیعت متبرک کا شرف حاصل ہوا، حضرت کی رحلت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے تربیت کا تعلق قائم رہا ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے حسب ایماء حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ سے تربیتی تعلق قائم ہوا۔ حضرت مولانا کے ارشاد پر ٹنڈوالہ یار حاضری کا موقع ملا۔ اور اس حاضری میں واپسی پر ۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ بعد مغرب دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی جامع مسجد میں اس ناکارہ کو اجازت بیعت سے نوازا گیا، حضرت مولانا عثمانی مرحوم اس ناکارہ سے بہت محبت فرماتے تھے ایک والا نامہ میں فرماتے ہیں ۔ کہ:۔

"عزیز من سلمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، بعد سلام دعا کے واضح ہو کہ تمہارے خط سے خوشی ہوئی، تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد صاحب سے میرے تعلقات تھے اس لئے تم سے بھی دل کو خاص لگاؤ ہے تمہارے خط سے دل کو فرحت ہوتی ہے اور تمہارے والد مرحوم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے"۔ حضرت مولانا عثمانی کے جذبات محبت کے اظہار کے لئے یہ اقتباس کافی ہے ۔حضرت مولانا عثمانی مرحوم اپنے ایک پیغام میں الفاظ ذیل کے ساتھ اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں:"

"مدرسہ حقانیہ کے مہتمم مولانا سید عبدالشکور صاحب ماشاء اللہ عالم باعمل اور فاضل صالح ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علوم و فیوض سے مسلمانوں کو مستفید فرمائیں"

حضرت مفتی اعظمؒ سے تعلق کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"اسی طرح مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ سے بھی ہمیشہ بچپن ہی سے تعلق رہا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ دیوبند سے ہر مہینہ کئی مرتبہ تھانہ بھون تشریف لایا کرتے حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت گہرا برادرانہ تعلق تھا اس ناکارہ پر بھی اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے تھے پھر زمانہ دو سالہ قیام دارالعلوم دیوبند میں بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضری اور استفادہ کا موقع ملا رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ تعلیمی اور تربیتی مشوروں اور اصلاحات سے ہمیشہ مستفید فرماتے رہے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد باضابطہ تربیتی اور اصلاحی تعلق حضرت مفتی صاحب سے قائم ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ جب اپنے آخری سفر لاہور میں تشریف لائے۔ تو یہ ناکارہ مع اہل و عیال زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اور ایک ہفتہ کے اس قیام لاہور میں حضرت مفتی صاحبؒ نے گوں نا گوں شفقتوں کا اظہار فرمایا اور بہت سی خصوصیات سے نوازا اور اسی سفر میں تجدید بیعت کی بھی دولت میسر آئی اس سفر سے واپسی پر کراچی پہنچ کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ کو ایک والانامہ ارقام فرمایا۔ جس میں ازراہ ذرہ نوازی اس ناچیز کو اجازت بیعت و تلقین سے معزز فرمایا گیا۔ والانامہ کی نقل حسب ذیل ہے۔

عزیز محترم مولوی عبدالشکور صاحب ترمذی سلمہٗ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

اس وقت بلیساختہ قلب پر وارد ہوا کہ بنام خدا تعالیٰ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دی جائے آپ اپنی اصلاح

کی نیت سے اصلاح تعلق کی خدمت شروع کردیں، تربیت السالک، تعلیم الدین وغیرہ کتب کو مطالعہ میں رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں، اپنے احباب سے اِس اجازت کا ذکر بھی کر دیں۔

والسلام " بندہ محمد شفیع عفی عنہ"۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ اس ناکارہ کی ہمّت افزائی فرماتے تھے اور معمولی معمولی دینی خدمات پر اظہار خوشنودی فرماتے تھے، ایک کرامت نامہ میں اس طرح ہمّت افزائی فرمائی گئی کہ " عزیزم مولانا عبدالشکور صاحب سلمہٗ!

احقر کے نام کے ساتھ خطاب میں مولانا لکھنا حضرت مفتی صاحبؒ کے معمول کے خلاف تھا اس لئے اس کی وجہ میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ:۔

" آپ کے ساتھ جس طرح کا تعلق ہے اس کا تقاضا تو برخوردار عبدالشکور سلمہٗ لکھنے کا تھا مگر اس وقت آپ کے علمی کمالات مقتضاء حال بن گئے اِس لئے مولانا عبدالشکور لکھ دیا، سبب یہ پیش آیا کہ کبیر والا سے مولانا محمد سرور سلمہٗ کا خط آیا اس میں آپ کا لکھا ہُوا ایک فتویٰ متعلقہ سہو مقتدی بغرض تصدیق بھیجدیا اس فتویٰ کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ کہ تحریر میں آپ کے والد صاحبؒ کی جھلک نظر آئی اور ماشاء اللہ جواب صحیح وصواب طرز تحقیق بہت مناسب تھا فتویٰ پر تصدیق کر کے بھیجدیا ساتھ یہ خیال آیا کہ آپ کو اپنی اس خوشی کی اطلاع کردوں۔"

غرض یہ کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس ناکارہ سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔" (مکتوب گرامی بنام احقر بخاری عفرلہٗ)

بہر حال حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم کی دینی، تدریسی، تبلیغی

اور اصلاحی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

درس و تدریس اور تبلیغ وارشاد کے علاوہ تصنیف و تالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ ہے اور آپ کے قلم فیض رقم سے متعدد کتابیں رسائل شائع ہو چکے ہیں بہت سے علمی و اصلاحی مقالات مختلف دینی رسائل البلاغ، الحق، بینات و الرشید وغیرہ میں چھپ چکے ہیں اور چھپتے رہتے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف مختلف موضوعات پر چھپ چکی ہیں جن پر تمام اکابر علماء کو مکمل اعتماد ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، آپ کے قلم سے اس وقت تک ساٹھ سے زائد تصانیف تالیف ہو چکی ہیں۔ جن میں "ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن" "عقائد علماء دیوبند" "السعی الشکور فی احکام العاشور" "فیض روحانی از اولیاء ربانی"۔ "مودودی کے نظریات پر ایک نظر"، "اسلام میں ارتداد کی سزا" "اسلام میں معاشی حالات کا اخلاقی حل" "دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت"؛ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح کے حالات و کمالات پر مفصل تالیف "تذکرۃ الظفر" علمی شاہکار ہیں۔

ان کے علاوہ متعدد تالیف و مقالات طبع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے آپ اس دور کے عظیم محدث، مفسر، اور زبردست فقیہہ ہیں۔ اس کے ساتھ عالم باعمل اور شیخ کامل ہیں اور علمی تدریسی فقہی خدمات کے ساتھ ساتھ تبلیغی اور اصلاحی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں، فقہ میں مکمل دسترس حاصل ہے اور آپ کے فتاویٰ کو عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے فیض علمی و روحانی کو تاقیامت جاری و ساری رکھے اور اللہ عزوجل آپ کی عمر میں برکت دے آمین

حضرت مولانا سیّد نورُالحَسن بُخاری

آپ پاکستان کے ممتاز عالم دین، تنظیم اہلسنت والجماعت کے سرپرست، متعدد علمی، تاریخی اور ادبی کتب کے مصنّف، آتش نوا خطیب ایک بہترین ادیب فاضل دیوبند اور ایک اچھے شاعر و صحافی ہیں، آپ کا پورا نام سیّد نورالحسن بخاری ابن سید شاہ محمد شاہ ہے وطن اصلی ڈیرہ غازیخان پنجاب ہے، تاریخ ولادت ۱۰ر جنوری ۱۹۱۱ء ہے، انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سکول ماسٹر رہے ۱۹۲۸ء میں لاہور ایک جلسہ میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرفِ ملاقات نصیب ہوا، بزرگوں سے تعلقات کی ابتدا ہوئی۔ پھر یہ تعلق اس قدر قوی ہوا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا سیّد معظّم علی شاہ صاحب کو دولت خانہ پر ایک تبلیغی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جسے شرف قبولیّت بخشا گیا۔ یہ امر تعلقات کی مزید پختگی اور دارالعلوم دیوبند کی طرف توجہ کا سبب بنا چنانچہ ۱۳۵۵ھ میں ملازمت سے رخصت لے کر دارالعلوم دیوبند پہنچے، حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدظلہم نے آپ کی ابتدائی تعلیم کے لئے ممتاز طلباءِ دارالعلوم کو مقرر فرمایا، آپ نے بہت جلد ابتدائی تعلیم مکمل کر لی، موقوف علیہ میں مشکوٰۃ شریف میں اوّل آئے اور ۱۳۵۷ھ کے دورۂ حدیث میں شریک ہوئے، صحیح بخاری اور ترمذی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے صحیح مسلم شریف حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے اور ابوداؤد شریف مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دیوبندیؒ سے پڑھ کر دستارِ فضیلت حاصل کی ۔

فراغت کے بعد ۱۹۴۵ء میں تنظیم اہلسنت کی تشکیل عمل میں آئی اور اُس وقت سے آج تک اس کے تبلیغی کاموں میں آپ سرگرم عمل ہیں اور شروع سے اِس تنظیم کے سربراہ اور سرپرست چلے آرہے ہے اس کام میں آپ کے ساتھ اور معاونِ خاص حضرت علامہ دوست محمد قریشی مرحوم کا کردار ایک ناقابلِ فراموش کردار ہے وہ شروع سے آخر دم تک اِس تنظیم سے وابستہ رہے ، شبانہ روز تبلیغ واشاعتِ دین ہو یا مسلکِ حقہ اہل سنت کی حفاظت کے لئے بحث ومناظرہ ، مختلف دینی ومسلکی عنوانات پر تصنیف وتالیف ہو یا باطل مذاہب کی تردید کے لئے نوجوان علماء کی تعلیم وتربیت ، جماعت کی مالی خدمت ہو ، یا دفتر جماعت کی تعمیر ہر اعتبار سے حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ کا مقام پوری جماعت میں اور اعلیٰ تھا ۔ حضرت مولانا سید نورالحسن بخاری صاحب مدظلہٗ اس سلسلہ میں حضرت علامہ قریشی صاحبؒ سے اپنے تعلقات اور تحریک تنظیم اہلسنت سے وابستگی کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

حضرت علامہ دوست محمد قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میری دوستی کا سلسلہ بہت پرانا ہے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کی بات کہ میں اپنے وطن سکھانی والا ضلع ڈیرہ غازیخان میں مدرس تھا اور حضرت قریشی صاحبؒ ابھی طالبعلم تھے کہ انہوں نے مجھے اپنی بستی پیرنخ مشرقی میں وعظ کرنے کی دعوت دی ، میں ان دنوں سکول میں مدرس تھا ، دینی تعلیم تو ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم دیوبند جاکر شروع کی البتہ مطالعہ کی بناء پر دین کی کچھ معلومات تھیں اور میں دوستوں کے محدود حلقے میں کچھ بیان کر لیتا تھا ۔ حضرت قریشی صاحبؒ کی بستی میری بستی سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر تھی اور غالباً میں

نے پہلا بیان حضرت قریشی صاحبؒ کی بستی میں ان کی مسجد کے اندر کیا، اس تقریب میں حضرت قریشی صاحبؒ سے رفاقت اور دوستی کا تعلق قائم ہوا جو اُن کے آخر وقت تک قائم رہا، ہماری دوستی کی بنیاد تبلیغ دین پر استوار ہوئی اور قریشی صاحبؒ کو تبلیغ دین سے فطری لگاؤ تھا وہ سراپا تبلیغ تھے اللہ رب العزت نے انہیں علم و عمل کی گونا گوں صلاحیتوں سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا اور انہوں نے وعظ و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور اصلاح نفس کے لئے بہت بڑا کام کیا اور ہزاروں مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی، اللہ رب العزت سردار احمد خان پتافی کی قبر کو بھی ٹھنڈا اور منور رکھے وہ بہت دنوں سے ملک میں اہلِ سنت کی تنظیم و تبلیغ کی فکر میں تھے میرے دیوبند جانے سے پہلے یہ کام ڈیرہ غازیخان کی حدود تک محدود تھا میرے دارالعلوم سے فارغ ہو کر واپس آنے پر یہ کام پورے ملک میں کرنے کا فیصلہ ہؤا اور اوائل ۱۹۴۴ء میں یہ خدمت میرے سپرد کی گئی چنانچہ اپریل ۱۹۴۴ء میں امرتسر کے اندر دفتر قائم کر کے میں نے یہ کام شروع کر دیا۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں تحریک تنظیم اہلسنت کا پہلا مرکزی جلسہ لاہور میں ہؤا جس میں مشاہیر اُمت شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ، مفتیٔ ہند مولانا کفایت اللہ صاحبؒ اور امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے شرکت فرمائی، اِن حضرات اکابر کے قدموں کی برکت سے یہ تحریک تنظیم ملک میں متعارف ہوئی اور ملک کے طول و عرض میں اہل سنت کی تبلیغ و تنظیم کا کام شروع ہو گیا اِس وقت حضرت قریشی صاحبؒ ملک میں انفرادی طور پر

تبلیغ دین کا کام انجام دے رہے تھے غالباً ۱۹۴۹ء میں بھکر ضلع میانوالی میں تنظیم اہلسنت کی کانفرنس تھی بانی تنظیم سردار احمد خان صاحب بھی اس مرکزی اجلاس میں شریک تھے جس میں قریشی صاحبؒ کو بھی دعوت دی گئی تھی اور تنظیمی پلیٹ فارم پر قریشی صاحبؒ کی یہ پہلی تقریر تھی جس سے وہ تنظیمی حلقوں میں متعارف ہوئے اس کے بعد باضابطہ طور پر تنظیم میں شامل ہو گئے اور آخر دم تک تنظیم سے وابستہ رہے اور تبلیغ دین کی اشاعت میں مصروف رہے۔" [1]

بہرحال حضرت بخاری صاحب مدظلہ کی دینی و علمی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اور آپ تبلیغ دین میں مصروف ہیں۔ اس وقت محقق علماء میں شمار ہوتے ہیں اور اکابر علماء دیوبند کے مسلکِ حقہ پر قائم و دائم ہیں اپنے اکابر و اساتذہ سے بے حد تعلق رہا ہے، اپنے اُستاذ محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو بے حد تعلق تھا ایک دفعہ آپ کراچی تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے دارالعلوم میں تقریر کی دعوت دی اور خود باوجود علالت و نقاہت کے پوری تقریر میں تشریف فرما رہے، آپ کو بھی ہمیشہ حضرت مفتی اعظمؒ سے قلبی تعلق اور عقیدت رہی، اب بھی آپ حضرت مفتی اعظمؒ کے تبحر علمی کے بے حد قائل تھے اور تفہیم و انداز تدریس کے عاشق ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

آپ حضرت مفتی اعظمؒ کے انداز تدریس کے متعلق دریافت فرماتے ہیں، میں حیران ہوں کہ اس کا جواب عرض کروں، اگر آپ کر سکیں تو ۱۹۵۷ء کے دور کو

---

[1] ماہنامہ الرشید جولائی ۷۷ء

واپس لوٹا لایئے پھر دارالحدیث دارالعلوم دیوبند ہو اس
میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کا سبق
پڑھاتے علوم و معارف کے دریا بہا رہے ہوں
اور میں آپ سے عرض کروں کہ دیکھ لیجئے یہ ہے
ہمارے اکابر کا انداز تدریس"۔

اسی طرح حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا عثمانیؒ اور دوسرے اکابر سے بھی بے حد تعلق تھا اور آپ کو تصنیف و تالیف کا ذوق اور شغل اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا، چنانچہ آپ دو درجن سے زائد علمی ادبی اور تاریخی کتب کے مؤلف ہیں جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) "الاصحاب فی الکتاب" ۱۹۵۳ء میں جب آپ سیفٹی ایکٹ کے تحت پابند سلاسل کر دیئے گئے تو لاہور اور منٹگمری جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے آپ نے یہ کتاب تالیف فرمائی جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) "سیرت امام مظلوم سیدنا عثمانؓ" (۳) "شہادت امام مظلوم"

(۴) توحید اور شرک کی حقیقت (۵) "حضرت امیر معاویہؓ"

(۶) عادلانہ دفاع" (۷) نبی و صدیق

(۸) بشریت النبیؐ وغیرہ وغیرہ۔

آج کل آپ ملتان میں مقیم ہیں اور تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی

آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور پاکستان کے جیّد ترین علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے برادر حقیقی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم کے نواسۂ خاص ہیں حضرت مولانا شبیّر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حقیقی ماموں ہیں اور خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ آپ کے خاص بہنوئی ہیں۔

آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ اور اس وقت مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے مرکزی صدر ہیں۔ جس کے ناظم اعلیٰ اور روح رواں حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب ہیں۔ جو جامعہ اشرفیہ لاہور کے اُستاذِ حدیث اور مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہم کے بڑے صاحبزادے ہیں ایک بڑے عالم و فاضل ہیں اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی مدظلہم خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مجاز بعیت ہیں۔ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی قائم کردہ جماعت ہے جس کا واحد مقصد صرف اور صرف اللہ کے دین کی سر بلندی ہے اور اس کے اغراض و مقاصد میں تبلیغ دین، اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کی منظم جدّ و جہد کے لئے تمام مسلمانوں خصوصاً علماء اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے نیز نظامِ حیات کے تمام شعبوں کی قرآن و سنّت کی روشنی میں علمی وضاحت کرنا اور مسلمانوں میں ان کے عملی قیام اور مکمل نفاذ کی جدّ و جہد

کرنا شامل ہے مجلس صیانتہ المسلمین کو ۱۳۴۹ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی سرپرستی میں قائم کیا گیا تھا جس کے موسس اعلیٰ اور نگران اعلیٰ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا حافظ شاہ جلیل احمد صاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور انہوں نے ہی باقاعدہ مجلس کا بیڑا اٹھایا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شروانیؒ اور حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے پہلے لاہور میں مجلس صیانتہ المسلمین کا کام شروع کیا پھر پورے پاکستان میں اس کی شاخیں قائم کر دی گئیں، مجلس کے سرپرستوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی عارفی، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی جیسے اکابر علماء و بزرگان دین شامل ہیں۔ اس وقت مجلس صیانتہ المسلمین پاکستان کے صدر حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی۔ نائب صدر حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب ہیں، کراچی سے پشاور تک کے بڑے بڑے دینی مدارس کے ارباب علم و تقویٰ اس مجلس سے وابستہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا محمد شریف جالندھری مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا، حضرت مولانا سلیم اللہ خان مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، حضرت مولانا حسن جان صاحب مہتمم دارالعلوم مردان، حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب پشاور، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی اور حضرت مولانا محمد اسعد

تھانوی جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں، الحمدللہ مجلس صیانۃ المسلمین ملک کے گوشہ گوشہ میں دینی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہی ہے، مجلس کا مرکزی دفتر جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ہے۔ غرضیکہ حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہم کی سربراہی میں حضرت حکیم الامت ؒ کا یہ مقدس مشن زندہ و تابندہ ہے۔ حضرت مولانا موصوف مدظلہ، حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شروانی صاحب ؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور ایک جید ترین عالم، محقق، مدبر، مصنف اور عارفِ کامل ہیں، حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ کے مسلک و مشرب پر سختی سے قائم ہیں۔

اخلاق و عادات میں سلف صالحین کی زندہ یادگار ہیں، نہایت متواضع، منکسر المزاج اور لطیف الروح ہیں، عبدیت و فنایت میں اعلیٰ مقام حاصل ہے اور تواضع و خاکساری کا یہ عالم ہے کہ احقر راقم نے آپ سے ان کے حالات و خدمات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی بارہا کوشش کی مگر آپ نے یہی جواب تحریر فرمایا کہ:-

"اکابر علماء دیوبند" کی تو بہت بڑی شان ہے یہ عاجز تو "اصاغر علماء" کی جوتیاں سیدھی کرنے کے بھی قابل نہیں اس لئے اکابر علماء کے ذکر میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ جس کی زندگی سراسر جہالت و نادانی اور بے عملی کا انبار ہے گویا مخمل میں ناپاک قسم کے ٹاٹ کا پیوند لگانے کے مترادف ہے، آپ ہرگز ہرگز اس احقر کا نام اس کتاب میں نہ رکھیے"۔

اللہ اکبر! حضرت مولانا کا کتنا بلند مقام ہے اور مقامِ عبدیت میں کتنا بلند درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کی شانِ تواضع ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حیاتِ طیبہ میں برکت عطا فرمائیں۔ اور ہمیں آپ کی قیادت میں دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

★

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب

آپ ۱۹۰۹ء کو جناب فیروز خان صاحب کے گھر "دریہ" متصل حضرو ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب دیندار اور گاؤں کے نمبردار تھے قومیت کے لحاظ سے "اعوان" ہیں۔ حضرو ہائی سکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا پھر دینی طلباء کو دیکھ کر علوم دینیہ کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، پہلا تعلیمی سفر جچھ ضلع راولپنڈی کے لئے کیا، وہاں حضرت مولانا سیف الرحمن پشاوری کے شاگرد مولانا احمد دین صاحب سے ابتدائی فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں پھر "شاہ محمد" ہری پور ہزارہ میں مولانا سکندر علی صاحب اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد اسماعیل صاحب ساکن کوکل، ہزارہ سے مختلف کتب کا درس لیا، فنون کی کتابیں مولانا عبداللہ بھچوار اور مولانا محمد دین صاحب سے پڑھیں، پھر انہی ضلع گجرات کے مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے داماد مولانا ولی اللہ صاحب سے معقولات کی آخری کتابیں پڑھیں، مشکوٰۃ، جلالین، بیضاوی اور ترجمہ قرآن بھی یہیں پڑھا، بعد از ان حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ساکن "واں بھچراں" ضلع میانوالی کی خدمت میں پہنچے، ان سے تفسیر قرآن کا درس لیا اور انہی کے ارشاد پر دار العلوم دیوبند کے لئے رخت سفر باندھا، امتحان داخلہ حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی نے لیا۔ وہاں زیادہ تر علم ادب کی کتابیں پڑھیں۔ پھر ڈابھیل پہنچے اور وہاں ۱۹۳۲ء میں دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، پھر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ارشاد پر آپ وہاں ایک سال بطور معین مدرس پڑھاتے رہے، اسی دوران اپنے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے ارشاد

پر واپس آ گئے اور مدرسہ " برکات الاسلام " وزیر آباد میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک معقولات و منقولات کی تدریس کرتے رہے ، پھر شیخ عبدالغنی صاحب آپ، کو ۱۹۳۹ء میں وزیر آباد سے راولپنڈی لے آئے ۔ یہاں پانچ سات ماہ تک ہائی سکول میں کام کیا ، اسی دوران لوگوں کی استدعا پر پرانے قلعہ کی مسجد میں مشروط خطابت قبول کی کہ تنخواہ نہیں لوں گا ۔ سکول چھوڑ کر مسجد میں درس شروع کر دیا اور مختلف جگہ تقاریر کے علاوہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا ، پہلی مرتبہ جب دورۂ تفسیر شروع کیا تو کل نو طالب علم تھے پھر رفتہ رفتہ حلقہ بڑھتا گیا ۔ اور اب تک کئی ہزار طلباء آپ سے پڑھ چکے ہیں ، کوئی ۲۵ سال پہلے دارالعلوم " تعلیم القرآن " کی بنیاد رکھی جو آج پاکستان کے ممتاز دارالعلوم میں شمار ہے ،

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انہی کے تعلیم فرمودہ وظائف پر کاربند ہیں ۔ آپ مسئلہ توحید کھول کر بیان کرنے میں خصوصیت رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں طرح طرح کی مخالفتوں اور مصیبتوں کا شکار ہوئے مگر پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی ، آپ ایک نامور جید عالم ، محقق اور مفسر ہیں ، " تفسیر جواہر القرآن " کے نام سے ایک تفسیر لکھی اور کئی رسالے بھی تالیف فرمائے جو مقبول عام ہیں ، اسوقت آپ جمعیت اشاعت توحید و سنت پاکستان کے ناظم اعلیٰ ہیں جس کے صدر حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب ہیں جو پاکستان کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں ایک جید ترین عالم دین اور شیخ طریقت ہیں ، ۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ، اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے خاص دست راست رہے اور اسلامی نظام کی جدوجہد کرتے رہے اور مرکزی جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے امیر کی حیثیت سے سوشلزم و کمیونزم تحریکات کے خلاف ان حضرات کے ساتھ مل کر کلمۂ حق بلند کرتے رہے ۔ بڑے قابل قدر بزرگ ہیں اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خاص معاصرین میں سے ہیں ۔ آج کل گجرات شہر میں قیام پذیر ہیں ۔ اور تبلیغی و اصلاحی خدمات میں مصروف ہیں ۔

حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی

آپ ماہِ محرم بروز جمعہ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء کو "درخواست" تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان میں جناب مولوی حافظ محمود صاحب کے گھر پیدا ہوئے، قرآن مجید ۱۱ سال کی عمر میں اپنے والد صاحبؒ سے حفظ کیا، عربی، فارسی کی تعلیم آپ نے مولانا عبد الغفور حاجی پوریؒ اور مولانا محمد صدیق حاجی پوریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ سے حاصل کی۔ پھر ۱۸ سال کی عمر میں دورۂ حدیث بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ ہی سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، فراعتِ علوم کے بعد اپنے والد کے پیر و مرشد حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ کی خدمت میں پہنچے، ان سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کرتے رہے آخر حضرت دین پوریؒ نے اپنی دستار آپ کے سر پر رکھ دی اور قرآن وحدیث کی تدریس واشاعت کا کام سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے گاؤں "درخواست" میں عربی مدرسہ "مخزن العلوم" قائم کر کے تدریس کا آغاز کیا۔ اور پندرہ سال تک پڑھاتے رہے پھر پوسان میں ۵ سال یہ مدرسہ رہا، بعد ازاں ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں شاہی مسجد عید گاہ خانپور میں یہ مدرسہ منتقل ہوا، اور اب تک نہایت کامیابی سے تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، دورۂ حدیث کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے طرز پر آپ ہر سال ماہ شعبان و رمضان میں دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں، آپ کے ہزاروں تلامذہ ملک و بیرون ملک میں علمی و تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کل جمعیت علماء اسلام کے سربراہ بھی ہیں اور متبع سنت اور صاحب نسبت بزرگ ہیں کافی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں، درس و تدریس کے علاوہ کئی رسالے بھی لکھے ہیں جن میں "مقدمۃ القرآن" کے علاوہ کئی تقریریں شائع ہوئی ہیں، آپ کی اولاد میں مولانا فداء الرحمٰن درخواستی اور مولانا مطیع الرحمٰن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

آپ ۱۹۱۴ء کو جناب نور احمد خان بن گل احمد خان کے گھر تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے، قومیت کے لحاظ سواتی پٹھان ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا بعد ازاں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ کے صدر مدرس مولانا عبد القدیر صاحب سے پڑھتے رہے، اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنے چھوٹے بھائی مولانا صوفی عبد الحمید صاحب کے ہمراہ دار العلوم دیوبند پہنچے اور ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شامل ہیں۔

فراغت کے بعد چوہدری فخر الدین اور ماسٹر کرم دین کی دعوت پر گکھڑ گوجرانوالہ تشریف لائے اور جامع مسجد کی خطابت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا، اس دوران ہمیشہ بیس پچیس طلباء آپ سے پڑھتے رہے، ۱۳۷۴ھ کو نصرت العلوم گوجرانوالہ میں آپ کا تقرر ہوا، اور اب کئی سال سے دورہ حدیث پڑھا رہے ہیں۔

۱۹۴۳ء سے آپ گورنمنٹ ٹریننگ سکول گکھڑ میں درس قرآن دیتے ہیں، ۱۹۶۹ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت بخشی، درس و وعظ کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ملک کے بہت سے جلسوں میں وعظ فرما چکے ہیں، تدریسی و تبلیغی خدمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور بہت سی تالیفات آپ کے قلم سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

جن میں "احسن الکلام" "راہ سنت" "علم غیب" صرف ایک اسلام چراغ کی روشنی میں "گلدستۂ توحید" راہِ ہدایت" "آنکھوں کی ٹھنڈک" "مسئلہ قربانی" "آئینہ محمدی" "مقام حضرت امام ابوحنیفہ رح" "باب جنت" "دل کا سرور" "تبلیغ اسلام" "انکارِ حدیث کے نتائج" "عیسائیت کا پس منظر" "بانی دار العلوم دیوبند" تحقیق الدعا بعد نماز جنازہ" چالیس دعائیں" مرزائی کا جنازہ" اور مسلمان" "درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ" "نماز مسنون مع اذکار وادعیہ" "الکلام الحاوی علی الطحاوی" "شوقِ حدیث" "مسئلہ طلاق ثلاثہ" "مسئلہ حیات النبی ﷺ" "عباراتِ اکابر" اور طائفہ منصورہ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں.

آپ کے صاحبزادوں میں بڑے صاحبزادے مولانا زاہد الراشدی ہیں جنہوں نے "احسن الکلام" کا خلاصہ "طیب الکلام" کے نام سے کیا ہے۔

بہرحال آپ ایک جید عالم، محقق، محدث اور مایۂ ناز مصنف ہیں اور ممتاز علماء دیوبند میں سے ہیں۔ اللہ تعالےٰ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔"

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب

آپ ہندوستان کے صوبہ یو پی کے ضلع پرتاب گڑھ کے ایک قصبہ اٹھیہہ میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم سکول میں حاصل کی پھر ابتدائی دینی تعلیم مولانا قاری محمد صدیق صاحبؒ سے حاصل کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ یو پی میں داخلہ لیا، جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا قائم کردہ مدرسہ تھا، وہاں مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب فاضل دیوبند سے پڑھی جو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے صاحبزادے تھے اور مدرسہ بیت العلوم میں استاذ حدیث تھے، مسلم شریف حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جونپوریؒ سے پڑھی جو حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ کے شاگرد تھے اور مولانا ماجد علی صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے شاگرد تھے اور بخاری شریف حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، زمانہ تعلیم ہی سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک وعظ "راحت القلوب" آپ کے ہاتھ لگا اس کے مطالعہ نے بقول خود آپ کے صحیح دین کی راہ دکھادی اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے آپ نے بیعت ہونے کے لئے سلسلہٗ مکاتبت شروع کر دیا مگر افسوس یہ کہ حضرت حکیم الامتؒ ان دنوں علیل تھے اور زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ نے آپ کو لکھا کہ خلفاء میں سے کسی مصلح کا انتخاب کر لیا جاوے، چنانچہ آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور پھر حضرت پھولپوریؒ کے آخری لمحۂ حیات تک خادم خاص رہے اور فیض

علمی و روحانی سے خوب خوب مالا مال ہوئے، حضرت پھولپوریؒ نے آخر وقت میں ارشاد فرمایا کہ

"اختر! میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم مجھے اللہ کے سپرد کر دو۔"

حضرت پھولپوری قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہم سے تعلق قائم کیا، خلافت سے نوازے گئے، ان دونوں بزرگوں کی صحبت و عنایت نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور آج خود بھی ایک کامل شیخ کا مقام حاصل کئے ہوئے ہیں۔

آپ کے بارے میں مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب فاضل دیوبند فرماتے ہیں کہ "

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ بڑی خوبیوں اور کمالات کے بزرگ ہیں، ایک عرصہ ہوا ترکِ ہند کر کے پاکستان (کراچی) کی اقامت انھوں نے اختیار فرمائی ہے پہلے اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے قائم فرمایا، ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی طرف رجوع ہوئے اِس کے کچھ ہی دنوں بعد بارگاہِ ابراری سے سندِ خلافت عطا ہوئی، معارف مثنوی، معارف شمس تبریز، دنیا کی حقیقت، مجالس ابرار، حضرت حکیم صاحب مدظلہٗ کی گرانقدر تالیفات ہیں، جو علمی اور دینی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں اور شوق کے ہاتھوں لی گئی ہیں، اپنے مرشد اول کی کتاب معرفت الٰہیہ کے مرتب بھی حضرت موصوف ہی ہیں، حضرت حکیم صاحب کا نام سُن رکھا تھا کتابیں بھی ان کی مطالعہ میں آئی تھیں، دید کی حسرت دل میں تھی جو اب پوری ہوئی، وعظ کی مجلسوں میں بھی شرکت کی سعادت نصیب میں آئی، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ "دید" نے شنید سے بڑھ

کر پایا اور اس کا اندازہ ہوا کہ "اختر" (ستارہ) آسمان ہی پر نہیں زمین پر بھی ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے اپنے اس مصرعہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

کچھ زمین پہ بھی چاند تارے ہیں

حضرت حکیم صاحب کی مجلس بڑی پُرکیف اور معلومات افزا ہوتی ہے جس میں کہیں سے کسی تصنّع اور تکلّف کا احساس نہیں ہوتا یہ عام واعظوں کی طرح اپنے سامعین کو اُن کے خیالات کی وادی میں بھٹکتا ہُوا چھوڑ کر خود بڑھتے ہوئے نہیں چلے جاتے ہیں بلکہ شروع سے آخر تک اپنی دلرُبا مسکراہٹ اور مؤثر واقعات دلوں کو چھو لینے والے اشعار اور قرآن و حدیث کی دلنشیں تشریح و توضیح کے ساتھ انہیں اپنا شریکِ سفر بنائے رکھتے ہیں یہ اپنی مجلس میں مولانا رُوم کے باغ مثنوی کی سیر جی بھر کر کراتے ہیں جس سے دل کو تازگی اور رُوح کو بالیدگی ملتی ہے اور غفلت دُور ہوکر حضوری کی کیفیت ہوتی ہے"۔ (مذاکراتِ دکن)

بہرحال حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم ایک عالم باعمل، مایۂ ناز مصنّف، بہترین محقق اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، ایک اچھے شاعر، مدبر، صاحبِ علم، صاحبِ قلم اور صاحبِ دل ہیں، آپ کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے اور اپنے اخلاق و عادات میں اسلاف کی یادگار ہیں۔ جہاں آپ نے ہزاروں لوگوں کو اپنے وعظوں اور تقریروں سے سیراب و شاداب کیا وہاں آپکی تصنیفات نے بھی بڑا کام کیا آپکی تصانیف میں "معارف مثنوی" "معارف شمس تبریز" "دنیا کی حقیقت" "رُوح کی بیماریاں" "اصلاح نفس کا آسان نسخہ" "صدائے غیب" "نوائے غیب" "مجالس ابرار اور مذاکرات دکن" وغیرہ تالیفات ہند و پاک اور عرب و عجم میں مشہور و معروف ہیں اور جن پر شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مفتیؒ

اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی جیسے اکابر علماء نے اپنی گرانقدر تقاریظ ثبت کی ہیں ذیل میں صرف دو حضرات اکابر کی آراء گرامی درج کی جاتی ہیں۔ جن سے حضرت حکیم صاحب مدظلہ، کے مقام علمی و روحانی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ، فرماتے ہیں کہ:۔

"عنایت فرمائے۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحب سلمہ، کی دو کتابیں معارف مثنوی اور دنیا کی حقیقت پہنچ کر موجب منّت ہوئیں، اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کا تعلق اولاً حضرت مولانا پھولپوریؒ اور آخراً مولانا ابرارالحق صاحب سے ہے اللہ تعالیٰ دونوں کے فیوضات و برکات سے مالا مال فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس ہدیہ سنیّہ کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ یہ دونوں کتابیں سُن بھی لیں، مضامین ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں دل پر اثر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی مساعی کو قبول فرمائے، اور صدقۂ جاریہ بنائے، ذریعہ آخرت بنائے اور اپنے وقت پر حُسنِ خاتمہ کی دولت سے نوازے۔ آمین"

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ:۔

"برادر محترم جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تالیفِ لطیف

متارف مثنوی پڑھ کر موصوف سے اتنی عقیدت ہوئی جس کا مجھے تصور بھی نہ ہو سکتا تھا، فارسی اردو میں قدرت شعر، حسن ذوق، پاکیزگیٔ خیالات، دردِ دل کا بہترین مرقع ہے ۔اب موصوف نے دیوان شمس تبریز جو عارف رومی متکلم کے شیخ ہیں۔ ان کے حقائق و معارف کا انتخاب و تشریح و بیان لکھ کر اپنے حسن ذوق، لطافت طبع اور سلامتِ فکر کا ایک اور شاہد عدل پیش کیا ۔ اللہ تعالےٰ ارباب ذوق کو ان کے شگفتہ تالیفات و انتخابات سے مزید مستفید فرمائے۔

(آمین)

(نوٹ) حضرت حکیم صاحب مدظلہ کے مفصل حالات اور ان کی تالیفات پر اکابر علماء کی آراء گرامی دیکھنے کے لئے مذکرات دکن" اور "ترجمۃ المصنف" ملاحظہ فرمایئے ۔

کسی انسان کی حق تلفی کا تدارک پوری زندگی کی عبادتوں سے بھی ممکن نہیں ہے پارسائی کے اس اعلیٰ معیار کی بنا پر اسلام کا یہ مشہور ضابطہ ہے کہ حقوق اللہ سے حقوق العباد مقدم اور زیادہ اہم ہیں ۔ اللہ کی مخلوق اللہ کو ایسی پیاری ہے جیسے باپ کی نظر میں اولاد پیاری ہوتی ہے ۔

پس اللہ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے ۔ جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے"

(حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی ؒ)

حضرت مولانا مفتی محمودؒ صاحب

آپ ۱۹۰۹ء کو موضع "عبدالخیل" علاقہ پنیالہ، ڈیرہ اسمٰعیل خان میں جناب مولانا محمدؐ صدیق صاحبؒ نقشبندی کے گھر پیدا ہوئے، پنیالہ ہائی سکول میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی، ساتھ ہی اپنے والد صاحبؒ سے استفادہ کرتے رہے، اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں مُراد آباد، دہلی، اور دیگر دینی مدارس میں پڑھنے کے بعد ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں تمام علوم وفنون سے سندِ فراغت تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد وطن واپس آئے۔ اور اپنے گاؤں میں چار سال تک تدریس کی خدمت انجام دی پھر "عیسیٰ خیل" ضلع میانوالی میں تین سال تک تدریس کی، ۱۳۷۰ھ میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس ہو کر آ گئے جہاں رفتہ رفتہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، اس عرصۂ تدریس میں افتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد رہی اور اس عرصہ میں ہزاروں فتوے آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں جن کا مکمل ریکارڈ ہے جو آپ کی فقہی مہارت کا واضح ثبوت ہے۔

آپ نے ملکی سیاسیات میں بہت زیادہ حصہ لیا ہے آپ پہلے جمعیت علماءِ ہند کی مرکزی کونسل کے ممبر بنے پھر تقسیم کے بعد ملتان میں ایک نئی تنظیم جمعیت اسلام کے نام سے قائم کی جس کے ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی مقرر ہوئے۔ اس کے جنرل سیکرٹری آپ منتخب ہوئے یہ تنظیم اصل جمعیت علماء اسلام جو تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل تھی اُس سے علیحدہ قائم کی گئی تھی، اب وہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نام سے مشہور ہے جس کے قائدین میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمدؐ شفیع صاحب، حضرت

مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق شامل ہیں۔

بہر حال حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی جمعیت کے امیر اعلیٰ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی رح منتخب ہوئے بعد میں حضرت مفتی صاحب بھی اس کے مرکزی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں نمایاں حصہ لینے پر آپ ایک سال ملتان جیل میں رہے، ۱۹۶۲ء میں ایوبی آئین کے تحت بنیادی جمہوریتوں کے ذریعے جب پہلے انتخابات ہوئے۔ تو آپ نے ان میں انفرادی حیثیت سے حصہ لیا۔ اور اپنے تمام مخالف امیدواروں کی ضمانتیں ضبط کراتے ہوئے نمایاں کامیابی حاصل کی اور "حزب اختلاف" کا کردار ادا کیا، ۱۹۶۵ء کے انتخابات میں آپ کو اس کی سزا ملی، ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اسی حلقہ سے ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلہ میں دس ہزار ووٹ زائد حاصل کئے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے اور چند ماہ کے بعد احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔ اس عرصے میں آپ نے کئی مثالی کام کئے، اس کے علاوہ وفاق المدارس کے آپ ناظم اعلیٰ ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والد صاحب سے خلافت حاصل کی ہے اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری نے بھی چاروں سلسلوں میں آپ کو خلافت عطا کی ہے آپ ایک جید عالم زبردست فقیہ عظیم خطیب اور بہترین شیخ ہیں، کئی بار حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں ۱۹۷۴ء میں مجلس عمل کے نائب صدر منتخب ہوئے اور اسی سال تحریک ختم نبوت میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دلانے میں نمایاں خدمات انجام دیں، آپ اس وقت "ترجمان اسلام" کے رئیس التحریر اور سرپرست ہیں اور جمعیت علماء اسلام کے قائد بھی ہیں، ایک بلند پایہ سیاستدان اور اسلام کے بیباک ترجمان ہیں۔ اور قوم و ملک کی خدمت میں مصروف ہیں،

حضرت مولانا محمد شریف جالندھری

آپ اُستاذ العلماء والفضلاء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اس وقت آپ کا شمار پاکستان کے ممتاز علماء دین میں ہوتا ہے، آپ ۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنی ایک یادداشت میں آپ کے یہ تاریخی نام تحریر فرمائے ہیں۔ "مرغوب حلیم"، "ظہیر قانع"، "خیر اً شکوراً"، منظور الکل وغیرہ۔

آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ خیر المدارس جالندھر میں پائی، اس کے علاوہ رائے پور گوجراں میں بھی چند ابتدائی فارسی کتب پڑھیں، قرآن پاک بھی خیر المدارس جالندھر (بھارت) میں مکمل کیں پھر شوال المکرم ۱۳۶۰ھ میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث شریف کیا اور ۱۳۶۱ھ میں سند الفراغ حاصل کی، آپ کے دار العلوم دیوبند کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، جامع المعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ جیسے اکابر اور نادرۂ روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

آپ بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے سلسلۂ روحانی میں داخل ہیں آپ نے اپنی اصلاح و تربیت کا تعلق اپنے والد محترم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے ایماء اور اجازت سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت

تھانوی مہتمم دار العلوم دیوبند سے قائم فرمایا۔ وصال سے دو سال قبل ۱۳۸۸ھ میں خود حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے بھی آپ کو دست بدست بیعت کی سعادتِ عظمیٰ سے مشرف فرمایا پھر اُن کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے آپ کو اجازت بیعت و تلقین بھی عطا فرمادی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

آپ کا تدریسی تجربہ تقریباً چالیس برس کے لگ بھگ ہے اور فراغتِ تعلیم کے بعد سے ہی درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں مصروف ہیں اس کے ساتھ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی حیات ہی میں آپ کو مدرسہ خیر المدارس ملتان کا نائب بنا دیا گیا تھا اور حضرت کے وصال سے آٹھ سال پہلے سے ہی خیر المدارس کا اہتمام حضرت قدس سرہٗ کی زیر نگرانی آپ ہی انجام دیتے تھے اور باقاعدہ نائب مہتمم کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ پھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے وصال کے بعد خیر المدارس جیسے عظیم ترین دینی درسگاہ کے اہتمام کی مکمل ذمہ داری آپ ہی پر پڑی اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ اسے احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں، آپ کے زمانہ اہتمام میں مدرسہ خیر المدارس نے تعلیمی ترقی اور تعمیری ترقی خوب کی ہے۔ متعدد کمروں کا اضافہ بھی ہوا ہے اور تعلیمی معیار میں بھی روز افزوں ترقی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں چند مشاہیر علماء کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ جن سے حضرت مولانا موصوف کے دورِ اہتمام میں مدرسہ نے جو ترقی کی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی بانی و مہتمم دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار خطیب جامع مسجد جیکب لائن کراچی جو مدرسہ عربیہ خیر المدارس کی مجلسِ شوریٰ کے رُکن و صدر نشین رہ چکے ہیں اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے خاص خاص احباب اور مستفیدین میں سے تھے۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مدظلہ کے دورِ اہتمام میں مدرسہ کا معائنہ کر کے فرماتے ہیں:۔ کہ

"حسبِ معمول مدرسہ خیر المدارس کی انتظامی اور تعلیمی کارکردگی کو

دیکھنے کا موقع ملا، حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور اہتمام سے ادارہ کی محرومی ایک ایسا علمی اور روحانی نقصانِ عظیم ہے۔ جس کی تلافی کسی طرح نہیں ہوسکتی مگر مولانا محمد شریف جالندھری مہتمم مدرسہ اور مولانا محمد شریف صاحب کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ ہذا کے نظم و انصرام اور تدریسی جدوجہد بلکہ اساتذہ و عملہ کے کاموں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی فرق ہی نہیں پیدا ہوا، مدرسہ خیرالمدارس بالکل اسی نہج پر چل رہا ہے۔ جس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ اور سمجھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض ہے کہ مدرسہ کی تعلیم اور انتظام میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، اہلِ ثروت سے بالعموم اور خیرالمدارس کے معاونین سے بالخصوص میری گزارش ہے کہ وہ اپنی مالی سرپرستی اسی طرح قائم رکھیں جس طرح حضرت بانئ مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تھی، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلاف و اکابر کی اِس یادگار کی حفاظت کرے گا اور مسلمانوں کو اِس سے ہمیشہ ہمیشہ روحانی فیض پہنچتا رہے گا۔" فقط:۔ احتشام الحق تھانوی نزیلِ ملتان ۱۹ رشعبان ۱۳۹۳ھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

خیرالمدارس کے کوائف و احوال معلوم کر کے اسلامی علوم و فنون کے اِس مرکز کی دل میں بے حد قدر ہوئی نہ صرف یہ کہ خیرالمدارس ہی کے احاطہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری ہے بلکہ خیرالمدارس کی شہر میں قائم کردہ شاخیں تعلیم قرآن کریم کی بہت

بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ یہ سب کچھ بانی خیرالمدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص حسن اور حُسن انتظام کا نتیجہ ہے، دعا ہے کہ خداوند کریم اِس عظیم درسگاہ کو دین کی خدمت کے لئے قائم و دائم رکھے اور ترقیات سے نوازے۔"

محقق العصر حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل بی فرماتے ہیں کہ:۔

یہ دیکھ کر بے حد مسرور و اطمینان نصیب ہُوا کہ الحمدللہ مدرسہ خیرالمدارس حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مدظلہم کے زیرِ اہتمام حسن و خوبی کے ساتھ چل رہا ہے اور اپنی سابقہ روایاتِ تعلیمی کا محافظ امین ہے۔"

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو آپ کے شیخ و مربی بھی ہیں۔ اُن کی رائے عالی درج کی جاتی ہے۔ جو اِس امر کی عظیم شہادت ہے، فرماتے ہیں:۔ کہ

آج بتاریخ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں حاضری ہوئی، مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت تھی ضمناً مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ بھی رکھا گیا جس میں طلباء کی ایک کثیر تعداد کی دستار بندی ہوئی، خوشی اِس بات کی ہے کہ بانیٔ مدرسہ حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے اخلافِ رشید نے اِس علمی کارخانہ کو اسی آب و تاب کے ساتھ قائم رکھا بلکہ ترقی دی، مولانا محمد شریف صاحب خلف الرشید حضرت مولانا مرحوم کی سیادت میں بھی مدرسہ بدستور ترقی پذیر ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو قائم و دائم رکھے۔ آمین:

محمد طیب رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند ۲۴ ۵/۹۸ ھ

بہرحال آپ خیر المدارس کے مہتمم اعلیٰ ہیں اور مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے آپ جامع مسجد خیر المدارس میں خطبۂ جمعہ خود بیان فرماتے ہیں اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے ذمہ تھی، ایک ڈیڑھ گھنٹہ وعظ و نصیحت بڑے سادہ انداز میں بیان فرماتے ہیں الفاظ اتنے سادہ اور سلیس ہوتے ہیں جو دل پر اثر کرتے چلے جاتے ہیں اس کے ساتھ علمی دلائل بھی بیان فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا مدظلہم جہاں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے پودے (خیر المدارس) کی آبیاری فرما رہے ہیں وہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاح و تربیت کی جانشینی کا حق بھی ادا فرماتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ کی حیات طیبہ کے زمانے کی طرح اب بھی حضرت مولانا موصوف کی زیر نگرانی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات پڑھ کر سننے اور مجلس کرنے کا سلسلہ بھی باقی رکھا ہے۔

اے خدا ایں سلسلہ قائم بدار!
فیض او جاری بود لیل و نہار

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا موصوف مدظلہم کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کا حقیقی جانشین بنا دیں اور ان کی عمر میں خیر و برکت عطا فرمائیں آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

آپ کا وطن بلند شہر صوبہ یوپی تھا۔ آپ صوفی محمد صدیق صاحبؒ کے گھر پیدا ہوئے جو نیک بزرگ تھے۔ آپ نے مولانا محمد صادق صاحب پنجابی ثم سنبھالی سے قرآن مجید حفظ کر کے موصوف سے ہی فارسی اور صرف نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں داخلہ لے کر دو سال میں یہ کتب پڑھیں۔ شرح وقایہ، قدوری، کنز الدقائق اصول الشاشی، شرح تہذیب، نور الانوار، نفحۃ الیمن، شرح جامی وغیرہ۔

پھر شوال ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ اور مولانا فیض الدین بلخیؒ سے مختصر المعانی، سراجی وغیرہ پڑھیں اور دیگر مدرسین کے پاس یہ کتابیں پڑھیں۔ ہدایہ اوّلین، حسامی، مسلم العلوم، شرح عقائد، مقامات یہاں سے پڑھ کر مدرسہ مظاہر العلومؒ میں چلے آئے۔ اور ہدایہ ثالث، دیوان متنبی، حماسہ، توضیح اور ملا حسن سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ مظاہر العلومؒ میں داخلہ شوال ۱۳۶۰ھ فراغت ۱۳۶۳ھ۔

بخاری شریف جلد اوّل حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے اور جلد دوم حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ کے پاس مسلم شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے ترمذی، شمائل ترمذی، طحاوی شریف حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ سے نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک و امام محمد مولانا منظور احمد خان صاحبؒ سے پڑھیں، فراغت کے بعد مدرسہ آشا روڑی (قائم کردہ مولانا ولی محمد ٹبالوی) اور پھر مدرسہ اسلامیہ

کنھور ضلع میرٹھ میں سال بھر سے زیادہ قیام کے بعد مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ میں ایک سال تک پڑھایا۔ اس کے بعد ۱۳۷۳ھ میں کلکتہ چلے آئے۔ اور ۱۳۸۱ھ تک یہیں قیام فرمایا۔ یہاں متعدد مدارس میں پڑھایا۔ کئی جدید مدرسے قائم کئے۔ شوال ۱۳۸۱ھ میں حج کے لئے گئے۔ اور فارغ ہو کر حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کے حکم پر مدرسہ حیات العلوم میں آگئے۔ اور مدرسہ میں نائب ناظم کے عہدہ پر رہتے ہوئے، یہ کتب زیر درس رہیں، بیضاوی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف طحاوی شریف، موطاء امام مالک، موطا امام محمد وغیرہ۔

رمضان ۱۳۸۴ھ میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرمان پر دار العلوم کراچی چلے گئے۔ اور تفسیر و حدیث کے اسباق کے ساتھ دار الافتاء کی خدمات بھی آپ کو سونپی گئیں، یہاں آپ نے ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی سے سیراب و شاداب کیا اور پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ جہاں ابھی تک آپ کا فیض علمی و روحانی جاری و ساری ہے۔ آپ نے درس و تدریس اور افتاء کی خدمت کے علاوہ بہت سی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ جو مختلف موضوعات پر اصلاحی و علمی انداز سے لکھی گئی ہیں۔ ذیل میں آپ کی تصانیف کے اسماء لکھے جاتے ہیں۔

(۱) مجانی الآثار من شرح معانی الآثار عربی (۲) تبهیج الرادمی تخریج احادیث الطحاوی عربی۔

(۳) زاد الطالبین من کلام رسول رب العلمین عربی۔

(۴) الفوائد السنیہ فی شرح الاربعین النوویہ۔ (۵) تفسیر سورۃ فاتحہ۔

(۶) التحفۃ المرضیہ شرح مقدمۃ الجزریہ۔ (۷) حضرت ابوذر غفاری رضؓ۔

(۸) حضرت سلمان فارسی رضؓ (۹) حضرت معاذ بن جبل رضؓ۔

(۱۰) حضرت ابوالدرداء رضؓ (۱۱) حضرت بلال حبشی رضؓ

(۱۲) حضرت ابن ام کلثوم رضؓ (۱۳) حضرت ابوہریرہ رضؓ

(۱۴) امّت مسلمہ کی مائیں (۱۵) رسول اللہ کی صاحبزادیاں

(۱۶) صحابہ کرام کی جانبازی (۱۷) تذکرہ اصحاب صفہ (۱۸) پچاس قصّے (۱۹) چھ باتیں

(۲۰) مسنون دعائیں - (۲۱) خدا کا ذکر (۲۲) اکرام المسلمین (۲۳) اخلاص نیّت

(۲۴) شرعی پردہ (۲۵) فضائل علمی (۲۶) مصیبتوں کے اسباب اور ان کا علاج -

(۲۷) اخلاقی چہل حدیث (۲۸) اصلاحی چہل حدیث (۲۹) گلشن حدیث -

(۳۰) اوصاف مومن (۳۱) کسب حلال اور ادائے حقوق (۳۲) نصائح رسول -

(۳۳) مرنے کے بعد کیا ہوگا - (۳۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نصیحتیں -

(۳۵) فضائل امّت محمدیہ (۳۶) فضائل درود شریف - (۳۷) آئینۂ نماز

(۳۸) بچوں کے لئے آسان نماز (۳۹) تحفۂ خواتین - (۴۰) مسلم خواتین کے لئے بیس سبق

(۴۱) وصایا امام اعظم - (۴۲) شاہ ولی اللہ کی خوابی چہل حدیث - (۴۳) جانوروں کے حقوق

(۴۴) خواتین اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں - (۴۵) اسلامی نام -

(۴۶) چھ باتیں - (۴۷) عربی کا آسان قاعدہ (۴۸) القادیانہ ماہی وغیرہ -

حضرت مولانا مفتی عبداللہ ملتانی

آپ کا آبائی وطن ڈیرہ غازیخان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے برصغیر کی عظیم دینی و علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور وہاں اپنے وقت کے جید علماء سے استفادہ کے بعد سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے ممتاز اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ اور دوسرے اکابر علماء شامل ہیں۔ فراغت کے بعد تقسیم ملک تک مراد آباد (بھارت) ہی میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں ۱۹۴۶ء مطابق ۱۳۶۵ھ سے جامعہ خیرالمدارس اور مدرسہ قاسم العلوم سے اپنا تعلق قائم کیا۔ اور حسبۃً للہ بلا معاوضہ درس و حدیث کا آغاز فرمایا۔ جو ان کی وفات سے چند سال پیشتر تک حالات کے تغیر و تبدل، گردش لیل و نہار اور عوارض و موانع کے باوصف کسی انقطاع یا تعطل کے بغیر قائم رہا۔ حدیث کی درس و تدریس کے ساتھ فقہ کے جزئیات پر ان کی وسعتِ نظر بدرجۂ اتم تھی فتاویٰ کے جوابات آپ کے تبحر علمی، تعمقِ نظر اور فقہ میں اُن کی نگاہِ و درس کا شاہکار ہوتے تھے۔

آپ نے تقریباً ۳۲ برس تک اس خدمت کو انجام دیا۔ ایسے متقی اور محتاط فقیہ و محدث اب دُور دُور تک نظر نہیں آتے، بانی جامعہ خیرالمدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ آپ کے کمال علم و عمل بے نفسی و للّٰہیت، ذاتی اخلاق تواضع و انکسار دینی و علمی مناقب اور دین کی راہ میں اُن کے مجاہدانہ اخلاص کی بنا پر

اِن کے ساتھ امتیازی احترام وسلوک فرماتے ۔قیام پاکستان کے بعد تقریباً پورا عرصہ التزام رہا کہ جامعہ خیر المدارس میں نمازِ عیدین کے لئے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ آپ ہی کا انتخاب فرماتے، آپ کے بارے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے یہاں تک سُنا گیا کہ جس شخص نے جنتی آدمی کی زیارت کرنی ہو۔ وہ مفتی عبداللہ صاحب کو دیکھ لے"

جن حضرات کو خیر المدارس میں تعلیم و تعلّم کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ حضرت مولانا جالندھریؒ کے منفردانہ حُسنِ اہتمام، مخصوص قواعد وضوابط اور طریق تربیت سے آگاہ ہیں ۔کہ حضرت مولانا جالندھریؒ زمانۂ تعلیم میں اساتذہ اور طلباء کی غیر علمی اور غیر تدریسی سرگرمیوں کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے، خیر المدارس کے در و دیوار بھی سیاست سے ناآشنا ہیں ۔ طلباء اور اساتذہ کو علمی اشتغال و انہماک کے سوا اور کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، نہ ہی یہ حضرت بانی قدس سرہٗ کے مزاج کے موافق تھا۔ عملاً ہی نہیں فکری طور پر سیاسی اور غیر تدریسی ذہن رکھنے والے حضرات کو بھی آپ خیر المدارس کے لئے پسند نہ فرماتے تھے۔ مگر حضرت مفتی عبداللہ صاحبؒ اِس کلیّہ سے مستثنیٰ تھے۔ چنانچہ آپ دار الحدیث خیر المدارس کے شیخ الحدیثؒ ہونے کے باوجود اپنے ذاتی مکتبہ صدیقیہ میں "التاجر الصدوق الامین" بھی تھے۔ اور دینی سیاست میں ایک مجاہد اور فعّال رضاکار بھی۔ عزت و مقام کی خواہش اور طلب و جاہ کی مذموم صفات کی پرچھائیں بھی آپ کی زندگی پر نہ پڑی تھیں ۔حرف اسلام کی سربلندی اور اہلِ حق کی آواز کو عامۃ الناس تک پہنچانے کے لئے آپ نے دو مرتبہ جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر قومی انتخابات میں حصّہ لیا۔

اِس کے علاوہ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظامِ مصطفیٰ میں عملی حصّہ لیا۔ اور اس سلسلہ میں بعض اوقات قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ آپ عرصہ دراز تک پاکستان کے دینی مدارس کی تنظیم وفاق المدارس کی مجلس شوریٰ و عاملہ کے رکن اراکین

اور خازن رہے۔ بہرحال آپ ایک جیّد عالم دین، مفتی اور عارف تھے۔ صبر و رضا کے پیکر اور اخلاص و للّٰہیت کے مجسّمہ تھے۔ آخر لمحۂ حیات تک صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ۳ ر جمادی الاوّل ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۸۵ء رشب جمعہ کو رحلت فرمائی خیر المدارس کے احاطہ میں ہزاروں افراد نے نماز جنازہ پڑھی اور شیخ الحدیث مولانا محمد شریف کشمیری مدظلہٗ نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔

اللہ تعالیٰ اس مرد حق کو درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین“۔

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحب

آپ قصبہ ٹانڈہ بادلی ریاست رامپور میں حضرت مولانا محمد بلنیہ صاحبؒ کے گھر ۳ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے نام محمد وجیہہ رکھا۔ اور دعاؤں سے نوازا۔ آپ کے والدگرامی حضرت مولانا محمد بلنیہ صاحبؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔ اور ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ پہلے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری سے بیعت ہوئے پھر اُن کے انتقال کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے رجوع کیا۔ اور بہت جلد خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بیعت تھیں۔ جو آخری دم تک حضرت حکیم الامتؒ کے بتائے ہوئے وظائف پر سختی سے عمل پیرا رہیں اور ہر چیز میں دین کو دنیا پر ترجیح دیتی رہیں پوری بستی میں دینداری اور پردہ وغیرہ میں بہت مشہور تھیں۔ اور ایک عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

آپ نے ناظرہ قرآن پاک قاری عبداللہ صاحب بھیرڑی والوں سے پڑھا۔ پھر کتابوں کا ابتدائی سلسلہ شروع ہوا، اردو املاء، حساب اور فارسی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ ٹانڈہ بادلی میں حاصل کی خصوصیت سے فارسی کی تعلیم مولانا محمد علی دیوبندی سے حاصل کی جو مولانا محمد میاں صاحب سے بھائی تھے پھر عربی کی ابتدائی کتب کافیہ تک مولانا محمد صابر صاحب امروہیؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ سے حاصل کی۔

کچھ زمانہ مولانا موصوف کے ساتھ امروہہ میں رہے۔ مدرسہ اسلامیہ ٹانڈہ میں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اُن میں مولانا شبیر احمد فیض آبادی اور مولانا سجاد احمد جونپوری شامل ہیں۔ اس کے بعد شوال ۱۳۶۱ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔

اور یہاں کے قیام کے زمانہ میں آپ تھانہ بھون حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت اقدس میں بھی حاضری دیتے رہے اور اسی اثنا میں حضرت تھانویؒ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا۔ اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے قائم کیا۔ اور سلوک و تصوف کے منازل طے کرتے رہے اور ان سے فیض علمی کے ساتھ ساتھ فیض روحانی بھی خوب خوب حاصل کیا۔ آپ نے تمام علوم و فنون کی تکمیل مظاہر العلوم میں رہ کر ہی کی۔ اور یہاں کے اکابر اساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے بعد ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی جس میں سب سے اعلیٰ نمبروں میں کامیابی ہوئی۔ اور مدرسہ سے اعلیٰ نمبر کا خصوصی انعام حاصل کیا۔ پھر ۱۳۶۴ھ و ۱۳۶۵ھ دو سال میں فنون کی بقیہ کتب منطق و فلسفہ اصول فقہ علم حساب علم ہیئت اقلیدس و ادب وغیرہ کی تکمیل کی پھر اسی سال آپ حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ کی وساطت سے مدرسہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک سال تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ آپ نے دس پارے بھی قرآن مجید کے حفظ کئے۔ اس کے بعد رمضان کی تعطیل میں آپ ٹانڈہ پہنچے تو اسی دوران تقسیم ملک ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں خونریزی ہوئی۔ اور راستے خطرناک بن گئے۔

مولانا شبیر علی تھانویؒ مہتمم خانقاہ اشرفیہ نے سفر کو قطعی طور پر منع فرما دیا۔ لہٰذا مجبوراً آپ گھر پر مقیم رہے۔ آپ نے فرصت کو مغتنم سمجھ کر قرآن مجید کے بقیہ پاروں کو حفظ کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ اور صرف آٹھ ماہ میں مکمل قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اور اسی سال تراویح میں قرآن سنانے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک سال مزید ٹانڈہ میں قیام کیا جس میں تجارت کا مشغلہ رہا۔

شوال ۶۸ھ میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ نے اپنے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تدریس کے لئے دعوت دی آپ نے ایک سال ہردوئی میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر شوال ۶۹ھ میں حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب مدظلہ کی جانب سے جلال آباد مفتاح العلوم میں تدریس کی دعوت ملی۔ تو آپ بمشاہرہ ۳۵ روپیہ جلال آباد چلے گئے جبکہ ہردوئی میں مشاہرہ ۵۵ روپیہ تھا۔ مگر آپ نے ہردوئی کی دعوت کو اس شرط پر منظور کیا تھا۔ کہ اگر یہاں سے بڑی کتابیں پڑھانے کی اور جگہ سے دعوت آئی تو اس جگہ کو ترجیح دی جائے گی۔ نہ کہ تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے ہردوئی کے مدرسہ اشرف المدارس میں چونکہ ہدایۃ النحو تک تعلیم دی جاتی تھی۔ جبکہ مفتاح العلوم جلال آباد میں علمی ترقی اور اونچی کتب کی تدریس کا موقع فراہم تھا۔

چنانچہ اسی شرط کے موافق آپ نے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے رخصت طلب کی۔ حضرت مولانا نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور آپ نے جلال آباد میں پانچ سال مقیم رہ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہاں ہر طرح کی کتب حتیٰ کہ مسلم شریف پڑھانے کا بھی موقع ملا۔ اسی اثناء میں مشاہرہ میں اضافہ ہوا۔ جو ساٹھ روپیہ تک پہنچا۔ ۱۳۷۴ھ میں مولانا احتشام الحق مہتمم دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے پاکستان آنے کی دعوت دی آپ نے یہ دعوت قبول کی اور دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

۷۵ھ میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔ الغرض ۷۴ھ سے دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں آپ تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ یہاں پر ہر طرح کی کتب کی تدریس کا موقع نصیب ہوا ہے۔ ۷۷ھ میں نسائی شریف وغیرہ اور ۷۸ھ سے ابوداؤد شریف مسلسل آپ کے پاس ۹۴ھ تک رہی۔ اس مدت میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کی زیر نگرانی فتاوی کی خدمات بھی انجام

دیتے رہے تقریباً ۱۷ سال تک پھر آپ کی زیر نگرانی دوسرے حضرات نے یہ خدمت انجام دی۔ اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ۱۳۹۴ھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد آپ کو بخاری شریف دی گئی۔ اور ۹۴ھ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کی مسلسل تدریس کی خدمات حضرت مفتی صاحب انجام دے رہے ہیں۔ اور بطور شیخ الحدیث دار العلوم ٹنڈو الہ یار درس حدیث کے چراغ جلا رہے ہیں۔ آپ کے ممتاز تلامذہ مولانا شفیع اللہ صاحب مولانا محمد یٰسین صاحب جلال آباد، مولانا نفیر احمد صاحب مفتی جلال آباد، مولانا عقیل الرحمٰن استاذ الحدیث، مولانا یار احمد صاحب۔ مولانا غلام قادر صاحب، مدرس دار العلوم ٹنڈو الہ یار، مولانا عبد الحیی مدرسہ نواب شاہ اور مولانا محمد قاسم صاحب جو سعودیہ کی طرف سے دیگر ممالک میں مبلغ ہیں وغیرہم جو سب کے سب دینی علمی و تدریسی خدمات میں مصروف ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں طالبان علم نے آپ سے فیض علمی حاصل کیا ہے۔

اصلاحی تعلق جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اپنے استاذ شفیق مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں قیام کے دوران قائم کیا۔ بیعت کا شرف حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بھی حاصل کیا ہے۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے چند سال بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ قدس سرہٗ سے تعلق قائم کیا۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ میں آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا، ان کے علاوہ آپ نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ سے بھی روحانی تعلق قائم فرمایا ویسے حضرت مولانا مدظلہ سے تعلقِ عقیدت تو اُن کے مدرسہ جلال آباد کے قیام سے ہی تھا۔ لیکن اس خصوصی تعلق کے بعد حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے بھی اجازتِ بیعت مرحمت فرمادی۔ اجازت نامہ بیعت کی تاریخ ۱۳ رجمادی الاول ۱۳۹۶ھ ہے۔

بہرحال آپ ایک جیّد عالم دین عظیم مفتی، محقق اور عارف ہیں ۔ نہایت متواضع منکسر المزاج اور خندہ جبیں بزرگ ہیں ۔ اخلاق وعادات میں اپنے اکابر کا نمونہ ہیں نہایت سادہ ملنسار اور خوش اخلاق ہیں ۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مسلک ومشرب پر سختی سے قائم ہیں ۔ دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے نہایت خاموشی سے خدمت انجام دے رہے ہیں ۔ آپ کے قلم سے جو فتاوٰی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی نگرانی میں درج رجسٹر ہوئے ان کی تعداد بارہ ہزار ہے اور بیشمار فتاوٰی درج نہیں ہو سکے ۔ مولانا عثمانی کی وفات کے بعد فتاوٰی کی تعداد علیحدہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

حضرت مولانا محمد شریف کشمیری

آپ کیبڑ پتن شیر خان تحصیل پلندری ضلع پونچھ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا نصیر الدین ہے ابتدائی اردو تعلیم مقامی سکول میں حاصل کرنے کے بعد چکوال کے مدرسہ اشاعت العلوم میں عربی صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی۔ باقی درسیات جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں حضرت مولانا حافظ مہر محمد صاحبؒ سے پڑھیں۔ تمام معقولات، فقہ اور اصول فقہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ ہاشمیہ سجاول سندھ کے صدر مدرس حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی قدس سرہٗ سے شرح اشارات جملہ فنون ادبیہ۔ تفسیر کشاف تہافتہ الفلاسفہ الغزالی، احیاء العلوم کا حصہ منجیات و موبقات۔ تلخیص مقالات ارسطو، مشکوٰۃ شریف اور مکمل دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، اس کے بعد ریاست ٹونک بھارت میں حضرت علامہ حکیم برکات احمد صاحبؒ سے شرح مطالع حاشیہ قدیمہ و جدیدہ پڑھیں۔ درمیانی عرصہ سے ایک سال دارالعلوم دیوبند میں رہے۔

جملہ علوم سے فراغت کے بعد دو سال حضرت علامہ شمس الحق افغانی کی نیابت میں قلات میں نائب وزیر معارف رہے۔ سنہ ۱۹۴۲ء تا سنہ ۱۹۴۷ء دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے حکم پر جامعہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے۔ اور بطور صدر مدرس شیخ الحدیث تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس عرصہ میں ہزاروں طالبان علم آپ سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بھی درس حدیث دے چکے ہیں۔

حضرت مولانا قاضی عبیداللہ ڈیروی

آپ کی ولادت باسعادت ۸ رشوال ۱۳۲۱ھ کو بمقام کہنہ ڈیرہ غازیخان جناب قاضی غلام لٰسین صاحبؒ بن علامہ عبدالرزاق بن مولانا محمد بن مولانا قاضی عبدالرحمن کے گھر ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عباسؓ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ گھر میں چھوٹے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھیں۔ تقریباً چار سال کی عمر میں والدہ صاحبہ نے آپ کو دیکھا کہ قرآن مجید خود بخود یادی پڑھ رہے ہیں۔ پوچھنے پر والدہ کو فرمایا بچوں سے سُن سُن کر مجھے خود بخود قرآن مجید کی سورتیں یاد ہوگئی ہیں۔

جب والدہ نے فرمایا ذرا سناؤ تو سہی تو آپ نے ایک پاؤ پہلے پارہ کا زبانی سنا دیا۔ ابتدائی کتب آپ نے اپنے والد قاضی غلام لٰسین صاحبؒ اور مولانا احمد بخش صاحب سے پڑھیں، صرف و نحو معقول وغیرہ مولانا قادر بخش بکانی، مولانا عبداللہ جکھڑوی، ادب اصول کی کتب مولانا احمد بخش ساکن قریہ گدائی سے پڑھیں۔ حدیث کی سند آپ نے تین بزرگوں سے حاصل کی۔ محدث حضرت مولانا اللہ داد صاحب ساکن کوٹ موسیٰ ڈیرہ اسمعیل خان، مولانا عبدالکریم جامپوری اور حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ کے خلیفہ مولانا اللہ ڈتہ شاہ صاحب گیلانی سے اور ان کو مشائخ حجاز سے سند فراغ حاصل تھی۔ فراغت تعلیم کے بعد ۱۳۴۱ھ میں آپ عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے۔

ڈیرہ غازیخان شہر میں ایک دینی مدرسہ عبیدیہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی۔ اور باقاعدہ سلسلۂ درس و تدریس جاری کیا اور متوسط کتابوں سے لے کر حدیث کی اعلیٰ کتابوں تک آپ کے زیر درس رہیں۔

بہت سے طالبانِ علم نے فیض علمی حاصل کیا۔ جن میں ممتاز تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسٰی صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، حضرت مولانا محمد عبد الحیٔ صاحب جامپوری، مولانا عبد الخالق صاحب خطیب جامع مسجد میر صاحب، مولانا اللہ وسایا صاحب چوٹہ والے، صاحبزادہ مولانا قاضی شمس الدین علوی، بنیرہ مولانا عبد القیوم علوی، مولانا محمد امیر صاحب ملتانی اور مولانا عبد اللہ نغلانی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مولانا قاضی عبید اللہ صاحبؒ پوری ڈویژن ڈیرہ غازیخان کے مفتیٔ اعظم اور جیّد عالم دین شمار ہوتے تھے۔ اپنے مدرسہ عبیدیہ کے مہتمم، شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ شہر ڈیرہ غازیخان کی سب سے بڑی عید گاہ میں عیدین کی نماز کی امامت کے فرائض آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔ سرکاری رؤیت ہلال کمیٹی کے خلاف اپنے شہر کی رؤیت اور شرعی شہادت کی ایک کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق عیدین پڑھایا کرتے تھے۔ اِس سلسلہ میں حکّام کی پرواہ نہ کرتے اور اپنے مسلکِ حقہ پر سختی سے پابند رہتے تھے۔

رمضان شریف میں دو مؤذن مقرر فرماتے جو سحری کے لئے اور فجر کی اذان کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان دیتے۔ مدرسہ میں بغیر صرف و نحو کے ہر شخص کے لئے ترجمہ قرآن اور حنفی بلوغ المرام لازمی ہوتی تھی۔ نکاح و طلاق، انگریزی فسخ کے بعد شرعی فسخ بذریعہ بعث حکمین اور دیہات میں جوازِ جمعہ کے فتاویٰ اور دوسرے دینی مسائل میں آپ کے فتاویٰ مشہور تھے۔ بینک کے سود کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا کرتے تھے۔ رمضان شریف میں فرضوں کے بعد فوراً حافظ صاحب کو تراویح کے لئے مصلے پر کھڑا کر دیتے تھے۔ آپ کے اجتہادی مسائل میں علماء کرام مخالفت کرتے آپ صبر کرتے جب دلائل آپ کے سنتے تو علماء کرام سے جواب نہ بن سکتا اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے

بہرحال درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے علاوہ مختلف مسائل کے بارے میں آپ نے بہت سی کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں تفسیرات عبیدیہ، المیقات الطالب المشکواۃ، مرأۃ التنا قیح المشکواۃ المصابیح، حواشی قرآن مجید عربی و ربط آیات اُردو فتاویٰ عبیدیہ، ترجمہ قرآن مجید اُردو، حواشی بر جمیع کتب صحاح ستہ، مجمع الاثار، رسالہ دراستہ الاصول، تنقید الرجال من الجرح والاعتدال، مجمع الحسنات فی اسماء کتب الاحناف، رسالہ تحقیق عشر، امام الکلام فی ترک القرأۃ خلف الامام، فقہ بہار دین، رسالہ دعوت اصلاح، حکومت اسلامیہ کا تصور، مسئلہ رؤیت ہلال، رد الفالبیہ مرزائی دھرم، رسالہ تصوف، شہید کربلا۔ آداب زیارت مزارات، ہندو نصاریٰ کو دعوت اسلام، تبصرہ بر ترجمہ احمد رضا بریلوی، گلدستہ وعظ وغیرہ مشہور ہیں۔ حضرت قاضی صاحبؒ ایک عظیم فقیہہ اور جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عارف کامل اور شیخ کامل بھی تھے۔ آپ کے خاندان علوی کے تقریباً سب بزرگ پہلے سلسلہ قادری یا سلسلہ چشتیہ میں مجاز تھے۔ مثلاً قاضی عبدالرحمٰن کے بعد قاضی عاقل محمد کوٹ مٹھن والوں کو اسی سلسلہ قادری و چشتی سے تعلق تھا۔

یعنی حضرت نور اللہ شاہ قادری سے اور ان کے بھتیجے قاضی محمد حسن کو حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ سے فرید بر آں علوی خاندان کے رشتہ ناطے انہی بزرگان سے ہو چکے تھے۔ جیسے قاضی عبدالرحمٰن صاحبؒ کی دو ہمشیرگان کا نکاح حضرت سلطان باہوؒ کے دو پوتوں سے ہوا۔ اور قاضی صاحب موصوف کی ایک دختر مسماۃ غلام فاطمہ کا نکاح شاہ شمس الدین صاحب گنج والہ محلہ بہاولپور سے ہوا۔ اس کے باوجود حضرت قاضی غلام لیٰسینؒ نے اپنے فرزند حضرت قاضی عبیداللہ کے لئے سلسلہ نقشبندیہ کا انتخاب فرمایا۔ اور حضرت قاضی عبیداللہ صاحبؒ کو حضرت سید پیر رکن عالم شاہ کروڑی والے کے دست پر بیعت کرایا۔ ابھی آپ نے لطیفہ قلب تک

سلوک حاصل کیا تھا۔ کہ بموقعہ عُرس حضرت پیر رکن عالمؒ کا وصال ہو گیا۔ ڈیرہ غازیخان کے لوگوں کی خواہش پر حضرت خواجہ سراج الدین نے اپنے خلیفہ سید محمدؒ کو ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ڈیرہ غازیخان روانہ کیا۔ اور حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے تمام سلوک انہی سے طے کئے۔ اور خلافت و اجازت حاصل کی۔ انہی ایّام میں حضرت مولانا فضل علی قریشی اور حضرت غلام حسن کروڑ والے ڈیرہ تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرت فضل علی قریشی صاحبؒ نے بھی حضرت قاضی عبیداللہ صاحبؒ کو تبرکاً خلافت عطا فرمائی۔ اس طرح سے آپ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ کامل ثابت ہوئے۔ اور اپنے سلسلہ سے بہت سے حضرات کو مستفیض کیا۔ جن میں مولانا شیخ محمد امین صاحب مہتمم مدرسہ حرث الآخرۃ جامع مسجد تقویٰ ملتان، مولانا عبدالعزیز صاحب ڈیروی اور مولانا بہار دین صاحب پہاڑی وغیرہ حضرات کو آپ نے اپنا مجاز بیعت مقرر فرمایا۔ اور سینکڑوں کی اصلاح کی۔ آپ اتنے بڑے عالم، مفتی، محقق، مصنّف اور عارف ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ متبع سنّت اور حق گو عالم دین تھے۔ طبیعت نہایت سادہ اور خاموش تھی۔ ایک سچّے عاشق رسُول تھے۔

۱۳۷۴ھ میں آپ نے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس کے علاوہ باطل نظریات کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے بڑی سرگرمی سے حصّہ لیتے۔ مناظرے کرتے اور باطل فرقوں کو شکست فاش دیتے۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء میں چودھری نیرتھ داس منصف جج ڈیرہ غازیخان کی عدالت میں مسلمان عورت کی طرف سے مرزائی خاوند کے خلاف دعویٰ تنسیخ دائر کیا گیا۔ اہلِ سنّت کی جانب سے وکیل مولوی محمد ایوب صاحبؒ (حضرت سہارنپوری کے قریبی عزیز) اور مرزائیوں کی طرف سے وکیل عزیز محمد ملک مقرر ہُوا۔ قانونی تنقیحات کے بعد مقدمہ شروع ہُوا۔ مدعیہ کے پہلے گواہ حضرت قاضی عبیداللہ صاحبؒ، مفتی اعظم حضرت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ مولانا عبداللہ فاضل دیوبند وغیرہ حضرات پیش ہوئے۔ ہر ایک کی شہادت پر ہفتہ صرف ہوا۔ مرزائیوں کی طرف سے چودھری اسعد اللہ خان اور محمد سلیم ناظم مرکز کلکتہ پیش ہوئے۔

حضرت قاضی عبید اللہ صاحبؒ کے دلائل پیش کردہ سُن کر حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا۔ آئندہ ہمیں دیوبند سے بلوانے کی تکلیف نہ دینا۔ ہم سب کی طرف سے واحدہ نمائندہ قاضی عبید اللہ صاحب مرزائیوں کو کافی رہیں گے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ بالآخر حضرت قاضی صاحبؒ کی پیروی سے ۱۳ ¾ کو یہ مقدمہ اس طرح ختم ہوا کہ مرزائی حضرت قاضی صاحبؒ کے دلائل سُن کر عدالت کے اندر تائب ہوا۔ اور درخواست پیش کی۔ اب تک میں کافر رہا۔ مقدمہ کی میرے خلاف ڈگری بلا شک کر دی جاوے۔

ایضاً ۱۹۳۶ء میں اللہ دتہ جالندھری مبلغ مرزائی اور محمد شریف نے شہر ڈیرہ غازیخان میں مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ شہر کے کسی عالم کو مناظرہ کی جرأت نہ ہوئی۔ مناظرہ بھی حیات مسیح پر تھا۔ آپ نے مناظرہ کیا اور چند منٹوں میں یہ مناظرہ جیت لیا۔ اسی طرح شیعہ بریلوی اور اہل حدیث سے بھی مختلف مسائل پر علمی مناظرے ہوئے۔ اور آپ نے اللہ کے فضل وکرم سے ہر مناظرہ میں کامیابی حاصل کی۔ غرضیکہ آپ ساری زندگی اسلام کی خدمت میں مصروف رہے ہر باطل کا مقابلہ کیا۔ اور ہمیشہ کلمہ حق بلند کیا۔ اور بالآخر یہ اسلام کا عظیم مبلغ ومجاہد ۷ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۸۵ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؀

ہزاروں لوگوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا قاضی شمس الدین علوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ اس مرد حق پر رحمتیں نازل فرمائے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحئی جام پوری

ہمارے علاقہ کی علمی شخصیت سادگی کا مظہر صدق و صفا کا پیکر حضرت مولانا محمد عبدالحئی صاحب فاضل دیوبند و لکھنؤ جو اس وقت محمدی جامع مسجد جام پور کے بانی و متولی و خطیب ہیں اور مدرسہ عالیہ فیض القرآن کے مہتمم ہیں۔ کچھ ان کے حالات زندگی مرقوم ہیں چونکہ وہ ہمارے علاقہ کی مرکزی علمی شخصیت ہیں۔ ہم لوگ ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمارے مشفق و مہربان بزرگ ہیں۔

آپ ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو موضع بستی یاقی علاقہ کوٹ چھٹہ تحصیل و ضلع ڈیرہ غازیخان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا اسم شریف مولانا حکیم الحاج عبدالغفور صاحبؒ عرف ملک جندوڈہ صاحب ہے ان کے چار صاحبزادے اور ان کی اہلیہ ایک سال میں فوت ہو گئے جس سے ملک صاحب مرحوم سخت رنجیدہ ہوئے۔ اور اپنا کتب خانہ بھی وقف کر کے تقسیم کر دیا۔ حضرت مولانا فیض محمد صاحب شاہ جمالیؒ جو بڑے بزرگ اور عالم دین تھے۔ ان کے کہنے پر ملک صاحب مرحوم نے دوسری شادی کی اور اس سے بھی دو بچے وفات پا گئے۔

پھر مولانا شاہ جمالیؒ کے فرمان پر بتمین لفظ حیّ و قیّوم اپنے بیٹوں کے نام عبدالحئی اور عبدالقیوم رکھا۔ حضرت مولانا شاہ جمالیؒ نے مولانا عبدالحئی صاحب کی ولادت پر ارشاد فرمایا کہ مولود مسعود نیک اور عالم دین اور بڑی عمر والا ہوگا۔ گویا مولانا موصوف حضرت شاہ جمالیؒ کی دعا کا ثمر ہیں۔

مولانا جب پانچ برس اور چھ ماہ کے ہوئے تو ایک مقامی درویش خصلت امام

مسجد مولانا احمد بخش سے بسم اللہ پڑھی پھر قرآن مجید اپنے والد گرامی سے پڑھا اور سکول داخل کر دیئے گئے۔ پرائمری کا امتحان بستی یاقی پرائمری سکول میں دیا پھر کوٹ چھٹہ مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد کوٹ چھٹہ شہر میں حضرت مولانا محمد فاروق صاحب گدائی والوں سے عربی تعلیم شروع کی، سکول سے فراغت اور کوٹ چھٹہ میں چند دن پڑھنے کے بعد جب عمر پندرہ برس تھی تو آپ نے ڈیرہ غازیخان کے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا قاضی عبید اللہ صاحبؒ کے مدرسہ میں تعلیم شروع کر دی،

ایک سال کے بعد اپنے والد بزرگوار کی تکلیف اور بیماری کے باعث ایک سال تک تعلیم کو چھوڑ کر گھر کا کام سنبھالا۔ پھر اپنے بزرگوار کے تندرست ہونے پر مدرسہ عربیہ انوندان میں حضرت مولانا الشیخ محمد صدیق صاحبؒ حاجی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہاں حضرت الشیخ المذکور اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب حاجی پوری جو نئے فارغ التحصیل ہو کر مدرّس مقرر ہوئے تھے۔ اور استاذ العلماء حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحبؒ (جو فاضل معقول و منقول تھے) سے تعلیم حاصل کی۔ تین سال کے عرصہ میں فقہ ہدایہ اخیرین تک اور منطق معقول میرزاہد جلال تک نحو عبد الغفور تک اصول توضیح تلویح تک ادب دیوان حماسہ، متنبی تفسیر بیضاوی اور رشیدیہ اور چند ابتدائی کتب احادیث تک ان ماہر اساتذہ سے تعلیم حاصل کر لی، اسی دوران ۱۳۵۹ھ ۱۱ رجمادی الثانی کو آپ کی شادی خانہ آبادی سرانجام پائی۔ لیکن شوق تعلیم اتنا تھا۔ کہ اپنے والد بزرگوار سے دار العلوم دیوبند جانے کا اشتیاق ظاہر کیا انہوں نے کہا کہ زمین میں سیم ہو گیا ہے۔ معاشی حالات ناساز ہیں۔ فی الحال سفر دیوبند ملتوی کر دیں۔

مگر آپ مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ اور علم کا بہت زیادہ شوق تھا۔ آپ کہاں دیوبند کے سفر سے رکنے والے تھے۔ باوجود نئی نویلی شادی کے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو بتوکّل خدا اپنا سائیکل بیچ کر چودہ روپے رقم لے کر دیوبند چلے گئے۔ براستہ لاہور حضرت

الشیخ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاں ہفتہ قیام کیا پھر دیوبند پہنچے۔ ابھی مدرسہ میں داخلہ کو دیر تھی۔ رقم تھوڑی تھی۔ سترہ دن دیوبند میں چار آنے کی شکر سے روٹی کھاتے رہے اور مدرسہ میں جب داخلہ ہوگیا تو پھر کابیاں لیں۔ سادہ کاغذات لے کر حضرات اساتذہ کی تقریریں لکھنی شروع کردیں اور اکثر تقاریر عربی میں لکھتے جاتے تھے۔

ترمذی، بخاری، مسلم، شمائل ترمذی ابوداؤد وغیرہ کی تقاریر کئی سو صفحات پر لکھیں۔ اور دیوبند کی تعلیم کے دوران مسئلہ ایمان بیس صفحہ کا عربی مقالہ لکھا اور تعلیم جاری رکھی اسی زمانۂ تعلیم میں سہ ماہی امتحان کے بعد مع اپنے رفقاء بالخصوص مولانا منظور احمد نعمانی (حال صدر مدرس حبیب المدارس طاہر والی) پا پیادہ گرمی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیارت کے لئے گئے۔ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:-

"ہم صبح دیوبند سے پا پیادہ چلے راستہ پوچھتے ہوئے تھانہ بھون جمعہ کے وقت پہنچ گئے۔ راستہ میں بعض گاؤں ایسے تھے۔ جہاں مسلمان بالکل معمولی تعداد میں تھے وہ بھی غریب مزدور قسم کے تھے۔ ایک بستی گئے۔ ناشتہ کا ارادہ کیا۔ بستی والوں سے پتہ چلا۔ کہ یہاں دھوبیوں کے چند گھر ہیں۔ وہ مسلمان ہیں۔ ہمارے رفقاء کا یہ قافلۂ علم جب ان کے دروازہ کے قریب پہنچا تو وہ مسلمان مرد عورتیں والہانہ طور پر ان کے ملنے کے لئے نکل آئے۔ اور بوڑھے مرد اور عورتیں رو رو کے ہم سے ملے جس طرح بچھڑے ہوئے بھائی ملتے ہیں۔ ان کے اصرار کے باوجود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کشش ہمیں کشاں کشاں لئے جا رہی تھی۔

مجھے اب تک ایسی بستیوں کا حال سن کر افسوس ہوتا ہے کہ پارٹیشن کے وقت ایسے بھتے مسلمانوں کا کیا بنا ہوگا۔ بہر حال ہمارا قافلہ جمعہ کے وقت تھانہ بھون پہنچا۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ مسرت اور شادمانی کی حد نہ رہی۔ خدا معلوم یہاں اس خانقاہ عالیہ سے کیسے کیسے اکابرین ملت اور معماران قوم پیدا ہوئے۔ علم کا مرکز روحانیت کا ملجا اور ماویٰ

اخلاق کا سرچشمہ، صالحین کا گھر وہ خانقاہ تھی۔ جمعہ کے وقت حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ فاروقی النسل، صاحب جلال و جمال کا چہرہ بارعب دباوقار ریش مبارک سفید، رنگ سرخ گندمی، یوسف ثانی، رازئ وقت غزالیٔ دوراں، چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ اور علم کا خزانہ تھے۔ دو گھنٹہ تک مصاحبت کا شرف رہا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملتؒ نے حضرت الشیخ امیر الہند مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ صدر مدرس دیوبند کی خیریت دریافت کی اور فرمایا کہ افسوس کہ وہ مقام جو مولانا کو نصیب ہوا۔ ہم اس سے محروم رہے۔ وہ ہمارے اساتذہ اور اکابرین کے جانشین بنے اور فرمایا کہ میرے سلام پہنچانے کے بعد مولانا سے میرے لئے دعائے حسنِ خاتمہ کی درخواست پیش کرنا۔" سبحان اللہ! کیا ان حضرات کا مقام تھا۔ کہاں وہ اختلاف کہاں یہ محبت اور الفت کے نظارے رحماء بینہم کا صحیح نقشہ، یہ اکابرین دیوبند ہی تھے۔ کثر اللہ امثالہم۔"

ابھی ششماہی امتحان نہیں ہوا تھا۔ کہ آپ کو گھر سے خط ملا۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ سخت بیمار ہیں۔ آپ پہلے تو گھبرا گئے۔ کیونکہ آپ کی حقیقی مربیہ اور تعلیم دلوانے میں آپ کی والدہ ماجدہ کا ہی بڑا دخل تھا۔ پھر وضوء کر کے مدرسہ اور مسجد میں دعائے صحت مانگی اور اپنے استاذ حضرت مولانا مدنی رحؒ سے دعا کی درخواست کی۔ دل میں سوچا کہ اگر قسمت ہے تو والدہ کی زیارت کر لوں گا۔ اتنے لمبے سفر کے بعد واپسی مشکل ہوگی۔ یہی سوچ کر آپ پھر تعلیم ہی میں منہمک ہو گئے۔

اسی دوران شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی قیادت میں ایک بریلوی پیر سے مناظرہ کیا۔ ششماہی امتحان کے بعد دہلی کا سفر کیا۔ اور مقبرہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دیگر مقامات کی زیارت دیکر کی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے بھی استفادہ فرمایا اور ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کا نسخہ بطور انعام عطا فرمایا۔ اکیس برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ واپسی پر والدین نے گلے لگا لیا۔ اور آخر وقت تک والدین آپ کے ساتھ رہے۔ آپ کے والد ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ کو فوت ہوئے اور والدہ ماجدہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ کو اللہ کو پیاری ہوئیں۔ باران رحمت نے ان کے جنازے کا استقبال کیا۔ آسمان ان کی قبر پر شبنم افشانی کرے۔

دیوبند کی فراغت کے بعد آپ مدرسہ آخوندان ڈیرہ غازیخان میں مدرس مقرر کئے گئے۔ اور مشکوٰۃ شریف، سنن ابی داؤد، نفحۃ الیمن، شرح وقایہ، کنز الدقائق، مرقاۃ، کافیہ سات اسباق پڑھانے کے لئے دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمد عیسیٰ صاحب مرحوم کی درخواست پر مولانا کو مدرسہ معین الاسلام تحصیل لودھراں میں بھیجا گیا۔ یہ پرانا مدرسہ تھا۔ جس کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد امیر صاحبؒ معاصر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہزاروں طلباء اس مدرسہ سے مستفیض ہو چکے تھے۔ عرصہ سے کوئی اچھا مدرس نہیں مل رہا تھا۔ مولانا عبدالحئی صاحب مدظلہٗ اپنے ایک نیک شاگرد محمد نواز بستی ٹیبکل تحصیل تونسہ کے ساتھ وہاں روانہ ہوئے۔ ایک دور افتادہ ناواقف جگہ اگرچہ مولانا کے لئے نامانوس تھی۔ لیکن اپنے استاذ مولانا غلام محمد چشتی کے تعمیل حکم میں معذرت نہ کر سکے۔

اس کے بعد آپ ایک بستی داہی علی ارائیں کے ایک مدرسہ معین الاسلام میں تشریف لے گئے۔ جو مولانا کے آتے ہی ترقی کرنے لگا۔ چند دنوں میں بہت سے طلباء بھر گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ سے بہت سے طلباء مستفیض ہوئے۔ ایک سال کے بعد مولانا کو لغاری خاندان کے سردار سردار محمود خان لغاری نے دعوت دی مولانا ان کی دعوت پر چوٹی تشریف لے آئے۔ اور دینی تعلیم جاری کی اس زمانہ میں تنظیم اہلسنت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ سردار احمد خان تپانی نے مولانا کو چوٹی میں تنظیم کی شاخ قائم کرنے کو کہا۔

مئی ۱۹۴۶ء میں مولانا معہ اپنے ایک قافلہ کے جس میں مولانا الٰہی بخش صاحب، مولانا

بشیر احمد صاحب پسرور والے خلیفہ حضرت لاہوریؒ، مولانا غلام محمد چوٹی والے بھی تھے۔ لکھنؤ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ وہاں کئی ماہ قیام کیا اور شیعیت مرزائیت اور آریہ سماج وغیرہ کے مذاہب کا مطالعہ کیا۔ حضرت مولانا لال حسین اختر مناظر اعظم کی معیت حاصل تھی۔ ادھر امام اہلسنت تھے۔ گویا تکمیل مراحل تھے۔

اس دوران پنڈتوں سے صداقت اسلام پر مناظرہ قرار پایا۔ حضرت مولانا لال حسین اختر صاحب مناظر تھے۔ اور مولانا عبدالحیٔ صاحب معین مناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم فرمائی۔ مولانا موصوف مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور بہت سے مناظرے آپ نے کئے ہیں۔ الیکرہ کے قریب مہتم ایک اچھا خاصہ قصبہ ہے۔ وہاں ایک عرس کی تقریب تھی۔ جس پر مولانا غلام جہانیاں صاحب (جو ایک سنجیدہ بریلوی عالم تھے) مدعو تھے۔ نعت خوانوں کی فراغت کے بعد مولانا غلام جہانیاں صاحب کی تقریر ہوئی۔

جس پر ایک ہندو نے چند اعتراضات کئے۔ مولانا غلام جہانیاں نے مصلحت وقت کے پیش نظر ان کا نوٹس نہ لیا۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نے خوب تحقیق کے ساتھ مفصل طور پر اس ہندو کو جواب دیئے۔ بلکہ گفتگو اور مناظرہ کی پیش کش بھی کی۔ رات کو وہاں غلام حسین دھریچہ کی مسجد میں بعد عشاء مناظرہ ہوا۔ اور مولانا کی صداقت اسلام پر تقریر بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ فتح عظیم عطا فرمائی۔ کہ اس کے بعد کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت نہ رہی۔

۱۹۴۷ء میں پنڈی اور دوسرے مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے! اور تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔ مولانا نے اس میں خوب کام کیا۔ آپ اس وقت چوٹی میں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے تھے۔ لغاری سٹیٹ کے بہت سے ہندوؤں کو

نکلوایا۔ اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے پیش نظر ان کو ہندوؤں سے سودی کاروبار سے روکا۔ جلوس نکالے جلسے کئے۔ پھر جب اس سلسلہ میں خضر وزارت نے نوابزادہ محمد خاں لغاری اور محمود خاں لغاری کو گرفتار کر لیا۔ تو مولانا نے ہی چوٹی میں تحریک کو سنبھالا۔ اور چوٹی زیرین میں قائد تحریک نواب محمد جمال خان لغاری کی موجودگی میں ایک اہم تقریر کی۔ اور نواب صاحب سے مسلم لیگ میں فعال کردار ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اسی زمانہ میں مولانا پر کئی مقدمات قائم کئے گئے، ہندوؤں کا ایک وفد مولانا کے خلاف مجسٹریٹ کو ملا۔ اور مولانا پر تقریباً تیس مقدمات درج کرائے گئے۔ مگر مولانا ہمت اور جرأت مندی سے کام کرتے رہے۔

آخر پاکستان کا قیام عمل میں آگیا۔ اسی دوران آپ مدرسہ معین الاسلام میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ مدرسہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ وہاں مولانا نے علاقہ کی اطراف سے فنڈز جمع کر کے آنے والے مہاجروں کی امداد کا سامان مہیا کیا۔ اور ہر طرح سے ان کی مدد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام بھی جاری رہا۔ اور جمعہ گوگڑاں پڑھاتے رہے۔ جو چار میل پر تھا۔ وہاں بھی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ مولانا حکیم عبدالواحد صاحب گوگڑاں والے اور میاں حاجی محمد صاحب سمرا آپ کے قابل ذکر رفقاء کار ہیں۔ مدرسہ میں طلباء کی تعداد کافی ہو گئی۔ مولانا خان محمد صاحب لانگ کو نائب مدرس مقرر کیا۔ دورہ حدیث تک سلسلہ تعلیم چلا گیا۔

حاجی عاقل محمد، عبدالقدوس اور چند طلباء دورۂ حدیث تک پہنچ گئے اور فارغ التحصیل ہو گئے۔ اور پھر چوٹی اور جام پور کئی طلباء سند فراغت لے کر کامیاب ہوئے۔ مدرسہ معین الاسلام کے ذریعے علاقہ کے بہت سے طلباء فارغ التحصیل ہوئے۔ کئی نئے مدرسے قائم ہوئے۔ ان میں مولانا عبدالخالق کا مدرسہ اور مولانا عبدالمجید کا مدرسہ قابل ذکر ہیں یہ سب مولانا موصوف کے دم قدم کی برکت تھی۔

دس سال بعد مولانا کو والد صاحب کی پیرانہ سالی اور چھوٹی زیرین کے مدرسہ کی مجبوری کی وجہ سے (جو آپ نے ہی قائم فرمایا تھا) مدرسہ معین الاسلام کو چھوڑنا پڑا۔ دیدۂ پرنم کے ساتھ وہاں کے لوگوں نے مولانا کو الوداع کہی وہاں مولانا کا وطن ثانی بن چکا تھا۔ لیکن مجبوری تھی پھر چھوٹی زیرین میں درس کا نظام خوب سنبھالا اور مدرسہ کی خاصی ترقی ہوئی۔ ہر سال تبلیغی جلسے ہوتے جن میں مولانا شمس الحق افغانیؒ جیسے محقق علماء بھی تشریف لاتے۔ ایک دفعہ طلباء کی دستار بندی کا جلسہ تھا جس میں حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ کو دعوتِ صدارت دی گئی۔ خواجہ صاحب علمائے دیوبند کے معتقد تھے۔ اور حضرت مدنیؒ کے خاص عقیدت مند تھے۔ جلسہ پر تشریف لائے اور صدارت فرمائی۔ اپنے ہاتھ سے چار طلباء مولوی غلام مصطفےٰ، مولوی عبدالمجید، مولوی عبدالغفار اور مولوی یار محمد کی دستار بندی کی اور مسرّت کا اظہار فرمایا۔

ظہر کا وقت ہُوا۔ اذان ہوگئی، خواجہ صاحب نے فرمایا۔ مولانا عبدالحیُّ صاحب نماز پڑھائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ مولوی جندوڈہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ وہی نماز پڑھائیں۔ لیکن خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ مولانا! میری نماز علماء دیوبند کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ جس کی نماز نہ ہوتی ہو آپ بسم اللہ کریں۔ حضرت خواجہ صاحب نے ہزاروں کے مجمع میں نماز پڑھی، کیا آج کے وہ واعظ جو اُمّت کو لڑوانے کے لئے تکفیر کے فتویٰ کی ہر وقت بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ کیا وہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے اس عمل سے سبق نہ لیں گے۔ کیا سچ ہے۔

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی ؛ جگر شق ہو جس سے وہ تحریر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ ؛ یہ ہے واعظوں کا ہمارے سلیقہ

بہر حال آپ چھوٹی زیرین میں تعلیمی و تدریسی خدمات میں مصروف تھے۔ کہ سردار احمد خاں تیانی مرحوم نے آپ کو جام پور آنے کی دعوت دی اور اس تنگ ماحول سے

نکل کر صحیح کام کرنے کا مشورہ دیا۔

اُدھر وہاں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ کہ ایک بد بخت نے اُم المومنین سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ کی شان اقدس میں گستاخی کی، سردار عطا محمد لغاری نے آپ کو ایس پی کے پاس بھیجا اور انکوائری ہوئی۔ وہ سزادار ہوا۔ اس واقعہ سے آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ کہ ایسے قصبہ پر خدا معلوم کیا آفت پڑے گی۔ یہاں جام پور تشریف لے آئے چانڈیہ والی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ جمعہ کا خطبہ صبح کا ترجمہ اور کتابوں کا درس کا مشغلہ جاری فرمایا۔ اور تنظیم اہلسنت کے اخبار میں علمی مضامین لکھتے رہے۔

اسی دوران آپ نے ایک سال قصبہ خان گڑھ میں حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ کے ترجمہ کے درس میں تحقیق مذاہب اور شیعہ سُنی اختلاف پر درس دیا۔ اور حضرت قریشی صاحبؒ کو اس طرف متوجہ کیا۔ پھر متواتر کئی سال احمد پور شرقیہ اور ملتان میں شیعہ سُنی اختلافات پر درس دیتے رہے۔ جس سے بہت سے طلباء مستفید ہوئے حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ، مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا عبدالرحمن، قاری نور الحق ایڈووکیٹ، مولانا شفیق الرحمن اور مولانا عبدالودود اہل حدیث وغیرہ علماء بھی شامل درس رہے۔ بعد میں اس کام کو حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نے سنبھالا۔ ۱۹۶۰ء کو شعبان رمضان میں شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ اُس وقت پانچ صد طلباء تھے۔

وہاں شیعہ سُنی مناظرہ پڑھایا۔ اور خطبہ جمعہ ترتیب دیا۔ جس میں سُنی عقائد اور نظریات کی صحیح جھلک نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے یہ کام حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب نے کیا۔ اور حضرت شیخ القرآن مرحوم نے نہ صرف تائید کی۔ بلکہ یہی خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ مختصر ترمیم یہ ہے کہ"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ خلیفۂ بلا فصل کا اضافہ کیا۔ بنات النبی الامی

خیر البریہ ، سیدات الطاہرات الاربعہ الزینب و الرقیۃ وام کلثوم والفاطمہ۔

تعجب کا مقام ہے ، کہ اُدھر تو بنات اربعہ پر مناظرے کیئے جا رہے ہیں ۔ لیکن خطبہ میں صرف ایک بی بی کا ذکر ہے ۔ اور جواب یہ ملتا ہے کہ اس زمانہ میں خوارج کا زور تھا ۔ لہذا ایک بی بی کا نام لیا گیا ۔ تو اب اہل تشیع کا زور ہے ۔ اور خمینی اُمّت والے دندنا رہے ہیں تو اب بھی پھر صرف تین بیٹیوں کا نام لیا جائے ۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضؓ کا اضافہ کیا ۔ وعلی امیر الحق بالایقان معاویۃ رضؓ بن ابی سفیان ہ

اِس کے علاوہ ازواج مُطہّرات خصوصًا سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ اور حفصہ رضؓ کا ذکر فرمایا ، مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ تمام عورتوں سے مرتبہ کے اعتبار سے سیدہ عائشہ رضؓ زیادہ ہیں ۔ کیونکہ وہ علم میں تمام عورتوں سے زیادہ ہیں ۔ اور لستُنّ کاحد من النساء (آیۃ) کے پیش نظر ازواج مطہرات سے کوئی عورت بھی افضل نہیں ہو سکتی ۔

حضرت مولانا مدظلہ ، نے تدریسی تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے علاوہ کئی مدارس اور کئی مساجد کی بنیاد رکھی ۔ خصوصًا آپ کو تعمیر مساجد کا والہانہ جذبہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے کئی مساجد تعمیر کرائیں ۔ اسی جام پور شہر میں فاروقی جامع مسجد کی تعمیر کی ابتداء آپ سے ہوئی ۔ اور تکمیل بھی ۔ یہ دو منزلہ مسجد عظیم الشان مسجد ہے ۔ اور ۵ کنال کے رقبہ میں واقع ہے ۔

شہر میں رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑی مسجد ہے ۔ دوسری محمدی مسجد جو شہر کے مشرقی حصہ کے وسط میں واقع ہے ۔ پہلے دو تین مرلہ کی مسجد تھی ۔ پاس کے صحن میں سانگ ہوا کرتے تھے ۔ اب تعمیر کے اعتبار سے سادہ نمونہ تعمیر ہے ۔ جدید نقشہ ہے دو منزلہ ہے ۔ دو کنال میں واقع ہے ۔ ابھی زیر تعمیر ہے ۔ اور کھلی مسجد ہے ۔ یہاں مدرسہ فیض القرآن واقع ہے ۔ جہاں سے بہت سے طلباء حفظ قرآن اور قرأت کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں

اِسی مسجد سے نظام مصطفےٰ کے جلوس مولانا کی قیادت میں نکلا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مکیؓ مسجد اور دیگر کئی مساجد کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھنے کا شرف مولانا موصوف کو حاصل ہے۔ علاوہ ازیں کئی مساجد کے نام تبدیل کر کے صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی کے ناموں سے موسوم کئے۔ جیسے چانڈیہ والی مسجد کا نام بدل کر صدیقی مسجد تجویز کیا۔ مسجد دھوکیاں کا نام مسجد فاروقی رکھا۔ اندر والی مسجد کا نام محمدی مسجد رکھا۔ بیواتیوں والی مسجد کا نام عثمانیہ مسجد رکھا۔ چوک والی مسجد کا نام مکیؓ مسجد رکھا۔ داجل روڈ والی مسجد کا نام بلال مسجد رکھا۔ اِسی طرح کئی مساجد کی وجہ تسمیہ افراد اور محلہ داروں کے علاوہ بزرگوں کے نام پر رکھا۔ تاکہ ذاتی تشخص اور برتری ختم ہو۔ اور مساجد صحیح معنیٰ میں انما المساجد للہ کا نقشہ پیش کر سکیں۔

درس و تبلیغ کے علاوہ ملی کاموں میں بھی مولانا موصوف ہمیشہ حق و صداقت کی نمائندگی کرتے رہتے ہیں۔ اور شہری و قومی مفادات کی خاطر ہر طرح سے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ دینی و ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ پچھلے سال ڈپٹی کمشنر ضلع راجن پور نے کئی مساجد کو گرانے کا حکم دیا۔ کہ وہ سڑکوں پر واقع ہیں اور ایکسیڈنٹ وغیرہ کا خطرہ رہتا ہے۔ اس پر حضرت مولانا عبدالحئی صاحب نے ایک اجلاس میں ڈپٹی کمشنر صاحب سے دینی نقطۂ نظر سے گفتگو کی اور کافی بحث و مباحثہ کے بعد ان کو اس فیصلہ و حکم کو واپس لینے پر مجبور کر دیا۔ تمام ممبران اجلاس نے مولانا کی تائید کی اور مولانا کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔

جب راجن پور کو ضلع بنایا گیا اور صدر مملکت اور گورنر صاحب ڈیرہ غازیخان تشریف لائے تو علماء کے وفد کی قیادت مولانا موصوف ہی نے کی اور حق کی نمائندگی کے فرائض باحسن طریق سر انجام دیئے۔ بہر حال جام پور بلکہ سارے ضلع ڈویژن کے لئے مولانا کا وجود غنیمت ہے۔ شہر میں فتویٰ۔ درس کتب عربی۔ درس قرآن کا مرکز

مولانا ہیں - اللہ تعالیٰ مولانا کو سلامت باکرامت رکھیں -

مولانا کا ایک چھوٹا صاجزادہ عبدالغنی جو آٹھ برس کا تھا - نہایت خوبصورت ذکی اور ہونہار تھا - اس کی وفات (جو ایکسیڈنٹ) سے ہوئی - اس کو مولانا اب تک نہیں بھولے - اب ان کا علمی سہارا یا اُن کے علمی وارث ان کے صاجزادے عبدالعزیز بی - اے اور ابوبکر عبداللہ ہیں - اللہ تعالیٰ مولانا کی اولاد صالحہ کو علم و عمل میں ترقی عطا فرمائیں - آمین !

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

آپ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ کے قابل فرزند رشید ہیں، اس وقت دار العلوم کراچی کے مہتمم، اُستاذ حدیث، مفتی اور خطیب ہیں، ایک جیّد عالم دین، فقیہہ، محدّث، محقّق، مدبّر، اور متعدد مفید علمی کتب و رسائل کے مؤلف و مصنّف ہیں، دار العلوم کراچی کے ممتاز ترین فضلاء میں سے ہیں، فتاویٰ نویسی میں خاص مہارت اور امتیاز رکھتے ہیں اور اس میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں۔

آپ شب جمعہ ۲ یا ۳ جمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ میں بمقام دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی انڈیا) میں پیدا ہوئے، خوش قسمتی سے حضرت حکیم الامت تھانوی نے ایک سجع میں آپ کا نام "محمد رفیع" تجویز فرمایا "زجملہ خلائق محمد رفیع" حسنِ اتفاق سے حضرت مفتی اعظم کا سجع "بروز قیامت محمد شفیع" ہے دونوں سجعوں کا وزن اور قافیہ برابر ہونے کی بناء پر شعر مکمل ہو گیا جو آپ کے حق میں فال نیک ہے۔

بروز قیامت محمد شفیع ؛ زجملہ خلائق محمد رفیع

اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے قاعدہ بغدادی پڑھ کر پانچ سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند کے شعبۂ حفظ میں داخل ہوئے، پندرہ پارے حفظ کئے تھے کہ پاکستان آنا ہو گیا، چنانچہ حفظ کی تکمیل کراچی میں ہوئی، ختم قرآن مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی نے کرایا پھر دار العلوم کراچی میں اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۷۲ھ

مطابق ۱۹۵۲ء میں درسِ نظامی کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا، اور اپنے وقت کے ممتاز علماء و محدثین سے کسبِ علم کرنے کے بعد ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں فراغت حاصل کی، زمانہ طالب علمی ہی میں ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا، آپ کو حضرت مفتی اعظمؒ سے مندرجہ ذیل کتب و رسائل پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، موطاء امام مالکؒ، شمائل ترمذی، درِ مختار، شرح عقود رسم المفتی، نیز فراغت کے بعد حضرت مفتی اعظم قدس سرہ، سے فتاویٰ نویسی کی مشق بھی کی اور آپ کی نگرانی میں ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر فرمائے۔

آپ کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے علاوہ شیخ الاسلام علامہ محمد ظفر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور شیخ محمد حسن بن المشاط مالکی جیسے اجلہ علماء و محدثین سے بھی اجازت روایت حدیث حاصل ہے،

دارالعلوم کراچی حضرت مفتی اعظمؒ کے علاوہ آپ کو ذیل کے ممتاز علماء سے کسب فیض کا موقع ملا، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی بانی و مہتمم مدرسہ اشرف المدارس کراچی، مولانا سلیم اللہ خان بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ، سابق استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم کراچی و مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سبحان محمود صاحب، شیخ الحدیث و ناظم دارالعلوم کورنگی، مولانا شمس الحق صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۲ھ میں آپ کو دارالعلوم میں نائب مفتی نامزد کیا گیا اور ۱۳۹۳ھ میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آپ کو باقاعدہ سندِ افتاء عطا فرمائی، درسِ نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم ہی میں تدریسی سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، اب تقریباً دس بارہ سال سے آپ کو دورۂ حدیث کے اسباق پڑھانے کی سعادت حاصل ہے اور بفضلہ تعالیٰ آپ کے تلامذہ بھی استاذ الاستاذ ہو چکے ہیں۔

جمادی الاول ۱۳۹۵ھ میں آپ نائب مفتی کے ساتھ دارالعلوم کراچی کے نائب صدر نامزد کئے گئے اور اب حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی وفات کے بعد سے دارالعلوم کراچی کے اہتمام

کی تمام ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہیں اور آپ ان ذمہ داریوں کو بطریق احسن حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مزاج و مذاق کے مطابق انجام دے رہے ہیں، اس سلسلہ میں حضرتؒ کے نقوش قدم کو آپ نے اپنے لئے مشعلِ راہ بنا رکھا ہے۔ واللہ الموفق والمبین۔

یہ سب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحییؒ صاحب مدظلہم العالی کی نیک صحبتوں اور مجالس کا فیض ہے کہ آپ نے ان کا دامن تھام رکھا ہے، آپ تقریباً آٹھ سال قبل حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم سے اُن سے بیعت ہوئے۔ جب سے باقاعدہ ان کی خدمت میں حاضری ہو رہی ہے۔ اللہ پاک اس سلسلہ کو قائم دائم رکھے۔

آپ کی یہ خوش نصیبی ہے آپ کو سفر و حضر میں بکثرت حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں رہنے اور طویل عرصے تک استفادہ کرنے کا موقع ملا، افریقہ کے سفر اور رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنسوں میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے آپ کو اپنا رفیق سفر بنایا، اگرچہ تدریس و افتاء اور اہتمام کی ذمہ داریوں کی بناء پر تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کا آپ کو بہت کم وقت مل سکا۔ لیکن آپ کے علمی و تحقیقی ذوق نے اس کے باوجود مندرجہ ذیل گرانقدر تصانیف جملہ معروفیات کے باوصف لکھوالیں۔

(۱) ترجمہ علم الصیغہ اردو" ترجمہ کے علاوہ متعلقہ ضروری حواشی بھی ساتھ ہیں، اس میں آپ نے علم صرف سے متعلق ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

(۲) علاماتِ قیامت اور نزول مسیح۔ (۳) احکام زکواۃ

(۴) پرائیویڈنٹ فنڈ پر سود اور زکواۃ کے مسائل۔

(۵) حاشیہ شرح عقود رسم المفتی "۔ (۶) حاشیہ تسہیل الوصول۔

(۷) سوانح حضرت مفتی اعظم جو امداد المفتیین کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔

(۸) سوشلزم کا منفرد پس منظر۔ (۹) پارٹی سیشن فنڈ پر سود اور زکواۃ کے مسائل۔

(۱۰) رفیق حج۔

(۱۱) اسلامی قانون میں طبی رپورٹ کی عدالتی حیثیت۔

(۱۲) فقہ، فتویٰ اور تصوف، یہ اپنے موضوع پر غالباً پہلی تالیف ہے۔

(۱۳) تحریر و کتابت عہدِ رسالت میں۔

(۱۴) فقہ میں اجماع کا مقام۔

ان کے علاوہ البلاغ اور دوسرے اخبارات و رسائل میں آپ کے علمی و اصلاحی مضامین اور اہم فتاویٰ بکثرت شائع ہوتے رہتے ہیں۔

آپ کے چھوٹے بھائی حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی ہیں، جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے سب سے چھوٹے مایہ ناز فرزند اور ان کے علوم کے امین ہیں، غیر معمولی ذہانت و فطانت کے مالک ہیں، تحریر و تقریر کا اچھا ملکہ رکھنے کے ساتھ بہترین ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ ایک مایہ ناز محقق، محدّث، مفسّر، مدبّر، متکلّم، خطیب ادیب اور ایک جیّد عالم دین ہیں،

اس وقت پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے فاضل جج، ماہنامہ البلاغ کے مدیر اعلیٰ دار العلوم کراچی کے نائب مہتمم، استاذ حدیث، شعبۂ تصنیف و تالیف کے نگرانِ اعلیٰ اور جامعۃ الملک عبد العزیز مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام ہونے والی پہلی عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس کے رکن ہیں۔ آپ کے بارے میں صرف دو اکابر علماء کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے آپ کا علمی مقام واضح ہوجاتا ہے،

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

جہاں حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے ترکہ میں ایک بڑا علم چھوڑا جو ان کی کثیر تصانیف میں محفوظ ہے وہیں الحمد للہ قابل اولاد بھی چھوڑی، جس سے بھرپور توقع ہے کہ ان کے آثار

اور باقیات الصالحات کو من وعن باقی رکھیں گے بالخصوص عزیز مولوی محمد تقی عثمانی سلمہٗ سے ہماری اُمیدیں زیادہ وابستہ ہیں اب انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مفتی محمدؒ شفیع ہیں حق تعالیٰ ان آرزوؤں کو پورا فرمائے آمین۔"

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب ناظم ندوۃ المصنفین دہلی فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مفتی اعظمؒ آج دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی وہ پاکستان میں علماء دیوبند کی آبروؒ تھے۔ الحمد للہ ان کی اولاد نے ان کے تمام علمی و اصلاحی کاموں کو قابلیت اور سلیقہ سے سنبھال لیا ہے اور ان کی تمام ہی اولاد ماشاء اللہ ذی علم ہے اور صحیح راستہ پر قائم ہیں۔ خاص طور پر عزیزم مولوی محمد تقی عثمانی صاحب کی قلم کی روانی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، یہ عرصۂ دراز سے حضرت مفتی صاحب کی نگرانی میں اہم علمی کام کر رہے تھے۔ "بائبل سے قرآن" تک تین ضخیم جلدوں میں مولانا محمدؐ تقی عثمانی کی علمی اور تحقیقی کاوش پر شاہدِ عدل کتاب ہے۔ ہمارے خاندان میں نوجوانوں میں دو لکھنے والے عجیب و غریب ہوئے ہیں، ایک عامر میاں عثمانی مرحوم دوسرے مولانا محمد تقی عثمانی، ان دونوں کے قلم کی جولانیاں قابلِ دید ہیں، مولانا محمد تقی صاحبؒ میں یہ خصوصیت بھی آگئی ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ جیسے فاضلِ وقت اور مقدس بزرگ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے ہیں

مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دارالعلوم میں مفتی و استاذ حدیث ہیں، وہ بھی متعدد کتب کے مصنف ہیں اور بالغ نظر عالم ہیں اور مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کے بڑے لڑکے یعنی حضرت مفتی صاحبؒ کے پوتے مولوی محمود اشرف عثمانی جامعہ اشرفیہ لاہور میں اُستاذ ہیں اور ادارہ اسلامیات کے نام سے دینی کتب کے بہت بڑے ادارے کے مالک ہیں گے۔ اللہ تعالےٰ مزید دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

تمت بالخیر

اظہارِ تشکر

اللہ رب العزت جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ جس نے بندہ ناچیز کو اپنے اکابرین کا تذکرہ مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائی دلی تمنا اور دُعا ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے تاحیات ان ہی قدسی صفات بزرگوں کے مسلک اور مشرب پر قائم ودائم رکھے اور میدان حشر میں ان ہی اصحاب تذکرہ کے ساتھ بندۂ ناچیز کا بھی حشر کرے۔ آمین ثم آمین

اللہ جل شانہ کی حمد وثنا کے بعد ان تمام اکابر اور احباب کا تہہ دل سے ممنون اور مشکور رہوں کہ جنہوں نے بندۂ ناچیز کی اس تالیف کی ترتیب وتدوین میں معاونت فرمائی خصوصاً برادرِ مکرم جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مالک "ادارہ اسلامیات لاہور" کا جنہوں نے اس تالیف کو اپنے ادارہ سے شائع کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی اور آج یہ عظیم الشان تالیف آپ حضراتِ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔

دعا ہے کہ اللہ عز وجل بندۂ ناچیز کی اس کوشش کو شرف قبولیت بخشیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائیں۔ آمین

طالبِ دُعا۔ بندۂ ناچیز، محمد اکبر شاہ بخاری عفی عنہ